قرآنی

شعورِ انقلاب

جلدِ اوّل



امام عبید اللہ سندھیؒ

قرآنی شعورِ انقلاب

از

امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ

مرتبہ

حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ

(جلدِ اوّل)

تقدمہ و تحقیق

مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

رحیمیہ مطبوعات

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
00-92-42-36307714, 36369089 www.rahimia.org
info@rahimia.org /rahimiainstitute

کتاب	—◈—	قرآنی شُعورِ انقلاب (جلدِ اوّل)
اِفادات	—◈—	امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ
مرتب	—◈—	حضرت مولانا بشیراحمد لدھیانویؒ
تقدمہ و تحقیق	—◈—	مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
سالِ طباعت	—◈—	اکتوبر 2019ء
ناشر	—◈—	رحیمیہ مطبوعات، لاہور
قیمت		

رحیمیہ مطبوعات

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
☎ 00-92-42-36307714, 36369089 www.rahimia.org
info@rahimia.org /rahimiainstitute

عرضِ ناشر

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور اُن کے سلسلے کے بزرگوں کی کتابیں شائع کرنے کا سلسلہ ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور کے شعبہ ''رحیمیہ مطبوعات'' کی طرف سے جاری ہے۔ اب تک اس سلسلے کے بزرگوں کی کتابیں بڑی تحقیق و تدوین اور تخریج کے ساتھ شائع ہوچکی ہیں۔ ولی اللّٰہی سلسلے کے فروغ کے لیے امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے جو انتھک محنت کی ہے، وہ تاریخ کے صفحات پر ثبت ہے۔ انھوں نے پوری زندگی ولی اللّٰہی سلسلے کے بزرگوں کی تعلیمات کو عام کرنے میں بڑی جدوجہد اور کوشش کی ہے۔

زیرِنظر کتاب ''قرآنی شعورِ انقلاب'' ولی اللّٰہی اُسلوب پر قرآن حکیم کی منتخب سورتوں پر مشتمل ہے۔ حضرت سندھیؒ نے ان سورتوں کی تفسیر مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ کو اِملا کرائی تھی۔ انھوں نے بڑی محنت اور سلیقے سے ہر سورت کو مرتب کر کے مختلف عناوین کے ساتھ شائع کیا تھا۔ پھر ہمارے احباب نے ان سورتوں کو ''قرآنی شعورِ انقلاب'' کے نام سے یک جا مرتب کیا تھا۔ اس طرح اس کتاب کے چھ ایڈیشن مکی دارالکتب لاہور نے شائع کیے تھے۔

ادارہ رحیمیہ لاہور میں شعبہ ''رحیمیہ مطبوعات'' قائم ہونے کے بعد اس کتاب پر ازسرِنو تحقیق و تخریج کا کام ہوا۔ اس طرح اس کتاب کا ایک محققانہ ساتواں ایڈیشن اگست 2009ء میں شائع ہوا۔ اس ایڈیشن میں حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری کا تحریر کردہ ایک وقیع مقدمہ اور امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے نقوش ہائے زندگی بھی شاملِ اشاعت کیے گئے تھے۔ اس ایڈیشن کے شروع میں حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی ایک وقیع ''تقریظ'' اور حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن کا ''حرفِ اوّل'' بھی شامل تھا۔ اس ایڈیشن کو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ اس کے بعد اس کتاب کے تین مزید ایڈیشن اگست 2010ء، جولائی 2012ء اور اگست 2015ء میں شائع ہوئے۔

آخری ایڈیشن بھی کافی عرصے سے ختم ہوچکا تھا۔ احباب کا تقاضا تھا کہ صفحات کی ضخامت زیادہ ہونے کی وَجہ سے اس سے استفادہ کرنے میں دِقت ہوتی ہے۔ اس لیے زیرِنظر ایڈیشن میں اس کتاب کو دو جلدوں شائع کیا جا رہا ہے۔ یہ جلدِ اوّل ہے۔ ناظم رحیمیہ مطبوعات، لاہور

باسمہٖ سبحانہ وتعالیٰ

تَعُنِیَه

میں یہ اوراق اپنے کہن سال، جواں فکر، اُستاذِ معظم، مجاہد فی سبیل اللہ

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی

رحمة اللّٰه عليه وعلىٰ اَساتذتهٖ ومشائخهٖ

کے نامِ نامی سے معنون کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں:

☆ جن کے فَیض سے یہ (اوراق) قلمبند ہوئے ہیں۔

☆ اور جنہوں نے مسلمانانِ ہند کو قرآنی انقلاب اور فلسفۂ ولی اللہی سے روشناس کرایا۔

☆ اور جنہوں نے خدا تعالیٰ کے قانون کو دنیا میں بلند کرنے کی کوشش میں اپنی جان و مال، اپنے عزیز و اقارب اور ملک و وطن سب کچھ ہیچ سمجھا۔

☆ اور ایک بلند نظر، صاحب عزیمت انقلابی کی طرح زندگی بسر کر کے آخر کار

۲ رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ (21 اگست 1944ء)

کو بحالت صوم جان جانِ آفرین کو سپرد کی۔

نیاز آگیں: بشیر احمد بی۔اے، لدھیانوی



فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
1	عرضِ ناشر　از ناظم رحیمیہ مطبوعات لاہور	3
2	تَعۡنِیَہ (انتساب بنام امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ)	4
3	تقریظ از حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ	21
4	حرفِ خیال از ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن	24
5	تقدمہ از حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری	29
6	نقوشِ زندگی حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ	44
7	امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ؛ شخصیت و کردار	56
8	حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ؛ مختصر حالاتِ زندگی	83
9	حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ ایک نظر میں از مولانا لدھیانویؒ	93
10	کلمات طیبات از حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ	94
11	مقدمہ از مرتب (مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ)	95

سورتوں کے عنوانات

1	قرآنی اساسِ انقلاب	(سورت فاتحہ)	103
2	قرآنی جنگ انقلاب	(سورت محمد)	163
3	قرآنی عنوان انقلاب	(سورت فتح)	237
4	قرآنی حزبِ انقلاب	(سورت المجادلہ)	331
5	قرآنی اقدامِ انقلاب	(سورت الحشر)	357

قرآنی اساسِ انقلاب (سورت فاتحہ)

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
1	قرآنی اساسِ انقلاب	103
2	سورت الفاتحہ؛ اللہ کی نظر میں	104
3	تمہید	105
4	سورت کا نام	105
5	سورت کا زمانہ نزول	105
6	سورت کا مضمون	105
7	اس سورت کا باقی سورتوں سے ربط	106
8	نبی اکرمؐ کی نبوت کے دو درجے	106
9	قومی درجہ	106
10	بین الاقوامی درجہ	107
11	حنیفیت عالمی تحریک ہے	109
12	دینی اور سیاسی تحریک میں فرق	109
13	دین کو سیاست کی ضرورت	110
14	تفسیر سورت	114
15	تشریح الفاظ	114
16	تفسیر آیات	115
17	حمد الٰہی کے چار گوشے	119
18	رب الاقوام	121
19	انسانیت کی تین بنیادی خصوصیات	123
20	نظامِ ربوبیت	125
21	کائناتوں کا خالق	127
22	رحمٰن اور رحیم	130

23	رحمت کی وسعت	131
24	نظام عدل کی ضرورت	132
25	عمل اور اس کا نتیجہ	135
26	یوم الدین کی ضرورت	136
27	یوم الدین پر ایمان کا فائدہ	140
28	عبادت کیا ہے؟	142
29	اخبات الی اللہ	142
30	غیر انقلابی کبھی مدد نہیں دیں گے	144
31	توحید اور حریت	144
32	دعا کی حقیقت	146
33	دعا کی پہلی اساس	147
34	دعا کے لیے دو ضرورتیں	147
35	اجتماع مبعوث من اللہ ہوتا ہے	149
36	دینی اور لا دینی جماعتیں	149
37	دعا کی دوسری اساس	150
38	سورۂ فاتحہ کی دعا کا مطلب	150
39	صراط مستقیم عقل کی روشنی میں	151
40	اس دعا کا اجتماعی پہلو	153
41	طلب ہدایت کی ضرورت	153
42	ترقی کن سوسائٹی کے چار اجزاء	155
43	ضالّین کون ہیں؟	159
44	قرآن کا مقصد	160
45	بین الاقوامی دعا	160
46	صلٰوۃ کیا ہے؟	161

قرآنی جنگِ انقلاب (سورت محمد)

1	قرآنی جنگِ انقلاب	163
2	قرآنی انقلاب کا مقصد	164
3	مقدمہ	165
4	حیوانی اور انسانی زندگی کے اصول	165
5	انسانی سوسائٹی میں انقلاب کی ضرورت	166
6	قیصروکسریٰ اورعرب کشمکش کا جائزہ	167
7	قرآن حکیم کی اجتماعی انقلابی تعلیم	167
8	قرآن حکیم کی جماعت کا سیاسی غلبہ	168
9	دین اور سیاست کا باہمی تعلق	168
10	انقلابی روح کو مضبوطی سے پکڑنے کی ضرورت	169
11	حکومت و نظام حکومت کی دو بنیادیں	170
12	اہل احسان اوراہل فقہ کی اہمیت	172
13	امام ولی اللہ دھلویؒ کی اہمیت	173
14	ولی اللّٰہی حکمت پرقرآنی تفسیر	174
15	انقلاب (نظم)	176
16	تمہیدِ سورت؛ قرآنی انقلاب اور جنگ	177
17	سورت کا نام	177
18	پچھلی سورت سے ربط	177
19	اگلی سورت کے ساتھ ربط	177
20	اجتماعی تحریک کی دو قسمیں	178
21	قرآنی تحریک ارتقائی نہیں انقلابی ہے	178
22	اسلام میں انتقامی جنگ نہیں	179
23	قرآن کا فکر	180

24	کافر کون ہے؟	180
25	’’کافروں‘‘ سے لڑنا کیوں ضروری ہے؟	181
26	اسلام اور جنگ	181
27	یورپ کا فریب	181
28	رجعت پسندوں کا ایک فریب	182
29	دوسرا فریب	183
30	نمونے کی جماعت	183
31	منافقین کا اخراج	183
32	حجازی انقلاب کی منزلیں	185
33	سورت محمد	186
34	تفسیر سورت محمد	189
35	کافر کون ہیں؟	189
36	کافروں کی طرف سے رکاوٹ	189
37	کافروں کی ناکامی	189
38	کافروں سے مصالحت کی ایک ہی صورت	190
39	ایمان دار کون ہیں؟	190
40	نبی اکرم ﷺ کی دو حیثیتیں	191
41	حق کیا ہے؟	191
42	لغزشوں کی معافی	191
43	کامیابی کی گارنٹی	192
44	قواعد جنگ	193
45	رجعت پسندوں کا خاتمہ کر دو	194
46	رجعت پسندوں کی تنظیم توڑ دو	194
47	قیدیوں کے متعلق احکام	195
48	کیا اسلام میں غلامی نہیں ہے؟	195

49	قیدیوں کی رہائی کی شکلیں	196
50	کن قیدیوں کو رہا کیا جائے گا؟	197
51	قید کے طریق	198
52	کافروں کے لیے غلامی ایک رحمت	199
53	غلامی کے منکروں کی غلطی	199
54	آزمائش کا مقصد	200
55	شہید کی محنت ضائع نہیں جاسکتی	200
56	جنت کا تصور مادی زندگی میں	201
57	کامیابی کی شرط	203
58	پائیداری کی شکل	203
59	مخالفین کی ناکامی	203
60	ناکامی کی تاریخی شہادتیں	204
61	جنگ کا انجام	205
62	کافر ومومن کا تقابل	205
63	مخالفین انقلاب کو تنبیہ	206
64	بہشت کا تصور قومی نقطۂ نگاہ سے	208
65	مخالفین انقلاب کی حالت	215
66	منافقین	215
67	مومنین کی حالت	216
68	تقویٰ کیا ہے؟ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی تعریف	216
69	عدل	217
70	احسان	217
71	قریبیوں کو دینا	217
72	الساعۃ سے کیا مراد ہے؟	218
73	اس انقلاب کی غرض	219

74	منافقوں کی حالت	220
75	مومنین اور قتال	220
76	منافقین اور جنگ	221
77	قولِ معروف کیا ہے؟	222
78	عزم اور سچائی کے فوائد	222
79	منافقین کو کوئی ذمہ دار پوزیشن نہیں دی جاسکتی	223
80	منافقین کی غلط ذہنیت	224
81	انقلاب اور جہاد	225
82	نماز، روزہ اور قتال	226
83	منافقین اور کافر کا سمجھوتہ	228
84	صوفیاء کا فریضہ	229
85	منافقوں کا اخراج	230
86	مومنوں سے خطاب	232
87	نبی اکرم ﷺ کی پیروی کے معنی	232
88	کفار کا انجام	232
89	مضبوطی اور پائیداری کی ضرورت	233
90	مال خرچ کرنے کی ضرورت	233
91	نبی کریم ﷺ کی جماعت اور اللہ کی راہ میں خرچ	235
92	موجودہ دور کی ضرورت اور امام ولی اللہ دہلویؒ	236

قرآنی عنوانِ انقلاب (سورت فتح)

1	قرآنی عنوانِ انقلاب	237
2	قرآنی سیاست کے بنیادی اصول	238
3	مقدمہ	239
4	ضبط کی ضرورت	239
5	اسلامی جماعت میں ضبط	239

6	اس ضبط کا مقصد	240
7	انقلاب کی طبعی رفتار	240
8	صلح حدیبیہ کا مقام تاریخ اسلام میں	241
9	امام ولی اللہؒ کا فکر	243
10	سورۂ فتح کا قیمتی سبق	244
11	پہلے قومی انقلاب لایا جائے	244
12	موت قبول کرنے کی منزل	246
13	قرآن اجماعی جنگ کا قائل ہے	246
14	ہندوستان کی موجودہ صورتحال	246
15	تمہید سورت	248
16	سورت کا موضوع	248
17	سورۂ فتح کا مرکزی واقعہ	248
18	صلح کا نتیجہ اور اثر	252
19	سورت الفتح	254
20	تفسیر سورت	257
21	قومی انقلاب	257
22	انقلاب کیا ہے؟	257
23	مسلمانوں کی مضبوط پوزیشن	257
24	جنگوں کا نقصان	258
25	صلح کا فائدہ	258
26	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں	259
27	معلم منتقم نہیں ہوسکتا	262
28	جماعت میں جذبہ انتقام	263
29	جماعتی غلطیوں کی ذمہ داری لیڈر پر	263
30	صلح میں ایک پوشیدہ حکمت	264

31	صلح کا جواز	264
32	پچھلی ''غلطیوں'' کا ازالہ	266
33	اگلی ''غلطیوں'' کا ازالہ	266
34	انسان کی ارتقائی زندگی اور انتقام	267
35	''اتمام نعمت'' سے کیا مراد ہے؟	268
36	سیدھی راہ	269
37	صحابہؓ کا ایمان	271
38	انسانیت کی خدمت	272
39	اس خدمت کا مقصد	273
40	غلطی کی معافی کیوں؟	274
41	تھڑدلے: منافقین	275
42	رجعت پسند مشرکین	275
43	مشرکین کی تحلیل نفسی	276
44	قرآنی سیاست کے بنیادی اصول	278
45	انٹرنیشنل طاقت کا وعدہ	279
46	نبی اکرم ﷺ بطور معلم و نذیر	279
47	خدا کی محبت کی معنی	280
48	خدا کی طرف سے الزام	281
49	معاشی مسئلے کی اہمیت امام ولی اللہؒ کے نزدیک	281
50	معاشی مسئلے کے بعد	281
51	حجازی انقلابیوں کی افضلیت	282
52	بیعت رضوان کی حقیقت	284
53	عہد شکنی کی سزا	285
54	ارتجاعی ذہنیت	287

55	منافقین	287
56	توفیق باندازۂ ہمت	288
57	منافقین کی نفسی تحلیل	289
58	حجاز کو پاک کیا جائے	290
59	زمین پر اللہ کی بادشاہی	291
60	اخلاقی فتح کے نتیجے	292
61	خیبر کی فتح کا بھید	293
62	کل قومی انقلاب کی تیاری	294
63	آنے والے امتحان	294
64	قیصر وکسریٰ سے مقابلہ ہوگا	295
65	امام ولی اللہ کے خیالات	295
66	اجماعی جنگ	298
67	ابوبکر جصاصؒ کا قول	299
68	دنیا اور آخرت کی زندگی کا تسلسل	302
69	غلامی کا عذاب	302
70	صلح حدیبیہ میں ایک بھید	303
71	موت سے مصافحہ	303
72	آپ ﷺ کی جماعت کا طریق تنظیم	304
73	قومی حکومت	304
74	اللہ کا اظہار خوشنودی	305
75	محض جوش کافی نہیں	305
76	خیبر کی فتح کا وعدہ	305
77	روم اور ایران کی فتوحات کا وعدہ	307
78	اس سفر میں جنگ نہ ہونے کی وجہ	308

79	جنگ مقصود اصلی نہیں	309
80	حکمت قرآنی کا ایک نکتہ	309
81	اللہ کی رحمت میں داخل ہونے والی جماعتیں	310
82	لڑائی کیوں رکی؟	311
83	قرآنی انقلاب کا نصب العین	313
84	نبی اکرم ﷺ کا خواب	313
85	مکہ میں خفیہ مسلم سوسائٹیاں	314
86	قرآن کا مقصد	314
87	امام ولی اللہؒ کے خیالات	315
88	نبی اکرم ﷺ کی اجتماعی حیثیت	317
89	مشورہ کرنا آنحضرت ﷺ کے لیے ضروری تھا	318
90	مشاورت کی اہمیت	320
90	''صحابی'' سے کون مراد ہیں؟	321
92	نبی کریم ﷺ کے ساتھی اشدء علی الکفار ہیں	322
93	وہ ''رحماء بینھم'' بھی ہیں	322
94	فائدہ	323
95	رکوع کیا ہے؟	323
96	سجدہ کیا ہے؟	323
97	فضل کیا ہے؟	324
98	رضوان سے کیا مراد ہے؟	325
99	نبی اکرم ﷺ کی جماعت کی خوبی	326
100	تورات اور انجیل میں اس جماعت کا ذکر	327
101	یہ نمونے کی جماعت ہے	329
102	سورۂ فتح کا خلاصہ اور سورہ حجرات کے ساتھ ربط	329

قرآنی حزبِ انقلاب (سورت المجادلہ)

1	قرآنی حزبِ انقلاب	331
2	حزب اللہ کے بنیادی اصول	332
3	حرفِ اوّل از ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن	333
4	عرض اوّل از غازی خدابخشؒ	334
5	تمہید سورت	335
6	سورت کا موضوع: حزب اللہ کی ضرورت	335
7	خلافت باطنہ	335
8	حزب اللہ کی ضرورت	336
9	ایک اسلوب نزول	336
10	ترتیب نزول و کتابت کا فرق	336
11	سورت کی ابتدائی آیات کا نشانِ نزول	337
12	ایک اوراسلوب قرآن	338
13	واقعہ ظہار اور قیام حزب اللہ میں ربط	338
14	سورت المجادلہ	341
15	تفسیر سورۃ المجادلہ	343
16	ایک غلط رسم کی اصلاح	343
17	حزب اللہ کی تشکیل کی ضرورت	344
18	منافقین کی شکست کا اعلان	345
19	جماعت کی اہمیت	346
20	حزب الشیطان کے اصول	347
21	حزب اللہ کے بنیادی اصول	347
22	حزب اللہ کا فائدہ	348
23	داخلی تنظیم	349

24	حزب الشیطان سے سلوک	351
25	منافقین اور یہود سے سلوک	352
26	شکست کی مکرر پیش گوئی	353
27	انبیاء کی جماعتوں کے غلبہ کا اعلان	354

قرآنی اقدامِ انقلاب (سورت الحشر)

1	قرآنی اقدامِ انقلاب	357
2	حضرت عمرؓ کا دانش مندانہ فیصلہ	358
3	حرفِ اوّل از ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن	359
4	تمہید سورت الحشر	360
5	سورت کا موضوع	360
6	حزب کا سیاسی ارتقاء	360
7	حزب اللہ کی تاسیس مکہ معظّمہ میں	360
8	حزب اللہ مدینہ منورہ میں	361
9	منافقین سے مقابلہ	361
10	غزوہ بنی النضیر	362
11	غزوۂ بنونضیر پہلا اقدامی حملہ	363
12	کیا اسلامی جنگ مدافعانہ ہے؟	363
13	اسلام اور جنگ	364
14	سورت الحشر	365
15	تفسیر سورۃ الحشر	367
16	سورۃ المجادلہ کے ساتھ ربط	367
17	یہود کی شکست اور اپنے ہاتھوں تخریب	368
18	مسلمانوں کے لیے عبرت	368
19	یہود کی جلاوطنی	369

20	دنیاوی عذاب	369
21	جلاوطنی کیوں؟	370
22	میدان جنگ میں صحیح فیصلہ	370
23	الحشر کا اصل موضوع	371
24	فے کی تعریف	371
25	فے کی اراضی کس کی ہیں	372
26	انقلاب کی حقیقت	372
27	مال فے کے پانچ حصے	373
28	اللہ کا حصہ تبرکاً ہے	374
29	رسول اللہؐ کا حصہ: آپ کے بعد کس کا؟	374
30	ذوی القربیٰ	374
31	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پارٹی کی ضرورت	375
32	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذوی القربیٰ کون ہیں؟	377
33	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبی قربیٰ	377
34	نسبی قربیٰ کسی ترجیحی حق کے مستحق نہیں	377
35	مودۃ القربیٰ کا اصل مفہوم	378
36	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین قسم کے ذوی القربیٰ	379
37	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح پوزیشن	379
38	حضرت ابوبکرؓ کا دانشمندانہ فیصلہ	380
39	یتامیٰ کے لیے روپے کی ضرورت	380
40	مساکین کے لیے روپے کی ضرورت	381
41	ابن السبیل سے کیا مراد ہے؟	381
42	اسلام اور سرمایہ داری	382
43	عادلانہ تقسیم	382
44	اراضی فئے اور حقوق کاشتکاری	382

45	زمین پر اہل ملک کا حق تسلیم	383
46	خراج کا مصرف	384
47	حضرت عمرؓ کا دانشمندانہ فیصلہ	384
48	درس و اعتبار	385
49	حضرت امام شافعیؒ کی رائے	385
50	آئمہ احناف کی رائے اور شاہ ولی اللہ	386
51	اکیا اکراہ فی الدین جائز نہیں؟	386
52	فلسفہ ولی اللٰہی اور انقلاب	387
53	ذوی القربی کی صحیح تفسیر	388
54	انقلاب اور اسلام کا لزوم	389
55	مجددین اور انقلاب	389
56	مہاجرین کا حصہ فئے میں	389
57	فضل اور رضوان	390
58	نصرت	390
59	دارلاسلام مدینہ منورہ	390
60	محبت مہاجرین کا نتیجہ	391
61	سرمایہ پرستی سے نفرت	391
62	دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح	391
63	انصار اور مہاجرین کا درجہ	391
64	انصار و مہاجرین کے لیے استغفار کا مطلب	392
65	انقلاب کے اجزاء ثلاثہ	393
66	اانقلاب میں دھوکا	393
67	مال فئے کی تقسیم کا سبب	394
68	قرآن کے خلاف بین الاقوامی محاذ	394
69	منافق کون ہے؟	395

70	دو پیشین گوئیاں	395
71	مضبوط مسلح جماعت کی ضرورت	395
72	انقلاب اور جمود کا فرق	396
73	یہود کا ایک عیب	396
74	یہود کے متعلق ایک پیشین گوئی	397
75	منافقین کی تمثیل	397
76	حزب اللہ کی زندگی کی دوسری منزل	397
77	بین الاقوامی سرداری	398
78	اللہ کو بھولنے کا نتیجہ	398
79	اللہ کی یاد کا فائدہ	399
80	بزدلی کس طرح پیدا ہوتی ہے؟	399
81	فاسق اور کافر میں فرق	400
82	مسلسل کام کرنے والے اصحابِ جنت ہیں	400
83	قرآنی انقلاب کی راہ میں دو پہاڑ	401
84	سرمایہ پرستی اور برہمنیت کا خاتمہ	401
85	کامیابی کا مالک صرف اللہ ہے	401
86	قرآنی انقلاب کائنات کے لیے رحمت ہے	202
87	حاکمیت اعلیٰ صرف اللہ کی ہے	402
88	برہمنیت کا خاتمہ کس طرح ہوا؟	403
89	قرآنی تحریک ہمیشہ کامیاب رہے گی	403
90	قرآنی انقلاب کے نتائج	404
91	ان کا منبع صرف خدا ہے	404
92	کیا کوئی نیا نبی آئے گا	405
93	نئے نظام کی خوبیاں	406

تقریظ

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری قدس سرہٗ السعید

مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

برصغیر پاک و ہند میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہ وہ عظیم شخصیت ہیں، جنہوں نے اس خطہ میں ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں، جس کی مثال مشکل سے ہی ملتی ہے۔ آپؒ نے شریعت، طریقت اور سیاست، تینوں شعبوں میں رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ خاص طور پر آپ نے برعظیم پاک و ہند کی آزادی کے لئے تحریک ریشمی رومال جیسی عظیم تحریک برپا کی۔ ان تمام کاموں میں آپؒ کے ہمرکاب قطب العالم حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہ رہے، آپؒ نے نہ صرف اس تحریک کی سرپرستی فرمائی، بلکہ قرآن حکیم کی تعلیم کے پھیلاؤ کے لئے بڑی جدوجہد اور کوشش فرمائی۔

ان حضرات نے ایک جماعت کی تربیت فرما کر اسے اپنا جانشین بنایا چنانچہ ان کے تربیت یافتہ افراد میں قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مفتی اعظم مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ وغیرہم علماء کی ایک بڑی جماعت رہی ہے۔ اس جماعت کے رکن رکین اور اہم ترین لوگوں میں سے امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جو بلاشبہ حضرت شیخ الہندؒ کی جماعت کے ایک عظیم فرد ہیں، جنہوں نے تادمِ آخر اپنے اساتذہ و مشائخ اور علمائے ربانیین کے جامع فکر و عمل، خاص طور پر حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فکر و فلسفہ کو پھیلانے کے لئے انتھک جدوجہد اور محنت کی ہے۔ آپؒ نہ صرف شریعت کے متبحر، مستند اور پختہ کار عالم دین تھے، بلکہ طریقت اور تصوف کے شناور اور حظیرۃ القدس سے تعلق رکھنے والے سچے اولیاء اللہ میں سے تھے، اور سیاسیات و اقتصادیات کے میدان میں تو آپ امامِ انقلاب اور سچے و مخلص راہبر و رہنما تھے، آپؒ نے دورِ حاضر کی

سیاست اور اقتصادیات کے داؤ پیچ کو سمجھا، اور قرآنی سیاست اور اس کے معاشی نظام کو غالب کرنے کی انقلابی حکمت عملی اور اس کا طریقہ کار واضح کیا۔

حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت رائے پوریؒ کے تربیت یافتہ علمائے ربانیین نے آخری دم تک آپؒ کے بیان کردہ افکار و تعلیمات پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ خاص طور پر ہمارے شیخ اور مرشد قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ نے نہ صرف آپ پر پورا اعتماد فرمایا بلکہ اپنے مسترشد خاص حضرت مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوری کو حضرت سندھیؒ کی خدمت میں بھیجا تاکہ ان کے افکار و تعلیمات پر تربیت حاصل کریں۔ یہی نہیں بلکہ آپ نے ۱۰ ر رمضان ۱۳۶۵ھ، 8 اگست 1946ء کو حضرت سندھیؒ کے بارہ میں فرمایا:

''میں نے تو حضرت شیخ الہندؒ سے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی تعریف سنی ہے کہ وہ بہت مستعد ہیں اور آپ ان کی بہت ہی تعریف فرماتے تھے۔ تو اب میرے خیال میں یہ ہے کہ مولانا (سندھی) کی بات سمجھنی دشوار ضرور تھی مگر بات صحیح کہتے تھے.... لہٰذا مولانا عبیداللہ (سندھی) کے متعلق حضرت شیخ الہندؒ کے اقوال کو سامنے رکھتے ہوئے میں تو ان کو ایسا نہیں سمجھتا جیسا عام نکتہ چین یا بعض حضرات فرماتے ہیں''۔ (ارشادات: ص۳۴، ۳۵)

اسی طرح شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے اپنی خودنوشت سوانح حیات ''نقش حیات'' میں جو آپ کی زندگی کی آخری تصنیف ہے، حضرت سندھیؒ کے حالاتِ زندگی لکھتے ہوئے اپنے اعتماد کا اظہار فرمایا ہے۔ اسی طرح والد گرامی حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ نے بھی ایک دفعہ مولانا بنوریؒ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

''حضرت سندھیؒ ایسے نہیں تھے جیسا کہ لوگ ان کے بارہ میں تأثر دیتے تھے، حضرت سندھیؒ بہت اونچی نسبت کے بزرگوں میں سے تھے، ان کے بلند افکار و خیالات کسی کی سمجھ میں نہ آئیں یہ اور بات ہے، لیکن حضرت سندھیؒ حضرت شیخ الہندؒ کے ایسے اعتماد یافتہ بزرگ ہیں کہ جن کے بنیادی فکر و عمل میں آخر دم تک کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے''۔

آج اسلام پسندی کا دعویٰ کرنے والے بعض نادان لوگ ایسے ہیں جو مولانا سندھیؒ پر

بے جا الزام تراشیاں کرنے سے باز نہیں آتے، انہیں اللہ سے ڈرنا چاہیے، یہ لوگ حضرت سندھیؒ جیسے عظیم ولی کامل، اور سچے انقلابی پر بے سر و پا الزم تراشی کی وجہ سے کسی عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ ایسے ہی کچھ نام نہاد قوم پرست حلقے ہیں، جو مولانا سندھیؒ کا نام استعمال کر کے انکارِ حدیث کے فتنہ کو پھیلانے کے لئے کوشاں ہیں، مولانا سندھیؒ کے افکار و خیالات کو حضرت شیخ الہند قدس سرہ کے فکر وعمل اور امام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ کی جامع انقلابی تعلیمات سے ہٹ کر پیش کرنے والے حضرات کا کوئی تعلق حضرت سندھیؒ سے نہیں ہے۔ حضرت سندھیؒ اپنی جماعت شیخ الہندؒ کے نظریہ کے حامل ہیں اور اسی کے پھیلاؤ کے لئے جدوجہد کرنے والے ہیں، چنانچہ ایک دفعہ خود انہوں نے ہمارے حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے فرمایا تھا:

''خدا کی قسم اگر مجھے اب بھی یہ معلوم ہو جائے کہ حضرت شیخ الہند میرے کام سے ناراض ہیں یا خوش نہیں تو باوجود اس پختگی کے جو میں نے بیان کی ہے، فوراً اس کام سے رُک جاؤں گا، اس لئے میں اسے چھوڑ کر اور کسی طرف توجہ نہیں کرسکتا''۔

زیرنظر کتاب ''قرآنی شعورِ انقلاب'' حضرت سندھیؒ کے تفسیری افادات کا مجموعہ ہے، جو ان کے عزیز ترین شاگرد حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی محنت اور ذمہ داری کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ اور جس پر خود حضرت سندھیؒ نے اپنے اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ اس مجموعہ میں اگر کوئی بات مرتب کے ذاتی خیالات پر مبنی ہو تو اسے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تعلیمات اور حضرت شیخ الہندؒ کی جماعت کی جدوجہد کے تناظر میں بخوبی سمجھا جا سکتا ہے، بحیثیت مجموعی یہ کتاب قرآن کی انقلابی تعلیمات کا شعور حاصل کرنے میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے نوجوانوں کو دین اسلام کی سچی تعلیمات کی رہنمائی حاصل کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے، اور اس کتاب کو غلبۂ دین کی جدوجہد کرنے والے نوجوانوں کے لئے رہنمائی کا ذریعہ بنائے اور دنیا و آخرت کی بھلائی نصیب فرمائے۔ آمین۔

سعید احمد رائے پوری 19 جون 2009ء

حرفِ اوّل

از ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

قرآن حکیم انسانی سماج کو صحت مند خطوط پر استوار کرنے کا نقیبِ یزداں ہے۔ اس نے انسانی نفسیات کے نشیب وفراز ملحوظ رکھتے ہوئے سماجیات کے ارتقاء کے لئے صراطِ مستقیم کا تعین کیا ہے، جس کی بنا پر وہ صدیوں سے اپنی اصل حالت میں موجود ہے اور اس کی یہ موجودگی انسانیت کو درپیش گھمبیر اور پیچیدہ مسائل کے حل کے لئے ایک مؤثر اور قابل عمل دعوت دے رہی ہے۔

اسی بنا پر قرآن حکیم کی حکمت کی تعبیر وترجمانی ہر دور میں فاضل مفسرین کرام اپنے شعور وبصیرت اور معروضی حالات کے تناظر میں اپنی بساط کے مطابق کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ ان کی قابل قدر کاوشوں کے نتیجہ میں ایک شاندار ذخیرہ اسلامی ورثہ کا ایک اہم حصہ ہے۔ لیکن دنیا جب صنعتی وسماجی انقلابات سے دوچار ہونے کے باعث ایک نئے دور میں داخل ہوئی تو اسکے تقاضے یکسر متنوع اور مختلف ہوگئے، پھر اس عرصہ میں سوءِ اتفاق سے مسلم معاشرے بھی سماجی وعلمی طور پر پسماندگی سے دوچار ہوگئے، یوں زوال کی ہمہ گیر صورتحال نے مجموعی طور پر دماغوں کو ماؤف اور اعضاء وجوارح کو مفلوج کر کے رکھ دیا۔

ان حالات میں برعظیم کی خوش قسمتی تھی۔ کہ دہلی میں امام شاہ ولی اللہؒ کی صورت میں وہ نبض شناسِ عصر، ماہرِ حکمت پیدا ہوتا ہے جس نے تفسیر، حدیث، فقہ، کلام وتصوف جیسے بنیادی اسلامی علوم کا نہ صرف احاطہ کیا بلکہ مسلم معاشروں کے مدو جزر کا بھی دور رس نگاہوں سے جائزہ لیا، گردو پیش کے حالات کا مشاہدہ کیا اور پھر نئے دور کے تقاضوں کو محسوس کر کے انقلابی وارتقائی مراحل کی نشاندہی کی۔

بعد ازیں ان ولی اللہی علوم و معارف کی ترجمانی کی سعادت موجودہ صدی کی نابغہ روزگار شخصیت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو حاصل ہوئی۔ مولانا سندھیؒ کو اپنے دور کے مستند علماء

ربانی اور صاحبِ دل مشائخ کی صحبت میں اپنی زندگی کے وہ قیمتی ایام گزارنے کا شعوری موقع ملا، جن میں انسان کی سوچ کے زاویئے متعین ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنے محبوب اُستاد شیخ الہند مولانا محمود حسن سے ولی اللہی حکمت سے ایسی گہری وابستگی کا سبق حاصل کیا کہ دنیا کے بڑے بڑے انقلابات تک اس کو متزلزل نہ کر سکے۔ انہوں نے قرآنی حکمت کے حوالہ سے صنعتی دور کے پر پیچ مسائل کے حل کی ایسے انقلابی راہ کی نشاندہی کی کہ عصری تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے میں کسی احساسِ شکست و مرعوبیت کی بجائے دین اسلام کی حیات آفرینی کا خوشگوار احساس ہوتا ہے۔

مولانا سندھیؒ کی جانب سے قرآنی حکمت کی ترجمانی کا انداز یقیناً دیگر مفسرین کے اندازِ بیان سے مختلف ہے لیکن یہ اختلاف مسائل کے ادراک اور ان کے حل کے لئے روحِ عصر تک رسائی کا اختلاف ہے۔ یہ کسی بنیادی اسلامی عقیدہ یا اجتماعی مؤقف سے اتفاق یا انحراف پر مبنی حقیقی اختلاف نہیں، بالفاظِ دیگر یہ دلیل و برہان کا اختلاف نہیں بلکہ عصر و زمان کا اختلاف ہے۔ جس کی بناء پر اسلام و کفر کے پیمانوں میں تول کر جنگ و جدل یا طعن و تشنیع کا ماحول گرم کرنے کی گنجائش نہیں ہونی چاہئے لیکن تنگ نظر عناصر اس حوالہ سے گنجائش نکال ہی لیتے ہیں۔

مولانا سندھیؒ کی زبان سے بے پناہ علمی وسعت، شعوری تعمق، وسیع مشاہدہ، متنوع تجربات اور اعلیٰ دماغ کے حامل ہونے کے سبب ''انا ولا غیری'' کا نعرہ بلند ہونا کسی اچنبھے کی بات نہ ہوتی لیکن مشائخ ربانی اور علمائے حقانی کی صحبت و رفاقت میں زانوئے تلمذ و ارادت طے کرنے کی وجہ سے ان میں ایسا ٹھہراؤ اور جامعیت آ گئی کہ وہ ایک طرف قرآنی حکمت کے بحرِ بے کراں میں غوطہ زن ہیں تو دوسری طرف وہ سنت کو اس کا حقیقی مقام دینے پر کسی معذرت خواہانہ رویہ کا اظہار نہیں کرتے۔ بلکہ وہ انکارِ حدیث کو قرآنی حکمت کے معاشرے میں ظہور کے بنیادی تقاضے کے منافی سمجھتے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ فقہاء کرام کی کاوشوں کو سماج کے ارتقاء کا ایک ناگزیر تقاضہ گردانتے ہیں اور پھر وہ مسلم دنیا پر چھائی ہوئی مرعوبیت کے بوجھل ماحول میں تصوف کی اہمیت پر گفتگو اس انداز سے کرتے ہیں کہ تصوف ایک ترقی پذیر اور ترقی یافتہ معاشرے کی ناگزیر ضرورت قرار پاتا ہے۔ اور

یوں وہ تمام اعتراضات از خود اپنی حیثیت کھو بیٹھتے ہیں جو ان پر اجنبی اور غیر مسلم ماحول سے متأثر ہونے کے حوالہ سے عائد کئے جاتے ہیں اور جن کی تان ان کے ایمان تک کو مشکوک بنانے کی حد درجہ افسوسناک مرحلہ پر ٹوٹتی ہے۔

مولانا سندھیؒ نے عصر حاضر میں تجدیدی کام کے لئے جس طریقے کی نشان دہی کی ہے، وہ پروفیسر ڈاکٹر محمد سرور مرحوم کے الفاظ میں یہ ہے:

> ''قرآن و سنت کو سمجھنے اور سمجھانے، ان کے مقاصد اور مطالب کو ملت اسلامیہ کے ذہن نشین کرانے اور ان کو ملی فکر و عمل میں رچانے کے سلسلہ میں ہماری تاریخ میں اب تک جو علمی کوششیں ہوچکی ہیں آج ان کا پورا احاطہ کیا جائے، ان کے کھرے کھوٹے کو پرکھا جائے، فقہ اسلامی اب تک جن ادوار سے گزر چکی ہے اور خاص حالات اور مخصوص اسباب نے اس فقہ کو جیسے جیسے قالبوں میں ڈھالا تھا اور مسلمان قانون سازوں نے شرعی احکام کی تشکیل میں جن مصالح کو پیش نظر رکھا تھا ان کا جائزہ لیا جائے۔ نیز احادیث کی جمع و تدوین میں مختلف محدثین کا کیا مسلک تھا؟۔ احادیث کو جانچ پرکھ کر آج اس زمانے میں ملت کے لئے ان کو اُسوہ عمل بنا سکتے ہیں۔ اس کا تعین کیا جائے۔ پھر قرآن کے حقائق و مطالب کی کنہ (حقیقت) تک پہنچنے کے لئے ہمارے مفسرین اب تک کیا کیا کوششیں کر چکے ہیں۔ ان کا پورا احصاء (شمار) کر کے قرآنی تعلیمات کو سمجھا جائے۔ اس کے بعد تصوف اور علم کلام آتے ہیں۔ علم کی ان دوشقوں میں مسلمان صوفیاء اور متکلمین نے حکمت و معرفت کا ایک لازوال ذخیرہ چھوڑا ہے جس سے انسانی ذہن بڑا فیضان حاصل کرسکتا ہے۔ تصوف و کلام کے اس اثاثے کو بھی تحقیق و تنقید کی نظر سے دیکھنے اور پرکھنے کی ضرورت ہے''۔ (شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ ص ۲۱،۲۲)

مولانا سندھیؒ نے قرآنی حکمت کو معروضی حقائق کے حوالہ سے آشکارا کیا ہے۔ یوں انہوں نے آج کے سوچنے والے دماغوں کو دین کی طرف لانے کی سعی مشکور انجام دی ہے۔ انہوں نے قرآنی حکمت کو آج کی زبان میں اس طرح پیش کیا ہے کہ پڑھا لکھا نوجوان اس کا شعور اور ادراک حاصل کر کے دین بیزار سامراجی حلقوں کی حکمت عملی کے

سحر سے بہ آسانی نکل سکتا ہے۔ مولانا سندھیؒ کا روئے سخن مغرب کے سماجی و عملی چنگل میں گرفتار نوجوان کی طرف ہے۔ وہ اس میں ملی خودی اور قومی حمیت بیدار کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا مقصد کسی طور پر اپنے سے پہلے مفسرین کی کاوشوں کی نفی کرنا نہیں بلکہ وہ تو اکثر و بیشتر اپنی اجتہادی رائے تک کو ماضی کے معتبر و مستند مفسرین کی تائید کے بغیر پیش کرنے سے احتیاط برتتے ہیں، وہ خود کہتے ہیں:

> ''قرآن مجید کی کسی آیت کی تفسیر میں جہاں کہیں میں نے عام مفسرین سے اختلاف کیا ہے۔ وہاں میں نے شاہ ولی اللہ صاحب کے اصول کو اپنے لئے سند مانا ہے۔ بعض ایسے مواقع بھی ہیں کہ میں نے شاہ عبد العزیز، شاہ رفیع الدین، مولانا اسماعیل شہید اور مولانا محمد قاسم کے اقوال کو حجت بنایا ہے اور شاذ و نادر ہی ایسا ہوا ہے کہ میں نے محض اپنے فکر و رائے کی بنا پر دوسرے مفسرین سے اختلاف کیا ہو۔ جہاں کہیں اس طرح کی کوئی بات ہے میں ایسے موقع پر صراحتاً بتادیا کرتا ہوں کہ یہ میری سوچی ہوئی بات ہے۔ سننے والوں کو اختیار ہے کہ وہ اسے قبول کریں یا رد کریں مگر جن چیزوں میں آئمہ اور اساتذہ کی سند موجود ہو اور ان کی تشریح اور تفسیر کے مطابق آیات میں تناسب اور ربط پیدا ہوسکے تو میرا جی چاہتا ہے کہ اہل علم اس کے قبول کرنے میں اِباء (انکار) نہ کریں''۔ (شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ، ص۸۶)

زیرِنظر تفسیری مجموعہ میں مولانا سندھیؒ کے حوالہ سے قرآن حکیم کی حکمت کو عصری اندازِ فکر کے حوالہ سے اُجاگر کیا گیا ہے۔ اس کے گہرے مطالعہ سے قاری بالخصوص باشعور نوجوان اپنے فکری اضطراب، علمی تشنگی اور روحانی قلق کی جگہ شعور و بصیرت پر مبنی اطمینانِ قلب اور فکری بالیدگی محسوس کرے گا۔ اس تفسیری مجموعہ کے فاضل مرتب حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ نے ان تفسیری ارشادات کو جس جانفشانی اور ذمہ داری سے علمی حلقوں تک پہنچایا ہے اس پر وہ بے پناہ دعاؤں اور شکریہ کے مستحق ہیں۔ یہاں اس وضاحت کی ضرورت نہیں کہ فاضل مرتب نے اس مجموعہ میں چند ایک مقامات پر اپنے ذاتی خیالات کا بھی اظہار کیا ہے کہ ان کو ولی اللہ اندازِ فکر اور تاریخی واقعات کے حوالہ سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

قبل ازیں اس مجموعہ میں شامل قرآنی سورتوں کی تفاسیر علیحدہ علیحدہ کتابچوں اور

پمفلٹوں کی صورت میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ پہلے کئی بار مکی دار الکتب، لاہور نے حسنِ اہتمام کے ساتھ ان کو یکجا شائع کیا تھا۔ اور اب ''رحیمیہ مطبوعات'' کی جانب سے اس کتاب کا ساتواں ایڈیشن شائع کیا جارہا ہے، جس سے قرآنی معارف کے شائقین کو مطالعہ کے حوالہ سے کافی سہولت ہوگی۔

اس ایڈیشن میں کتاب کی تدوین نو کردی گئی ہے، اور جن سورتوں کی تفسیر اس مجموعہ میں شامل ہے اس کی ترتیب اسی طرح رکھی گئی ہے، جیسے قرآن حکیم میں ہے۔ جب کہ پہلے ایڈیشنوں میں اس ترتیب کا خیال نہیں رکھا جاسکا تھا۔ نیز حسن اتفاق سے ہمیں فاضل مرتب مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ کے صاحبزادگان محترم جناب بلال احمد و محترم جناب ہلال احمد صاحبان سے مولانا کے ہاتھ کا لکھا ہوا وہ قلمی نسخہ دستیاب ہوگیا، جس میں سورۃ المجادلہ سے سورۃ التغابن تک سورتوں کی تفسیر فاضل مرتب کے اپنے قلم سے لکھی گئی ہے، چنانچہ اس ایڈیشن میں اِن سورتوں کا اصل قلمی مسودہ سے اور باقی سورتوں کا قدیم مطبوعہ نسخوں سے مقارنہ کردیا گیا ہے۔ نیز بعض مقامات پر حواشی اور تعلیقات کا اضافہ بھی کردیا گیا ہے۔ اور یہ تحقیقی کام معروف ولی اللہی عالمِ دین مولانا مفتی عبد الخالق آزاد خلیفہ مجاز حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے کیا ہے اور ساتھ ہی انہوں نے ایک مبسوط مقدمہ کتاب کے شروع میں تحریر کردیا ہے، اور امام ولی اللہ دہلویؒ، مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور مرتب کتاب مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ کے مختصر حالاتِ زندگی کا بھی اضافہ کیا ہے، جس سے کتاب کی افادیت مزید بڑھ گئی ہے۔

مزید برآں اس مجموعہ میں شامل مختلف کتب کے حوالہ جات کی بھی از سرِ نو تخریج کی گئی ہے جس سے اس مجموعہ کی افادیت مزید مستحکم اور تحقیقی نوعیت مستند ہوگئی ہے۔ یوں یہ تفسیری مجموعہ ظاہری و معنوی خصوصیات و امتیازات کے ساتھ قارئین کرام کے پیش نظر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو نافع بنائے اور اس کے مطالعہ کو انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں منعکس فرمائے۔ آمین

(ڈاکٹر مفتی) سعید الرحمٰن

پروفیسر (وسابق چیئرمین) شعبہ علومِ اسلامیہ

جامعہ بہاء الدین زکریا، ملتان، یکم رجون 2009ء

تَقْدِمَہ

از مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

قرآن حکیم انسانی ترقی کا ایک مکمل پروگرام

قرآن حکیم انسانیت کی ترقی اور فلاح و بہبود کا ایک مکمل اور جامع پروگرام پیش کرتا ہے۔ ہر دور کے ذی شعور علمائے حق اور دینی سمجھ بوجھ رکھنے والے محققین اس سے رہنمائی لے کر اپنے دور کے سلگتے ہوئے مسائل کا حل پیش کرتے رہے ہیں۔ انسانی اجتماع کے سیاسی، معاشی اور سماجی مسائل اس بات کا تقاضہ کرتے ہیں کہ انہیں درست تناظر میں سمجھا جائے، اور ان کے حل کے لئے صحیح لائحہ عمل تشکیل دیا جائے۔ قرآن حکیم پر غور وفکر اور تدبر وتفکر کرنے والے لوگ ہر دور میں یہ کوشش کرتے رہے ہیں کہ انسانی زندگی کے جملہ پہلوؤں کے حوالہ سے قرآن حکیم سے رہنمائی حاصل کی جائے۔

احادیثِ نبویہؐ: قرآنی نظام کی تشریحات

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ مبارک اور قلبِ اطہر پر قرآن حکیم نازل ہوا۔ آپؐ نے قرآنی اساسیات پر غور وفکر کر کے ایک مکمل عملی نظام اور سسٹم تشکیل دیا۔ چنانچہ احادیث نبویہ کا اکثر حصہ قرآنی اصولوں کی تشریحات اور آپؐ کے اجتہادات پر مشتمل ہے۔ معاشرے کی ابتدائی تنظیم سے لے کر بین الاقوامی سطح کے عالمی نظام کی تشکیل تک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور فرامین نے ایک اہم اور بنیادی کردار ادا کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم کی تشریحات کرتے ہوئے انسانی ترقی کے ہر شعبہ میں رہنمائی فراہم کی ہے۔ معاشرے کی سیاسی تشکیل کا پہلو ہو، یا اقتصادی اور معاشی تشکیل پیشِ نظر ہو، سماجی اور عائلی شیرازہ بندی کے اُمور ہوں، یا فکری اور نظریاتی اُمور کی

فلاسفی اور اس کی اساسیات ہوں، افکار و نظریات اور غور و فکر کے مسلمہ اصول ہوں، یا اعمال کو منظّم انداز میں سرانجام دینے کی تنظیمی حکمت عملی اور اس کے پالیسی اُمور ہوں، انسانی نفسیات کو سمجھ کر ان کے اخلاق اور رویوں کی تعمیر و تشکیل کا معاملہ ہو یا انسانی روح کی حقیقت و ماہیت اور اس کا کائنات سے تعلق اور اس کی اصلاح و درستگی کا معاملہ ہو، غرضیکہ انسانی زندگی کے ہر پہلو پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصوص، اشارات، ایماآت، اقتضاآت، ہدایات کی صورت میں ہمیں ملتے ہیں۔ گویا احادیث نبویہ ؐ کا مکمل ذخیرہ انسانی زندگی کے جملہ پہلوؤں کا بڑی خوبصورتی سے احاطہ کئے ہوئے ہے۔

قرآنی تعلیمات پر انقلابِ نبویؐ

ان قرآنی تعلیمات کی اساس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی معاشرے میں ایک انقلاب برپا کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے ایک جماعت تیار کی، اور اس کی تعلیم و تربیت، تزکیۂ قلب اور تصفیۂ باطن کیا۔ صحابہ کرامؓ میں انسانی معاشروں کے سیاسی، سماجی اور معاشی امور کو سلجھانے کی حکمت عملی اور تنظیمی مہارتوں کی صلاحیت پیدا کی۔ یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عظیم الشان جماعت کے ذریعہ انسانی معاشروں میں قومی اور بین الاقوامی سطح پر ایک عالمگیر انقلاب برپا کیا۔ اس سلسلہ میں شاندار کامیابی حاصل کی۔

خلفائے راشدینؓ کی انقلابی جدوجہد

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؐ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین خاص طور پر خلفائے راشدینؓ نے اجتماعی نقطہ نظر سے انسانیت کی رہنمائی فرمائی۔ جو نظام نبی کریم صلی اللہ علی وسلم نے تشکیل دیا تھا، اسے آگے بڑھانے، پھیلانے، اور دنیا پر اس کا مکمل غلبہ کرنے کے لئے صحابہ کرامؓ نے انتہا درجہ جدوجہد و کوشش کی۔ بین الاقوامی سطح پر انسانی مزاجوں کو سمجھ کر اجتماعی تشکیل کے امور متعین کرنا، اقوامِ عالم کی سیاسی، معاشی اور جغرافیائی شناختوں کا مطالعہ کرکے ہر ایک قوم کو دین اسلام کے قائم کردہ عالمی نظام سے مطمئن کرنا، ان کی سیاسی اور معاشی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے جدوجہد اور کوشش کرنا، اس کے لئے

قرآن حکیم کو بطورِ رہنماء مان کر قوموں کی ترقیات کے اقدامات کرنا، صحابہ کرامؓ کی اولوالعزم جدوجہد کا امتیازی نشان ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں دین اسلام کے غلبہ کا عالمی نظام مشرق و مغرب کے دور دراز علاقوں تک پہنچ جاتا ہے۔

اس دور میں انہوں نے ایسا عالمی انقلاب برپا کیا جس نے گزشتہ دور کے تمام فرسودہ نظاموں کو توڑ کر نیا نظام قائم کر دیا۔ انہوں نے دنیا پر غلبہ حاصل کر کے عدالتی نظام بدل دیا، سیاسی نظام میں تبدیلی پیدا کی، معیشت کا نظام بدل دیا، سماجی اور عائلی اُمور کی انجام دہی کا طریقہ کار بدل دیا۔ افکار و نظریات کے میدان میں ''خُذْ مَا صَفَا وَ دَعْ مَا کَدِرْ'' (ہر اچھی چیز کو قبول کرنا اور بُری چیز کو چھوڑ دینا) کے اصول پر عمل پیرا ہوتے ہوئے دنیا بھر کے تجربات اور صالح افکار کا ایک گلدستۂ فکر و عمل جمع کر دیا۔ اور فرقہ پرستی، تنگ نظری، گروہیت اور نسل پرستی پر مبنی بے شعوری اور غفلت کے تمام پردے چاک کر دیئے۔ الغرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی جدوجہد نے قرآن حکیم کی روشنی میں دنیا بھر کی اقوام کے لئے ایک کامل اور مکمل انقلاب برپا کر دیا۔

ہزارۂ اوّل میں عالم گیر قرآنی انقلاب کے اثرات

قرآن حکیم کے اس عالمگیر انقلاب کے اثرات کم و بیش ایک ہزار، گیارہ سو سال تک دنیا میں قائم رہے ہیں۔ اس دوران قرآن حکیم پر غور و فکر اور تدبر کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس ہزارۂ اول میں جب بھی انسانی زندگی کے بعض پہلوؤں کے حوالہ سے مشکلات اور مسائل پیدا ہوئے، تو مجددین اُمت اور محققین علمائے ربانیین اور اولوا العزم خلفائے کرام اور سلاطین اسلام نے آگے بڑھ کر مسائل کو سمجھنے اور ان کے حل کے لئے قرآن حکیم سے رہنمائی لی اور تجدیدی کردار ادا کیا۔

قانونی نظام کے لیے فقہا کی کاوشیں

معاشروں کی قانونی ساخت کا معاملہ سامنے آیا تو فقہاء کرام نے آگے بڑھ انسانی معاشروں کی ترقی اور فلاح و بہبود کے قانونی نظام کی ایک مکمل عمارت تشکیل دے دی، چنانچہ امامِ اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہوں، یا امام دارِ ھجرہ امام مالک بن انس رحمہ اللہ

ہوں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہوں، یا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہوں، ہر ایک نے انسانی معاشروں کے قانونی نظام کی تشکیل اور تعبیر میں بڑا بنیادی کردار ادا کیا۔

قرآنی تعلیمات پر سیاسی نظاموں کی تشکیل

قوموں اور معاشروں کی سیاسی تشکیل و تعمیر کا مرحلہ آیا تو سیاسی شعور رکھنے والے بلند حوصلہ خلفائے کرام اور سلاطین اسلام نے آگے بڑھ کر قوموں کے مسائل کو سمجھا اور ان کے حل کے لئے ایسی بلند درجہ حکمت عملی تشکیل دی کہ جس سے رواداری، باہمی برداشت، تعاونِ باہمی اور قوموں کی اجتماعی تنظیم و تشکیل کا ایک مکمل سیاسی نظام ہمارے سامنے آتا ہے۔ ایشیاء و افریقہ کی دور دراز اقوام میں اپنے اپنے ممالک کے سیاسی نظام چلانے کی صلاحیت و استعداد کا پیدا کر دینا، اور قومی و بین الاقوامی اُمور کی انجام دہی کی سیاسی عقل اور ہنر مندی پیدا کر دینا اسی بات کا مظہر ہے۔ چنانچہ خلفاء اور سلاطین اسلام میں سے مجددینِ اُمت اور رہنمایانِ قوم نے ہر دور میں ایک ہزار سال تک انسانیت کی مجموعی ترقی اور فلاح و بہبود میں کردار ادا کیا۔

قرآنی تعلیمات پر معاشی نظاموں کی تشکیل

اسی طرح معاشروں کی معاشی اور اقتصادی تشکیل کے اُمور در پیش ہوئے تو بھی بڑے بڑے علماء، فقہاء اور اجتماعیت کا ذہن رکھنے والے حکمرانوں نے اپنی بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا ہے اور قرآنی تعلیمات کی روشنی میں اقتصادی اُمور تشکیل دینے اور انسانی بھوک و افلاس کے مسائل حل کرنے، دولت کی منصفانہ تقسیم کے لئے ایک مکمل نظامِ اقتصاد تشکیل دیا۔ چنانچہ پوری دنیا پر حکمرانی کرنے والے عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے جب اس ضرورت کو محسوس کیا تو اپنے وقت کے قاضی القضاۃ اور قرآن حکیم پر تفکر و تدبر کرنے والے مجتہد امام قاضی ابو یوسفؒ سے درخواست کی کہ مملکت کے لئے معاشی نظام کے قیام کے رہنماء اصولوں کا تعین کیجئے۔ اس پر حضرت امام قاضی ابو یوسفؒ نے اقتصادیات پر دنیا کی پہلی اور شاندار کتاب "کتاب الخراج" تحریر فرمائی۔ اس طرح اقتصادی اُمور کے حل کی نشاندہی کی۔ پھر تسلسل کے ساتھ امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ اور بعد

میں آنے والے فقہاء نے ہر دور کے معاشی اور اقتصادی اُمور کے حوالہ سے رہنمائی کی۔ خاص طور پر زراعت کے پیداواری عمل کو درست خطوط پر رکھنے کے لئے امامِ اعظم امام ابوحنیفہ نے ایسی قانون سازی کی جس سے جاگیردارانہ ذہنیت کا خاتمہ ہوا اور مظلوم انسانیت کے مسائل کے حل کرنے کی سبیل پیدا ہوئی۔

قرآنی انقلاب کے فروغ کے لیے صوفیا کی جدوجہد

اسی طرح انسانی رویوں اوران کے اخلاق اور سیرت و کردار کی تعمیر و تشکیل کا معاملہ درپیش ہوا تو ہمارے مجددین صوفیائے کرام نے اس سلسلہ میں انسانی روح کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے کے لئے قرآن حکیم سے رہنمائی لی۔ ان محققین علمائے کرام نے قرآنی اشارات و نصوص سے انسانی روح و قلب و عقل کے تزکیے اور سیرت و کردار کی پختگی کے لئے قرآن حکیم کے گہرے تفکر و تدبر سے رہنما اصولوں کا تعین کیا۔ اس حوالہ سے ''حالات'' و ''مقامات'' کے مراتب کی وضاحت کی۔ یوں قرآنی تعلیمات کا تربیت و تزکیۂ نفوس کا پہلو اپنی اصل شکل و صورت میں واضح ہوا۔ چنانچہ تصوف کے مجتہدِ اعظم سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہوں یا پیرانِ پیر شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہوں، حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ ہوں یا شیخ شہاب الدین سہروردیؒ ہوں، خواجۂ چشت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ ہوں یا خواجہ نقشبندؒ اور خواجہ باقی باللہؒ ہوں، ہر ایک سلسلہ کے بزرگوں نے انسانوں کی سیرت و کردار اور تربیت و تزکیہ کے بنیادی قوانین اوران پر عملدرآمد کی حکمت عملی قرآن حکیم کی تعلیمات سے حاصل کی۔

اس طرح دین اسلام کے غلبہ کے ہزارہ اول میں قرآن حکیم پر غور وفکر اور تفکر و تدبر کے ان تمام زاویہ ہائے فکر نے قرآن حکیم کے معانی اور مفاہیم پر مبنی تفسیروں کا ایک متنوع سلسلہ قائم کردیا۔ فقہاء، علماء، فصحاء و بلغاء، صوفیا، حکماء اور حکام وسلاطین نے قرآن حکیم سے رہنمائی لینے کے لئے ان تمام دائروں کے حوالہ سے تفاسیر لکھیں، تاکہ قرآن حکیم کا کوئی پہلو تشنہ نہ رہ جائے۔ اس طرح دین اسلام کی تعلیمات کے پھیلاؤ کے ہزارۂ اول میں فصاحت و بلاغت، فقہ و قانون، تصوف و تزکیۂ نفوس، حکمت و فلسفۂ احکام، سیر و سیاست کے حوالہ سے تفاسیر کا ایک عظیم الشان ذخیرہ ہمارے سامنے آتا ہے۔

ہزارۂ دوم میں قرآنی تعلیمات کے فروغ کی جدوجہد

انسانی تاریخ کا مطالعہ نشاندہی کرتا ہے کہ تقریباً ہر ایک ہزار سال بعد دنیا ایک نئی کروٹ لیتی ہے۔ دین اسلام کی تعلیمات کے فروغ کے حوالے سے ہزارۂ دوم شروع ہوتا ہے تو مسلمانوں کے سامنے ایک نیا چیلنج آتا ہے۔ دور ایک نئی کروٹ لے رہا ہے۔ معاشی حوالے سے پیداواری رشتے بدلتے ہیں، نظاموں کے ڈھانچوں میں تبدیلیاں آتی ہیں، سیاسی، سماجی اور معاشی تقاضوں کے نئے رنگ سامنے آتے ہیں، چنانچہ ہزارۂ دوم کے تقاضوں کو سمجھ کر قرآن حکیم سے رہنمائی حاصل کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت بن جاتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا تجدیدی کردار

ایسے ماحول میں ''الف ثانی'' یعنی ہزارہ دوم کے مجددین اُمت نے دین کی تعلیمات کو ایک نئے انداز سے متعارف کرایا، اور انسانی قلوب کو اجتماعیت کا خوگر بنانے کے لئے ایک نئے اسلوب میں کام سرانجام دیا ہے۔ چنانچہ ہزارۂ دوم کے آغاز میں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ تشریف لاتے ہیں۔ اور دین اسلام کے پھیلاؤ اور غلبہ کے لئے تجدیدی کردار ادا کرتے ہیں اور انسانیت کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لئے بنیادی افکار و تعلیمات کا مکمل نظام ایک نئے انداز میں متعارف کرواتے ہیں۔

مجدد صاحب کے تجدیدی کردار کو اس تناظر میں سمجھا جانا بڑا ضروری ہے کہ ان سے پہلے ہندوستان میں علما اور صوفیا کی دانش کا دائرہ صرف شریعت اور طریقت کے گرد گھومتا تھا۔ سیاست اور حکومت حکمرانوں کا کام تھا۔ چنانچہ ہزارۂ اول کے تقاضوں کے تناظر میں کام کرنے والے علماء کے افکار کا بڑا گہرا اثر ہندوستان کی سوسائٹی پر پایا جاتا تھا۔ انہوں نے قرآنی تعلیمات کے محض فقہی اور تصوفانہ رنگ کے پھیلاؤ کے لئے کام کیا۔ علم و دانش کے حلقوں کے لئے لازمی قرار دیا کہ وہ ''سیاست'' اور اجتماعی معاملات میں کوئی دخل اندازی نہ کریں۔ حکمرانوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیں۔ اس طرح اجتماعی معاملات اور سیاسی و معاشی امور نالائق اور نااہل حکمرانوں کے سپرد کر دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اجتماعی معاملات کے حوالہ سے انسانی معاشروں میں سیاسی خرابیاں اور معاشی فساد بڑھتا گیا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے آ کر سب سے پہلے ''شریعت'' اور ''طریقت'' کے ساتھ ''سیاست'' اور اجتماعی معاملات پر سوچ و بچار کرنے، اور ان معاملات کو حل کرنے کی عقل وشعور پیدا کرنے کا کام کیا۔ کسی قوم میں سے ملکی سیاسی معاملات اور اقتصادی صورتحال کو سمجھنے کی سیاسی عقل وشعور ختم ہوجائے تو وہ کیسے کامیاب ہوسکتی ہے۔ مجدد صاحب کے تجدیدی کردار کا یہ اہم ترین پہلو ہے کہ انہوں نے ملک کے حکمران طبقوں کی نالائقیوں اور ان کے غلط سیاسی اور اقتصادی فیصلوں کے خلاف دینی شعور پیدا کیا، اور علم و دانش کے پھیلاؤ اور قلب و روح کی بالیدگی کے ساتھ ساتھ سیاسی عقل وشعور کو بھی لازمی قرار دیا۔ چنانچہ شریعت، طریقت اور سیاست کی جامعیت ہزارۂ دوم کے رنگ میں پیش کرنے کا اہم ترین تجدیدی کام حضرت مجدد الف ثانیؒ نے سرانجام دیا۔

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا تجدیدی کردار

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تعلیمات سے ہندوستان کے شہروں میں بالعموم اور دہلی کے ماحول میں بالخصوص علم و دانش کے حلقوں میں سیاسی اور اجتماعی معاملات میں دلچسپی کا ماحول پیدا ہوا۔ اس ماحول سے حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی شخصیت جلوہ گر ہوتی ہے۔ آپ نے حضرت مجدد صاحبؒ کے تجدیدی کردار کے اجتماعی اور سیاسی پہلو کو مزید آگے بڑھایا۔ مجدد صاحبؒ کے قائم کردہ ماحول نے شاہ صاحبؒ کے لئے حالات کو سازگار بنانے کے لئے بطورِ ''ارھاص'' (راہ ہموار کرنے کے حوالہ سے) بڑا اہم کردار ادا کیا۔

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ نے اپنے گرد و پیش کے حالات کا اجتماعی نقطۂ نظر سے خوب تجزیہ کیا۔ اس کا نتیجہ تھا کہ انہیں اپنے والد گرامی حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ ــــ جو کہ مجددی سلسلہ کے تربیت یافتہ بزرگ تھے ــــ کی صحبت اُٹھانے اور قرآنی تعلیمات کو نئے اسلوب میں سمجھنے کا موقع ملا تھا۔ خاص طور پر ''حکمت عملی'' کے اسلوب پر قرآن حکیم پر غور وفکر اور تفکر و تدبر کا انہیں خوب موقع ملا۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ایسے ماحول میں آنکھ کھولی، جہاں گرد و پیش کے سیاسی، معاشی اور اجتماعی مسائل کا شعور حاصل کرنے اور انہیں حل کرنے کی حکمت عملی کی مہارت، صلاحیت اور استعداد پیدا کی جاتی تھی۔ اس ماحول سے حضرت الامام دہلویؒ کی

تعلیم وتربیت کی بنیادی اور فکری اُٹھان کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ انتہائی ذہین وفطین تھے اور طبیعت کے اندر تخلیقی صلاحیتوں کے ساتھ تربیت کے حوالے سے ماحول بھی عمدہ مل گیا۔ اس سے آپؒ کے فطری جوہر مزید نکھرتے ہیں۔ اس خصوصی ماحول، تربیت اور استعداد ومہارت کا یہ نتیجہ نکلا کہ حضرت الامام دہلویؒ نے اپنے افکار و خیالات کی اساس ''حکمت عملی'' کے بنیادی پہلوؤں پر رکھی۔ گویا آپؒ نے دینی تعلیمات کی اساس پر اپنے دور کے مسائل کے عملی حل کے بنیادی قواعد وضوابط کی وضاحت اور ان کی فلاسفی کو مرتب و مدون کیا۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں:

> ''حکمت عملی جس پر اس عہد میں خیر و برکت کا انحصار ہے، خدا تعالیٰ نے مجھے اس کا وافر حصہ عطاء فرمایا اور اس امر کی توفیق دی کہ میں کتاب وسنت اور صحابہ کے آثار کی روشنی میں حکمت عملی کے اصول وضوابط مدون کروں''۔
> (انفاس العارفین، ص۸۵)

شاہ صاحب کے طرزِ تفکر پر ان کے والد گرامی کی تربیت اور صحبت کا بڑا گہرا اثر ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

> ''حضرت والد ماجد شجاعت، فراست، کفایت، غیرت وغیرہ اخلاقِ سلیمہ میں درجۂ کمال پر تھے۔ نیز دنیاوی و اُخروی علوم میں فہم کامل رکھتے تھے، جس کے ذریعہ سے انسان زندگی کی معاشی اور اجتماعی ضرورتوں کو سمجھتا ہے۔ آپ اپنی مجلس میں اکثر حکمت عملی اور کاروبارِ زندگی کے معاملات کے آداب کی تعلیم دیا کرتے تھے''۔ (انفاس العارفین، ص۸۴)

شاہ صاحبؒ اپنے والدِ گرامی کے انتقال کے بعد اُن کی مسندِ درس پر تشریف فرما ہوتے ہیں۔ اس کے بعد مسلسل 12 سال دہلی کے اونچے ماحول میں انسانی تعلیم وتربیت کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ اس دوران فطرتِ انسانی کے خوابیدہ پہلوؤں کو سمجھنے اور انہیں صیقل کرنے کے طور وطریقے کا عملی تجربہ حاصل کرتے ہیں۔

اس کے بعد شاہ صاحب 28 سال کی عمر میں عالمِ اسلام کے مراکز ''حرمین شریفین'' زادھما اللہ شرفاً و تعظیماً تشریف لے گئے۔ اس دوران دنیا بھر سے حرمین شریفین

میں جمع ہونے والے علما، فقہا کی دینی بصیرت اور تفقہ سے استفادہ کرنے، تبادلہ خیال کرنے اور انسانی زندگی کے تجربات کو وسیع دائرہ میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ کائنات گیر نظامِ خداوندی کو سمجھنے اور وہاں نازل ہونے والی تجلیات و انوارات کے مرکزی منبع سے استفادہ کرنے، اور پھر ذاتِ خداوندی کے قائم کردہ نظامِ کائنات کے بنیادی اُمور کا فہم و ادراک حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔

حرمین شریفین کے سفر نے آپؒ پر قرآن فہمی کے دروازے کھول دیے۔ آپؒ کے خیالات و افکار اور عملی تجربات کو فطرتِ انسانی کے مرکزی نظام کے ساتھ مربوط طور پر سمجھنے اور اسی اساس پر سمجھ و عقل کے دائرے کو وسیع کرنے میں بڑا بنیادی کردار ادا کیا۔ اور یوں آپؒ اپنے فلسفہ کے بنیادی اُمور کو مرتب کرنے میں کامیاب ہوئے۔

قرآن فہمی کا ولی اللّٰہی اُسلوب

اس تناظر میں شاہ صاحب نے ایک طرف قرآن حکیم کا انتہائی گہرائی میں جا کر عمیق مطالعہ کیا۔ احادیث نبویہؐ نے انسانی معاشروں کی تشکیل میں جو کردار ادا کیا ہے، اسے سمجھا۔ پھر ایک ہزار سال تک قرآن حکیم اور احادیث نبویہؐ کی اساس پر قائم نظام کے اصل الاصول اور اساسیات کا ادراک حاصل کیا۔ پھر نئے دور کے تقاضوں کے مطابق انہیں پیش کرنے کے لئے ایک مکمل فلسفہ اور نظامِ فکر و عمل تشکیل دیا۔ شاہ صاحب کی کتابوں کا گہرا مطالعہ رکھنے والے لوگ جانتے ہیں کہ شاہ صاحب نے قرآنی تعلیمات کی اساس پر ایک مکمل فلاسفی اور مطالعہ قرآن کے ایک بہترین اسلوب کو متعارف کرایا ہے۔ آپؒ نے اصولِ تفسیر متعین کئے۔ گزشتہ ہزار سال کے تفسیری کام کا خلاصہ مرتب کیا۔ کچھ نئے فنونِ تفسیر متعارف کرائے۔ اس طرح قرآن فہمی کا ایک جامع اسلوب متعین کیا۔ اور اس کے لئے اپنی شاہکار اور عمدہ کتاب ''الفوز الکبیر فی اصول التفسیر'' مرتب اور مدون کی۔

اسی طرح قرآن حکیم انسانی معاشروں کی درست تشکیل کے لئے ''احکامات'' بیان کرتا ہے، ان احکامات کا بنیادی فلسفہ اور ان پر عملدرآمد کی حکمت عملی کی وضاحت کے لئے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ''حجۃ اللہ البالغہ'' اور ''البدور البازغہ'' ایسی بلند پایہ کتابیں تحریر فرمائیں۔ ان تین کتابوں کے مطالعہ سے قرآن حکیم کی تفہیم کے اصولِ تفسیر، قرآنی

احکامات کی فلاسفی، اور ان پر عملدرآمد کی جامع حکمت عملی اور طریقہ و منہاج واضح ہوتا ہے۔ اس طرح حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے انسانی معاشروں کے ظاہری اور باطنی تقاضوں کو سمجھنے کا ایک مکمل اور جامع نظامِ فکر و عمل پیش کیا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے تعلیم و تربیت پر مبنی خلافتِ باطنہ اور سیاست و حکومت سے متعلق خلافتِ ظاہرہ کے جملہ پہلوؤں پر سیر حاصل گفتگو کی۔ شاہ صاحبؒ کی تمام کتابوں میں ان دو اُمور پر بھرپور توجہ دی گئی ہے۔

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے تمام علوم و افکار اور آپؒ کی تمام تصانیف کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت صاف طور پر واضح ہوتی ہے کہ آپؒ نے انسانی معاشروں میں پیدا ہونے والے سیاسی، معاشی، اور سماجی مسائل کے حل کے لئے قرآن و سنت اور عمل صحابہ کو سامنے رکھ کر اصول وضوابط اور حکمت و فلاسفی کو مرتب و مدون کیا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے حرمین شریفین کے سفر سے واپس آ کر اگلے 2 سال مسلسل غور و فکر کیا۔ انہیں پڑھایا اور سمجھایا۔ اور تبادلہ خیالات کیا۔ اور بالآخر اپنے عزیز ترین شاگرد مولانا محمد عاشق پھلتیؒ کے اصرار پر اپنے مکمل فلسفہ و فکر کو ۱۱۴۷ھ (1734ء) میں ''حجۃ اللہ البالغہ'' کی شکل میں ایک شاہکار تصنیف کے طور پر مرتب و مدون کیا۔ بلا شبہ آپؒ کی کتابوں میں ''حجۃ اللہ البالغہ'' ایک جامع، کامل اور مکمل کتاب ہے۔ جس نے انسانی زندگی کے جملہ پہلوؤں کے بنیادی فکری اور عملی نظام کو مرتب و مدون کر دیا ہے۔ آپؒ کی شہرۂ آفاق تصانیف ''حجۃ اللہ البالغہ''، ''البدور البازغہ'' اس حوالہ سے انتہائی اہمیت کی حامل ہیں۔

یہی نہیں بلکہ شاہ صاحبؒ نے انسانی روح کی تعلیم و تربیت کے لیے علم تصوف کو بھی رسمی گورکھ دھندوں سے نکال کر عملی نتائج پیدا کرنے کے بنیادی اصول وضوابط کی صورت میں مدون کیا اور اس کے مربوط نظام کی نشاندہی کی ہے۔ تصوف سے متعلق بنیادی اُمور کا بھی خلاصہ نکال کر تربیتِ انسانی کا ایک شاہکار نظام متعارف کرایا ہے۔ چنانچہ شاہ صاحبؒ کی کتابیں ''الطاف القدس''، ''الخیر الکثیر''، ''ہمعات'' اور ''تفہیماتِ الٰہیہ'' اس پورے نظامِ فکر و عمل کی مکمل وضاحت کرتی ہیں۔

شاہ صاحبؒ کے افکار کی انقلابی حیثیت

ایک ایسے دور میں جہاں فکری ژولیدگی، پراگندہ خیالی، عملی صلاحیتوں میں انتشار اور

ملکی نظام کی خرابی عروج پر تھی، شاہ صاحبؒ کے علوم و افکار اور فلسفہ وفکر نے ایک جماعت کو مربوط و منظّم کرنے میں بڑا کردار ادا کیا۔ یہ جماعت پُر آشوب حالات میں بھی نہ صرف اپنے نظامِ فکر و عمل اور دین کی تعلیمات کے اساسیات پر پوری طرح کار بند رہی، بلکہ حالات، ماحول، اور فرسودہ نظام کی مزاحمت کرنے اور اس کو توڑنے کا عزم بالجزم کے ساتھ آگے بڑھتی رہی۔ اس جماعت کے تسلسل نے ہر آنے والی نسل کے اولوالعزم لوگوں میں بلند نظری، فکری پختگی، شعوری تازگی، اور عملی جرأت و ہمت پیدا کرنے کا کام کیا ہے۔ شاہ صاحب کے افکار کی جامعیت گزشتہ ڈھائی سو سال میں ایسے اولوالعزم لوگوں کو تیار کرتی رہی ہے۔ اسی کا نام ''ولی اللہی جماعت'' ہے۔ یہ جماعت ہر دور کے حالات کا شعوری تجزیہ کرنے اور عملی نتائج کے حصول کی پوری حکمت اور جرأت کے ساتھ جدوجہد کا عزم رکھتی رہی ہے۔ اور ہر قسم کی قربانیاں پیش کرتی رہی ہے۔

امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی انقلابی جدوجہد

امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ وہ عظیم شخصیت ہیں، جنہوں نے اپنے استادِ گرامی شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہ کی صحبت اور وساطت سے حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتابوں اور ان کے فکر و فلسفہ کا مطالعہ کیا۔ شاہ صاحب سے لے کر حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ تک ولی اللہی جماعت کے علمی، فکری اور اجتماعی کاموں، آزادی اور حریت کے لئے ان کی انتھک جدوجہد، اور شریعت، طریقت اور سیاست کے میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دینے کا تاریخی شعور حاصل کیا۔

اس کے ساتھ مولانا سندھیؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کی رہنمائی میں ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں بھر پور حصہ لیا۔ اس کے لئے نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا بھر کے دیگر ممالک میں آزادی اور حریت کے لئے بڑی قربانیاں پیش کیں۔ پھر آزادی کے بعد برصغیر پاک و ہند کی سیاسی، معاشی اور سماجی تشکیل کے اُمور پر برسوں غور وفکر کیا۔ اس دوران اپنی جدوجہد کے پچاس سالوں میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتابوں ''الفوز الکبیر''، ''حجۃ اللہ البالغہ'' وغیرہ کی روشنی میں اپنے طرزِ تفکر کو متعین کیا، نیز امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتابوں کی تعلیم و تدریس کو اپنا مشغلہ بنائے رکھا۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے متعین کردہ اصولِ تفسیر، قرآنی احکامات کی فلاسفی اور اس کے قیام کی جامع حکمت عملی کی روشنی میں مولانا سندھیؒ نے قرآن حکیم پر غور و فکر کا سلسلہ جاری رکھا۔ انھوں نے اپنی جدوجہد کے ہر دور میں قرآن حکیم کی تفسیر سمجھنے سمجھانے کے لیے درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ چنانچہ حضرت سندھیؒ نے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ایک طویل عرصہ سندھ میں قیام کیا، تو اس دوران تعلیم و تدریس میں مصروف رہے، اور نہ صرف اِن علوم کو پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ جاری رہا بلکہ تحریک آزادیٔ وحریت کے لیے رِجالِ کار بھی تیار کیے۔ پھر دیوبند آئے تو ''جمعیۃ الانصار'' کے عنوان سے افراد سازی کا عمل کیا۔ دہلی میں ''نظارۃ المعارف'' قائم کیا تو وہاں نوجوانوں کی تعلیم و تربیت پر بھرپور توجہ دی۔ کابل تشریف لے گئے تو ہندوستان سے ہجرت کرنے والے نوجوانوں ظفر حسن ایبک وغیرہ کو قرآن حکیم کی تعلیم اور اس کے اجتماعی اصولوں کا تعارف کراتے رہے۔ ماسکو گئے تو وہاں کے علماء کی تعلیم و تربیت میں مصروف رہے۔ استنبول پہنچے تو وہاں سلسلۂ تعلیم و تربیت اور اجتماعی معاملات کی تفہیم جاری رکھی۔ حرمین شریفین پہنچے تو مکہ مکرمہ میں 12 سال تک قرآن حکیم کی تفسیر، احادیث نبویہؐ کی تفہیم، شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتابوں کی تدریس اور اجتماعی نقطہ نظر سے قوموں کے مسائل کے حل کرنے کے لیے بنیادی فکر و فلسفہ کی تدوین میں مصروف رہے۔ پھر جب واپس ہندوستان پہنچے تو دہلی، لاہور، کراچی اور ملک کے دیگر علاقوں میں قرآنی انقلاب کی اساس پر اپنے افکار و تعلیمات کے پھیلاؤ کے لیے انتہا درجہ کی جدوجہد اور کوشش کی۔

قرآنی تعلیمات کی روشنی میں نئے دور کے مسائل کا حل

صنعتی انقلاب کے آجانے، اور یورپین قوموں کے دنیا پر تسلط نے اقوامِ عالم میں نئے مسائل اور نئے تقاضے پیدا کردیئے۔ غلامی کے اثرات معاشروں پر بڑے گہرے ہوتے ہیں۔ غلامی نہ صرف قوموں کی ترقی وعروج کو تباہ و برباد کردیتی ہے، بلکہ قومی وجود پر پے در پے ایسی کاری ضربات لگاتی ہے کہ قوموں کا سیاسی شعور ختم ہوجاتا ہے۔ پوری قوم اقتصادی تباہی، بھوک و افلاس اور سماجی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوجاتی ہے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور مولانا سندھیؒ کی پوری زندگی غلامی سے نجات حاصل کرنے اور آزادیٔ و

حریت کے لئے جدوجہد کرتے گزری۔ ایک قوم اور ملت کو غلامی کی لعنت اور اس کے چنگل سے چھڑانے اور اپنے فکر و فلسفہ کی اساس پر قوی نظام کی تعمیر و تشکیل کا شعور، ولولہ اور جوشِ عمل پیدا کرنے کا کام انتہائی کٹھن اور صبر آزما ہوتا ہے۔ شیخ الہندؒ کی جماعت کے لوگوں خاص طور مولانا سندھیؒ نے اس صبر آزما کام کے لئے بڑی قربانی دی ہے۔

صنعتی دور کے سیاسی اور اقتصادی مسائل کو محض قدیم زمانہ کی عقل کی اساس پر حل کرنے کی بات کرنا کوئی عقلمندی نہیں ہے۔ بلکہ اس دور کے مسائل کے حل کے لئے قرآنی تعلیمات پر غور وفکر کرکے نئی حکمت عملی کی تشکیل اور شعوری جدوجہد کے انقلابی پہلوؤں کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس دور میں محض انفرادی اصلاح سے نتائج کا حصول ممکن نہیں ہے، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ نظام کے طرز پر انقلاب کی ضرورت ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ ''لَایَصْلُحُ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا بِمَا صَلُحَتْ بِهٖ اَوَّلُهَا'' (اس دور کا آخری حصہ اُس وقت تک درست نہیں ہوسکتا جب تک اُس طریقہ کار کے مطابق جدوجہد نہ کی جائے جو اس اُمت کے اول حصہ کے پیش نظر تھا)۔

اس قول کی روشنی میں قرآنی انقلابی نظام کو سمجھنا اور سمجھانا انتہائی ضروری ہے۔

قرآنی انقلاب کے شعوری مطالعے کی اہمیت

مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ 7 مارچ 1939ء کو ہندوستان واپس تشریف لائے۔ انہوں نے اپنے گزشتہ پچاس سالہ قرآنی مطالعہ کے انقلابی نتائج سے ہندوستان کے لوگوں کی شعوری آگہی کا اہتمام کیا۔ انہوں نے قرآن حکیم، احادیث نبویہؐ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تعلیمات کی روشنی میں جو انقلابی فکر و فلسفہ حرمین شریفین کے مبارک مقامات پر سمجھا تھا، اُسے برصغیر پاک و ہند کے نوجوانوں کو سمجھانے کے لئے دن رات محنت کی۔ چنانچہ دارالرشاد گوٹھ پیر جھنڈا، قاسم العلوم لاہور، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں ''بیت الحکمت'' قائم کرکے علماء اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کے سامنے اجتماعی نقطۂ نظر سے قرآن حکیم کی تفسیر بیان فرمائی۔ جسے آپؒ کے عزیز ترین اور ہونہار شاگردوں نے بڑی ذمہ داری کے ساتھ قلمبند کیا۔ چنانچہ مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ اور مولانا غازی خدا بخشؒ نے مولانا سندھیؒ کے انقلابی طرزِ تفکر کو بہت خوبی سے سمجھا اور اسے مرتب کیا، جیسا کہ خود مولانا سندھیؒ نے اپنی

تحریر میں اس بات کا تذکرہ کیا ہے۔

''قرآنی شعورِ انقلاب'' پر ایک نظر

زیرِ نظر کتاب ''قرآنی شعورِ انقلاب'' مولانا سندھیؒ کے انہی انقلابی افکار پر مبنی تفسیری شہ پاروں کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب میں قرآن حکیم کے حوالہ سے اجتماعی تقاضوں کی تکمیل کے اس انقلابی نظام کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے، جو قرآنی تعلیمات کی روشنی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے برپا کیا تھا۔ اس کی تفہیم کا انداز اور بنیادی اسلوب حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی بیان کردہ اصولِ تفسیر اور دینی فلاسفی پر ہے۔

مولانا سندھیؒ کے ان تفسیری شہ پاروں کو ان کے عزیز ترین ہونہار اور سمجھدار شاگرد حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ نے مرتب کیا ہے۔ حضرت مولانا سندھیؒ ہر ایک سورت کے تفسیری افادات بیان فرماتے تھے، اور مولانا بشیر احمدؒ اور مولانا خدا بخش صاحبؒ انہیں قلمبند کرتے تھے۔ پھر مولانا سندھیؒ کی زندگی میں ہی مولانا بشیر احمد صاحبؒ نے انہیں مرتب اور مدوّن کیا اور حضرت سندھیؒ کو ملاحظہ کرایا۔

اس تفسیری مجموعہ میں شامل سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر کی تفسیر ''قرآنی دستورِ انقلاب'' کے عنوان سے مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ نے 1944ء میں ہی کتابی صورت میں طبع کرائی تھی۔ اور سورۃ الفاتحہ کی تفسیر ''قرآنی اساسِ انقلاب''، سورۃ العصر کی تفسیر ''قرآنی اصولِ انقلاب'' اور سورۃ الاخلاص اور معوذتین کی تفسیر ''قرآنی فکرِ انقلاب'' بھی مولانا لدھیانویؒ نے اپنے ادارہ ''بیت الحکمت'' کی طرف سے یکے بعد دیگرے کتابی صورت میں شائع کیں۔ سورۃ المجادلہ سے لے کر سورۃ التغابن کی تفسیر مولانا سندھیؒ کی زندگی میں ہی مرتب ہوئی تھی، یہ سورتیں سب سے پہلے ہفت روزہ ''خدام الدین'' لاہور میں حضرت مولانا سندھیؒ کے شاگرد مولانا عبیداللہ انور رحمۃ اللہ علیہ نے قسط وار شائع کرائیں۔ ''خدام الدین'' کے 1964ء اور 1965ء کے شماروں میں یہ سورتیں بالاقساط شائع ہوئیں۔ اس کے بعد ''خدام الدین'' کے مختلف شماروں سے ان سورتوں کو اکٹھا کر کے شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن نے کتابی صورت میں الگ الگ شائع کیا۔

زیرِ نظر کتاب کی موجودہ اشاعت کی خصوصیت

''قرآنی شعورِ انقلاب'' کے پہلے ایڈیشنوں میں بغیر کسی ترتیب کے انہی مطبوعہ کتابوں کو جمع کردیا گیا تھا۔ حسن اتفاق سے ہمیں مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ کے صاحبزادگان؛؛ محترم جناب بلال احمد اور محترم جناب ہلال احمد صاحبان کی جانب سے ''رحیمیہ لائبریری'' کے لئے مولانا لدھیانویؒ کی کتابوں کا ذخیرہ دستیاب ہوگیا، جس میں سورۃ المجادلہ سے سورۃ التغابن تک کی سورتوں کی تفسیر خود مولانا لدھیانویؒ کے قلم سے تحریرکردہ مل گئی۔ موجودہ ایڈیشن میں اس قلمی مسودہ سے مقارنہ کر کے تصحیحات کردی گئی ہیں، نیز دیگر سورتوں کے مطبوعہ قدیم نسخوں کو سامنے رکھ کر ان کا مقارنہ بھی کیا گیا ہے۔ اس طرح کتاب کا یہ ایڈیشن زیادہ جامع اور مکمل شکل میں طبع ہورہا ہے۔

چونکہ اس کتاب میں موجود افکار و تعلیمات اور اس کی ترتیب و تدوین کے حوالہ سے تین شخصیات کا اہم کردار ہے۔ اس لئے ''رحیمیہ مطبوعات'' لاہور کی جانب سے شائع ہونے والے اس موجودہ ایڈیشن میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور کتاب کے مرتب مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ کے حالاتِ زندگی کا ایک مختصر خاکہ کا بھی اضافہ کیا جارہا ہے۔

اُمید ہے کہ قارئین اس تفسیری مجموعہ سے بھرپور فائدہ اُٹھائیں گے اور زیادہ سے زیادہ نوجوانوں تک اس کی تعلیمات اور افکار کو پھیلانے کی جدوجہد اور کوشش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور ولی اللہی جماعت کے دیگر تمام رہنمایانِ قوم کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں ان کے فکر و عمل کو سمجھنے اور آگے پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ، لاہور
یکم / اکتوبر 2019ء



نقوشِ زندگی

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ

امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے اپنے افکارِ عالیہ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ کے افکار ونظریات اور اُن کی حکمت اور فلاسفی کی اساس پر مرتب و مدون فرمائے ہیں۔ اس لیے کے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے نقوشِ زندگی کا ایک مختصر خاکہ ''قرآنی شعورِ انقلاب'' کے قارئین کے لیے پیش کردیا جائے۔ تاکہ اس دور کے مجدد حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی زندگی کے حالات وافکار اور اُن کی کتابوں میں بیان کردہ نظریات کے ارتقا وتطوّر کا صحیح طور پر اندازہ ہوجائے۔

اسم مبارک اور خاندان

شاہ صاحب کا نام ''احمد'' ہے اور ''ولی اللہ'' عرفیت ہے۔ آپؒ کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم دہلویؒ ابوالفیض ہیں۔ جو اپنے وقت کے جید علما میں سے تھے۔ وہ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں شریک رہے تھے۔ آپؒ کی والدۂ ماجدہ سیدہ ''فخر النساء'' ہیں، جو شیخ محمد پھلتیؒ کی بیٹی تھیں اور نہایت عابدہ، زاہدہ اور عالمہ خاتون تھیں۔ شاہ صاحبؒ کا سلسلۂ نسب والد ماجد کی جانب سے حضرت عمر فاروقؓ تک پہنچتا ہے۔ اور والدۂ ماجدہ کی جانب سے حضرت موسیٰ کاظمؒ اور حضرت علیؓ تک جاتا ہے۔ (1)

وِلادت باسعادت

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی ولادت باسعادت ضلع مظفرنگر کے قریب واقع قصبہ ''پُھلت'' میں ۴/شوال ۱۱۱۴ھ/ 21/فروری 1703ء، بروز بدھ، بوقت طلوعِ آفتاب ہوئی۔ یہ سال علویّین (سورج اور چاند) کے قِران کا سال تھا۔ آپؒ کے شاگرد مولانا

محمد اعظم کشمیریؒ نے تاریخ ولادت درج ذیل کے مصرعے سے نکالی ہے۔ ع (2)

''ابرِ کرم ، بحرِ حِلم ، عالی نسب ، والا مکان''

تعلیم و تربیت

شوال ۱۱۱۹ھ/فروری 1708ء میں پانچ سال کی عمر میں مکتب میں تعلیم کے لیے بٹھائے گئے اور سات سال کی عمر میں قرآن حکیم ختم کیا اور دہلی میں مروّجہ نصابِ تعلیم کے مطابق علوم وفنون اور تفسیر و احادیث کی کتابوں کی تعلیم میں مشغول ہوگئے۔ دس برس کی عمر میں تھے کہ از خود مطالعے سے کتابوں کو حل کرنے کی استعداد پیدا ہوگئی۔ آپؒ نے 15 سال کی عمر میں اپنے دور کے تمام علوم وفنون پر عبور حاصل کرلیا تھا۔ چناں چہ خود لکھتے ہیں:

''پندرہ سال کی عمر میں میں نے تمام علوم وفنون پڑھ لیے تھے، اور اسی سال قرآن حکیم میں کامل غور وفکر اور مختلف تفاسیر کے مطالعے کے ساتھ والدِ ماجد کے درسِ قرآن میں حاضری کی توفیق ملی۔ اس طرح کئی بار میں نے حضرت والد ماجد سے متن قرآن پڑھا اور یہی میرے حق میں ''فتح عظیم'' کا باعث ہوا۔'' (3)

شادی

۱۱۲۸ھ/1716ء میں چودہ سال کی عمر میں آپؒ کی شادی ہوئی۔

باطنی تربیت

۱۱۲۹ھ/1717ء میں ظاہری تعلیم مکمل ہوئی اور اس کے بعد تربیتِ باطنی کی طرف متوجہ ہوئے۔ خود لکھتے ہیں:

''پندرہ برس کی عمر میں والد بزرگوار سے بیعت کر کے اشغالِ صوفیا، خصوصاً مشائخ نقشبندیہ کے اشغال میں مصروف ہوگیا اور ان کی توجہ اور تلقین سے بہرہ ور ہوتے ہوئے ان سے آدابِ طریقت کی تعلیم اور خرقۂ صوفیا حاصل کر کے اپنے روحانی سلسلے کو درست کرلیا۔'' (4)

والدِ گرامی کے جانشین

۱۲ر صفر ۱۱۳۱ھ/4 جنوری 1719ء کو جب آپؒ کی عمر سولہ سال پانچ ماہ تھی، تو آپ کے والد گرامی (شاہ عبد الرحیم دہلویؒ) کا انتقال ہوا۔ آپؒ نے مرض الموت کے دوران شاہ صاحبؒ کو بیعت وارشاد کی اجازت دی اور یہ جملہ فرمایا: ''یَـدُہٗ کَیَدِیْ'' (اس کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے) اور اپنا قائم مقام بنایا۔ (5)

مسندِ درس و تدریس

شاہ صاحبؒ اپنے والد گرامی کے وصال کے بعد ''مدرسہ رحیمیہ'' دہلی میں ان کی مسندِ درس پر درس و تدریس کے فرائض سر انجام دینے لگے۔ آپؒ مسلسل 12 سال کتبِ تفسیر، حدیث اور دیگر علوم وفنون کی تعلیم وتدریس میں مشغول رہے۔ اس دوران ہر علم میں خاص درک اور ملکہ حاصل کیا۔ اس دوران علمی صلاحیت و استعداد کو بڑھانے کے ساتھ ساتھ آپؒ نے زندگی کے عملی پہلوؤں کے حوالے سے حکمتِ عملی اور اس کے بنیادی اُمور کا فہم بھی پیدا کیا، جو آپؒ کے والد گرامی کی عملیت پسند طبیعت کے سبب تھا۔ (6)

حج کے ارادے سے پہلا سفر

۱۱۳۵ھ/1723ء میں 20 سال کی عمر میں پہلی مرتبہ سفرِ حج کے ارادے سے دہلی سے روانہ ہوئے، متعلقین، علما اور طلبا کی ایک جماعت آپؒ کے ساتھ تھی۔ طویل سفر طے کر کے ساحل سمندر پر سورت کے قریب شہر ''کھنبایت'' میں چند روز قیام فرمایا۔ حجاز کے لیے حج کے جہازوں کی روانگی کا زمانہ ختم ہو چکا تھا۔ اس لیے بہ القائے خداوندی سفرِ حج کا ارادہ ملتوی کر کے واپس دہلی تشریف لائے۔ اس سفر میں بہت کچھ تجربات، مشاہدات اور مکاشفات ظاہر ہوئے۔ اس دوران آپؒ مُفَہّمِیّت اور مُحَدّثِیّت سے مشرف ہوئے۔ اس مقام کے اَسرار وعلوم آپؒ نے اپنی تصنیف ''التّفهيماتِ الإلٰهيه'' میں بیان فرمائے ہیں۔ (7)

''المقدمہ فی قوانین الترجمہ'' کی تالیف

۱۱۴۰ھ/ 1728ء میں آپؒ نے قرآن حکیم کے ترجمے کا آغاز کیا اور مختلف تراجم کے

اُسلوب کا جائزہ لے کر ترجمہ نگاری کے اصول وقوانین پر ایک جامع رسالہ ''المقدمہ فی قوانین الترجمہ'' تالیف فرمایا۔ اپنے طے کردہ ان اصولوں اور قوانین کی روشنی میں قرآن حکیم کا ترجمہ شروع کیا، جو ''زہراوین'' یعنی سورت البقرہ اور سورت آلِ عمران تک سفرِ حج سے پہلے مکمل ہوا۔

سفرِ حرمین شریفین

۸/ ربیع الآخر ۱۱۴۳ھ/ 21/ اکتوبر 1730ء کو دوسری مرتبہ حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً کے مبارک سفر پر روانہ ہوئے۔ اور یہ سفر دہلی سے براستہ پانی پت، سرہند، لاہور، ملتان، سندھ میں ٹھٹھہ سے ہوتے ہوئے سورت کی بندرگاہ تک ہوا۔ پھر وہاں سے بحری جہاز پر سوار ہوئے۔ اس سفر میں لاہور، ملتان اور ٹھٹھہ کے علما اور طلبا نے آپؒ سے خوب استفادہ کیا۔ خاص طور پر مخدوم محمد معین ٹھٹھویؒ اور دیگر اہل سندھ نے آپؒ سے بیعت ہو کر شرفِ اجازت حاصل کی۔ (8)

حج بیت اللہ کی سعادت

۱۵/ ذی قعدہ ۱۱۴۳ھ/ 22/ مئی 1731ء کو مکہ معظّمہ میں پہنچے اور عمرۂ تمتع ادا کیا۔ اور پھر اسی سال ذی الحج میں حج کی سعادت حاصل کی اور بیت اللہ الحرام کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے۔ مکہ معظّمہ میں قیام کے دوران وہاں کے اکابر علما اور فضلا نے آپؒ سے خوب استفادہ کیا اور علمی تبادلۂ خیالات کیا۔ علمی اور فکری مسائل میں مشکل مقامات کو حل کرنے اور عقل و شعور اور فہم و تدبر کے اظہار کی وجہ سے آپؒ مکہ معظّمہ میں ہر دل عزیز ہو گئے اور لوگ جوق در جوق استفادہ کے لیے آنے لگے۔ (9)

مدینہ منورہ حاضری

ماہِ ربیع الاول ۱۱۴۴ھ/ ستمبر 1731ء میں آپؒ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور روضۂ اقدس پر حاضری ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شمار عنایات وتوجہات سے مشرف ہوئے۔ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران وہاں کے علما نے آپؒ سے خوب استفادہ کیا۔ خاص طور پر شیخ عبدالکریم انصاریؒ (جو حضرت انس ابن مالکؓ کی اولاد میں

سے تھے) اور مسجد نبویؐ کے اُستاد شیخ محمد طیبؒ جو مدینہ کے بڑے عالم اور فاضل اساتذہ میں سے تھے، نے آپؒ سے استفادہ کیا۔ مدینہ منورہ کے قیام کے دوران خود شاہ صاحبؒ نے مدینہ کے سن رسیدہ بزرگ عالم دین اور محدث حضرت شیخ ابوطاہر کُردی مدنیؒ سے تلمذ حاصل کیا اور ان سے بہت متأثر ہوئے۔ صحاح ستہ کی اجازت لی اور اپنی سندِ حدیث کو بلند کیا۔

دوبارہ مکہ معظّمہ آمد

۱۵/شعبان ۱۱۴۴ھ/ 12/فروری 1732ء کو مدینہ منورہ سے مکہ معظّمہ دوبارہ تشریف لائے اور ماہِ رمضان میں مسجد الحرام میں اعتکاف کیا اور فیوض و برکات سے مستفیض ہوئے۔ اسی دوران کتاب ''فیوض الحرمین'' تحریر فرمائی، جس میں آپؒ نے ''**فَکُّ کُلِّ نِظَام**'' (ہر بوسیدہ نظام کو توڑ دو) کے اصول پر انقلاب کا نظریہ دیا۔

مکہ معظّمہ کے قیام کے دوران ہی آپؒ کی والدۂ محترمہ سیدہ فخر النساءؒ کا دہلی میں انتقال ہوگیا۔ اطلاع ملنے پر حرم شریف کے تمام علما اور معززین نے آپؒ سے تعزیت کی۔ اسی سال ذی الحج میں آپؒ نے دوسرا حج ادا کیا۔ (10)

حج سے واپس دہلی تشریف آوری

ربیع الآخر ۱۱۴۵ھ/ 1732ء میں حجاز سے روانہ ہوکر 23 روز میں سورت کی بندرگاہ پہنچے اور دکن کے راستہ سے گوالیار اور آگرہ ہوتے ہوئے ۱۴/رجب ۱۱۴۵ھ بروز جمعۃ المبارک/ 2/جنوری 1733ء کو شاہ جہان آباد (دہلی) واپس تشریف لائے۔ (11)

''**حُجّة اللّٰه البالغه**'' کی تالیف

حرمین شریفین کے سفر سے واپس آنے کے بعد وہاں سے حاصل کردہ علوم و معارف اور فیوضات و برکات کی اساس پر آپؒ نے اپنے فکر و فلسفے کو مرتب کرنے کی طرف اپنی پوری توجہ فرمائی۔ چناں چہ تقریباً دو سال کی محنتِ شاقہ کے بعد ۱۱۴۷ھ (1734ء) میں آپؒ نے اپنی شاہکار کتاب ''**حُجّة اللّٰه البالغه**'' تصنیف فرمائی۔ (12)

”حُجّة الله البالغه“ ؛ ولی اللّٰہی فکر و فلسفے کا خلاصہ

اس کتاب میں شاہ صاحبؒ نے اپنا فکر و فلسفہ جامع اور مکمل شکل میں مدوّن فرمایا ہے۔ آپؒ نے قرآنی علوم کے عمیق مطالعے سے کائنات میں جاری ”کمالاتِ اربعہ“ یعنی ”ابداع“، ”خلق“، ”تدبیر“ اور ”تدلّی“ کا تعین کیا۔ یہ بیان کیا کہ کائنات اللہ تعالیٰ کے ان کمالاتِ اربعہ کا ظہور ہے، اور یہ چاروں کمالات دین کی تفہیم کے اساسی اُمور ہیں۔ انھیں سمجھے اور مانے بغیر شریعت کے احکامات کے راز معلوم نہیں ہو سکتے۔

انسان کی حقیقت و ماہیت کی وضاحت کرتے ہوئے ”تجلّیات“ کے ذریعہ سے اللہ سے تعلق پیدا کرنے کا نظام، ”شعائر اربعه“ یعنی ”القرآن“، ”الكعبه“، ”النّبی“ اور ”الصّلوٰۃ“ کی صورت میں بیان کیا۔ اور ان شعائر اللہ کے ذریعے سے انسانیت میں اعلیٰ اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے بنیادی اخلاق کا تعین، ”اخلاقِ اربعہ“ یعنی ”طہارت“، ”اخبات الی اللہ“، ”سماحت“ اور ”عدالت“ کی صورت میں کیا۔

پھر انسانی معاشروں میں ”عدالت“ کی اساس پر قائم ہونے والے ”ارتفاقاتِ اربعہ“ کے مراحل کی نشان دہی کی ہے۔ ”ارتفاقِ اوّل“ کے مرحلے میں عدل کے اصول پر ایک فرد کی ذات کو حاصل ہونے والی سہولیات کا تذکرہ کیا ہے۔ دوسرے مرحلے میں خاندان اور عائلی سہولیات اور ترقیات کا ”ارتفاقِ دوم“ بیان فرمایا۔ تیسرے مرحلے میں ”ارتفاقِ سوم“ یعنی عدل کے اصول پر قومی سطح کے سیاسی، معاشی، عمرانی نظام اور سماجی معاملات کی اہمیت بیان کی ہے اور اسے بنیادی ارتفاق قرار دیا ہے۔ چوتھے مرحلے میں ”ارتفاقِ چہارم“ کے حوالے سے بین الاقوامی سطح پر ممالک اور اقوام کے درمیان عدل و انصاف پر مبنی تعلقات کے بنیادی اُمور کی نشان دہی کی ہے۔

اس طرح انسانیت کے اللہ تعالیٰ سے تعلق سے لے کر دوسرے تمام انسانوں کے ساتھ ذاتی، عائلی، قومی اور بین الاقوامی تعلقات کا ایک مربوط نظام اور اس کا بنیادی فکر و فلسفہ شاہ صاحبؒ نے متعین کیا اور نیکی اور بدی کے تصورات کی وضاحت کی ہے۔ تمام قرآنی احکامات کو انھیں 16 اُمور کے تناظر میں سمجھنے کا طریقہ بیان فرمایا۔ اور پھر احادیث نبویہؐ کے اَسرار بھی اسی تناظر میں بیان فرمائے ہیں۔

اس کتاب میں شاہ صاحبؒ نے نہ صرف اپنا فکر و فلسفہ بیان کیا ہے، بلکہ اس فکر و فلسفے کی اساس پر عملی طور پر اقدامات کرنے اور انقلاب کے تقاضوں کو پورا کرنے کی اہمیت بھی بیان کی ہے۔ ارتفاقات کی بحث کے آخر میں ارشاد فرماتے ہیں:

''یجب بذل الجهد علیٰ أهل الآراء الکُلّیة فی إشاعة الحقّ و تمشیته، و اخمال الباطل، وصدِّه. فربما لم یمکن ذٰلک إلاّ بمخاصمات أو مقاتلات، فیعدُّ کلّ ذٰلک من أفضل أعمال البرّ.'' (13)

(مفادِ عامہ کی سوچ رکھنے والوں پر یہ بات واجب ہے کہ وہ حق کے پھیلاؤ اور غلبے اور باطل کو مٹانے اور روکنے کے لیے جدوجہد اور کوشش کریں۔ بسا اوقات یہ کام اُس وقت تک ممکن نہیں ہوتا، جب تک کہ فرسودہ نظام کو توڑنے کے لیے جہاد و قتال کا عمل نہ کیا جائے۔ ایسے زمانے میں یہ کام کرنا نیکیوں کے تمام اعمال سے افضل ہے۔)

''ھمعات'' کی تالیف

جمادی الاخریٰ ۱۱۴۸ھ/ اکتوبر، نومبر 1735ء میں آپؒ نے اپنی کتاب ''ھمعات'' کی تالیف مکمل فرمائی۔ (14) اس کتاب میں شاہ صاحبؒ نے طریقت کی تاریخ اور اس کا فلسفہ متعین کیا ہے۔ اسی دوران آپؒ نے اپنی دیگر تصانیف بھی تحریر فرمائیں۔ اندازہ ہے کہ آپؒ کی عربی زبان میں لکھی ہوئی کتابیں اسی دور کی ہیں۔ حرمین شریفین سے واپسی پر آپؒ نے زیادہ تر تصنیف و تالیف کے کام سرانجام دیے ہیں۔

شاہ صاحب کا قصبہ پُھلت میں قیام

سال ۱۱۴۸ھ/ 1735ء شروع ہوا تو حضرت شاہ صاحبؒ نے پیشین گوئی فرمائی کہ اہل دہلی پر مصائب و مشکلات پیدا ہونے والی ہیں۔ چناں چہ دَکنی فوج کا حملہ اور نادر شاہ کا قتل عام وغیرہ برپا ہوئے اور دہلی اور گرد و نواح کو لوٹ لیا گیا۔ (15)

۲۴ر شعبان ۱۱۵۰ھ/ 17ر دسمبر 1737ء کو حضرت شاہ صاحبؒ قصبہ پُھلت تشریف

لائے اور کچھ عرصہ یہاں قیام فرمایا۔ ساداتِ بارہہ سے مغلیہ فوج کی لڑائی کے زمانے میں آپؒ پُھلت میں ہی قیام پذیر رہے۔ (16)

''إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء'' کی تالیف

اسی زمانے میں حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی معرکۃ الآرا تالیف ''إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء'' تحریر فرمائی، جس میں خلافت کی حقیقت و ماہیت، خلافتِ راشدہ یا خلافتِ نبوت اور خلافتِ عامہ کے مفاہیم کا فرق اور خلفائے راشدینؓ بالخصوص حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ کے علوم و افکار اور قائم کردہ نظام کی تفصیل بیان کی۔ خلافتِ راشدہ کے دور میں دین اسلام کے بین الاقوامی نظام کے قیام کے لیے جن اساسی علوم کی بنیاد رکھی گئی تھی، انھیں واضح کیا۔ خاص طور پر علم شریعت کے حوالے سے رسالہ ''فقہِ عمر فاروق''، علم طریقت کے حوالے سے رسالہ ''تصوفِ عمر فاروق'' اور علم سیاست اور اجتماعیت کے حوالے سے رسالہ ''حکمت و سیاستِ عمر فاروق'' پر تین بہترین رسائل لکھ کر دین کا جامع نظامِ فکر و عمل واضح کیا۔

''فتح الرّحمٰن بترجمة القُرآن'' کی تکمیل

اوائل رمضان ۱۱۵۱ھ/ دسمبر 1738ء کو آپؒ نے اپنا تحریر کردہ ترجمہ قرآن حکیم ''فتح الرّحمٰن بترجمة القُرآن'' مکمل فرمایا۔ حرمین شریفین کے سفر سے قبل ہی آپؒ نے ترجمہ قرآن لکھنا شروع کر دیا تھا، لیکن حرمین شریفین کے سفر کی وَجہ سے یہ کام رُک گیا۔ حرمین سے واپس آنے کے بعد دیگر تصانیف میں مشغولیت کی وجہ سے کئی سال تک ترجمہ قرآن کریم کی طرف توجہ نہ ہوسکی۔ بالآخر ۱۰/ ذی الحج ۱۱۵۰ھ/ 31/ مارچ 1738ء کو آپؒ نے اس کام کو دوبارہ شروع کیا۔ اوائل شعبان ۱۱۵۱ھ/ نومبر 1738ء میں اس کا مسودہ تیار ہوا۔ نظر ثانی کے بعد اوائل رمضان میں ترجمہ قرآن کریم مکمل ہوا۔ اس کے پانچ سال بعد ۱۱۵۶ھ/ 1743ء میں آپؒ کے اولو العزم شاگرد مولانا خواجہ محمد امین کشمیری ولی اللّٰہیؒ کی محنت و ہمت سے اس ترجمے کے پڑھنے پڑھانے کا رواج عام ہوا۔ (17)

''المسوّٰی من أحادیث المؤطّا'' اور ''المصفّٰی'' کی تالیف

علومِ قرآنیہ کے حقائق و معارف بیان کرنے کے ساتھ ساتھ حضرت شاہ صاحبؒ نے علوم الحدیث کی جامع تدوین کے لیے بھی کام کیا۔ فقہا، محدثین کے نقطہ نظر کے مطابق ''مؤطّا'' کی احادیث کا ایسا انتخاب کیا، جس میں مشہورِ عالم فقہی مکاتبِ فکر؛ حنفی، مالکی اور شافعی کی آرا کو سامنے رکھ کر دینِ اسلام کا مکمل نظامِ شریعت مرتب اور مدوّن کیا۔ اس کے لیے ''المسوّٰی من أحادیث المؤطّا'' تالیف فرمائی۔ اس کتاب کا فارسی ترجمہ ''المصفّٰی'' کے عنوان سے کیا۔ اس طرح فقہی اختلافات کو ختم کرنے کے لیے حدیث و فقہ پر ایک جامع اور مربوط کتاب منصۂ شہود پر آئی۔

رمضان میں اعتکاف اور حقائق و معارف کا بیان

شعبان، رمضان ۱۱۵۶ھ/ اکتوبر 1743ء میں حضرت شاہ صاحبؒ نے چالیس روز کا اعتکاف فرمایا اور ان دنوں میں بے شمار حقائق و معارف بیان فرمائے۔ اس کے بعد اپنی وفات تک ہر سال شعبان اور رمضان میں اپنے مخصوص احباب کے ہمراہ چالیس روز کا اِعتکاف فرماتے رہے۔ جس میں خاص طور پر مولانا نور اللہ بڈھانویؒ، مولانا محمد عاشق پھلتیؒ اور دیگر اہم علما اور صاحبزادگان اہتمام کے ساتھ شرکت فرماتے تھے۔ ان ایام میں آپؒ پر خاص کیفیت طاری ہوتی اور آپؒ پر بے انتہا علوم و معارف، حقائق و مکاشفات، معارفِ خاصہ اور اسرارِ غامضہ ظاہر ہوتے تھے۔ آپؒ پورے انشراح اور بسط کے ساتھ مخصوص احباب کی مجلس میں انھیں بیان فرماتے تھے۔ (18)

''سطعات'' کی تالیف

رمضان ۱۱۶۸ھ/ جون 1755ء میں اعتکاف کے دوران جن مضامین کا القا ہوا، اُن کی اساس پر آپؒ نے اپنی کتاب ''سطعات'' تحریر فرمائی۔ (19) جس میں آپؒ نے کائنات کا ''طلسم الٰہی''، تجلیات و تدلیات کے تناظر میں بیان کیا ہے اور آیت **اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ** (20) کی تشریح و تفسیر فرمائی ہے۔

دہلی سے ہجرت اور قصبہ بُڈھانہ میں قیام

۱۱۷۳ھ/1759ء کے فتنے کے زمانے میں آپؒ نے اہالیانِ قصبۂ بڈھانہ کی درخواست پر دہلی سے ہجرت کر کے قصبۂ بڈھانہ ضلع مظفرنگر میں قیام فرمایا۔ اس سال ماہِ رمضان المبارک کا اعتکاف بھی یہیں فرمایا۔ اس رمضان میں آپؒ پر بڑے ''واردات'' ہوئے، جس کی تفصیل ''القول الجلی فی مناقب الولی'' میں ہے۔ آپؒ ۸/ذی الحج ۱۱۷۵ھ/یکم/جون 1762ء تک اپنی زندگی کے آخری دو سال بڈھانہ میں ہی تشریف فرما رہے۔(21)

''لمحات'' کی تالیف

ماہِ رمضان ۱۱۷۴ھ/اپریل 1760ء میں آپؒ نے بڈھانہ میں ہی اعتکاف فرمایا اور اس دوران معارفِ اسرارِ شریعہ اور حقائق الٰہیہ کونیہ بیان فرمائے۔ اسی دوران آپؒ نے ان حقائق کو ''لائحات'' (لمحات) کے نام سے تحریر فرمایا، جس کی تفصیل ''القول الجلی فی مناقب الولی'' میں ہے۔(22)

بُڈھانہ سے دہلی تشریف آوری

ماہِ شعبان رمضان ۱۱۷۵ھ/ فروری، مارچ 1762ء حسبِ معمول آپؒ نے قصبۂ بڈھانہ میں اعتکاف فرمایا۔ اسی دوران ۸/رمضان/2/اپریل 1762ء کو آپؒ کے بازو میں تکلیف شروع ہوئی۔ کافی علاج معالجہ ہوتا رہا، لیکن کچھ افاقہ نہ ہوا۔ بالآخر ۸/ذی الحج ۱۱۷۵ھ/ یکم/جون 1762ء کو آپؒ بڈھانہ سے دہلی تشریف لائے۔ دہلی میں بھی مسلسل طبیعت خراب رہی۔ تمام اطبا حاضر رہے۔ ہر ایک نے اپنی تشخیص کے مطابق مختلف تدابیر کیں، لیکن کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا۔ ان ایام میں رِقتِ قلبی بہت بڑھ گئی تھی۔(23)

وِصالِ مبارک

۳۰/محرم الحرام ۱۱۷۶ھ/ 21/اگست 1762ء بروز ہفتہ کو صبح کے وقت حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ آپؒ کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ اُن کی آمد پر تخلیہ کرایا گیا۔ چند مخصوص احباب کے علاوہ سب کو کمرے سے باہر کر دیا گیا اور حلقۂ مراقبہ قائم ہوا۔ آدھ

گھنٹہ مجلس قائم رہی۔ مجلسِ مراقبہ ختم ہوئی تو مرزا صاحبؒ نے اجازت چاہی۔ اُسی وقت آپؒ کا مزاج متغیر ہونا شروع ہوا اور آناً فاناً وصال کے آثار ظاہر ہوئے۔ اُسی روز ظہر کے وقت آپؒ کی روحِ پاک عالمِ قدس کی طرف پرواز کر گئی اور رفیق اعلیٰ سے جا ملی۔ (24)

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی جانشین جماعت

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی زندگی میں اپنی جانشین جماعت تیار کی۔ یوں اکسٹھ سال کے مختصر عرصے میں حضرت شاہ صاحبؒ کی زندگی نے انسانی زندگیوں کو سنوارنے کا ڈھنگ، جینے کی اُمنگ، قلب کی پختگی، عقل کا شعور اور روح کی بالیدگی میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ آپؒ کے جانشین حضرت الامام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ ہوئے۔

حوالہ جات وحواشی

1۔ دیکھئے! **انفاس العارفین** از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، مطبوعہ دیوبند۔ نیز **القول الجلی فی مناقب الولی**، مؤلفہ شاہ محمد عاشق پھلتی، مطبوعہ دہلی۔

2۔ **القول الجلی فی مناقب الولی**، ص11۔

3۔ **انفاس العارفین** ص404۔

4۔ ایضاً ص405۔

5۔ ایضاً۔

6۔ القول الجلی خلاصہ ص136 تا ص138۔

7۔ ایضاً، ص148۔

8۔ ایضاً، ص150۔

9۔ ایضاً ص151، 154۔

10۔ ایضاً ص156۔

11۔ ایضاً ص157۔

12۔ شاہ صاحب نے **ھمعات** کے آخر میں اس کی تاریخِ تالیف لکھی ہے، ''جمادی الآخر ۱۱۴۸ھ (اکتوبر/نومبر 1735ء)'' اور ہمعات میں اخلاقِ اربعہ کی بحث کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں:

''ہر کہ این رابہ تفصیل خواہد باید کہ بہ کتابِ ما ''**حُجّة اللّٰه البالغه**'' رجوع کندہ'' (**ھمعات** ص96)

(جوآدمی ان اخلاقِ اربعہ کی تفصیل کا خواہش مند ہے، وہ ہماری کتاب "حُجّة اللّٰه البالغه" کا مطالعہ کرے۔) اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے جمادیٰ الاخریٰ ۱۱۴۸ھ/ اکتوبر 1735ء سے پہلے آپؒ نے اپنی کتاب "حُجّة اللّٰه البالغه" تحریر فرمالی تھی۔شاہ صاحبؒ کی حرمین شریفین سے واپسی رجب ۱۱۴۵ھ/ جنوری 1733ء کو ہوئی۔ اندازہ ہے کہ حرمین شریفین کے سفر کے فوراً بعد آپؒ نے "حُجّة اللّٰه البالغه" لکھنی شروع کی۔اور دوسال کے عرصے میں ۱۱۴۷ھ میں مکمل کر لی۔(آزاد)

13۔ **حجة اللّٰه البالغه**، از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، باب الرسوم السائرہ فی الناس،ص 104،طبع بیروت۔

14۔ **همعات** ص135،مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد، سندھ۔

15۔ **القول الجلی** ص198۔

16۔ ایضاً، 194۔

17۔ **مقدمه فتح الرحمن** ص الف،مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور1986ء

18۔ **القول الجلی**، ص208۔

19۔ ایضاً،ص311۔

20۔ القرآن: 3:5:24۔

21۔ ایضاً،ص330۔

22۔ ایضاً،ص346۔

23۔ ایضاً ص362۔

24۔ ایضاً 365،366۔



امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ

شخصیت و کردار

درمیانہ قد، گول چہرہ، متوازن نقش و نگار، ذہانت کی آئینہ دار موٹی موٹی چمک دار آنکھیں، گورا رنگ، سفید داڑھی چہرے کے رنگ کے عین مطابق، ننگا سر بالوں سے بے نیاز، سفید کھدر کا لمبا کرتہ، سفید کھدر کی شلوار زیبِ تن، جاذبِ قلب و نظر شخصیت کے مالک اور بڑے متحرک، اسلوبِ کلام پر اعتماد اور شانِ جلالی ہر لفظ میں نمایاں۔

وِلادت

مولانا عبیداللہ سندھیؒ ۱۲ محرم الحرام ۱۲۸۹ھ/ 10 مارچ 1872ء بروز جمعۃ المبارک طلوعِ فجر سے پہلے، پنجاب کے مردم خیز ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں ''چیانوالی'' میں ایک سکھ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ بچپن سے ہی ذہانت وفطانت کے آثار ظاہر تھے۔ آپؒ کے والد آپؒ کی پیدائش سے چار ماہ پہلے فوت ہو چکے تھے۔ آپؒ کی پیدائش کے دو سال بعد دادا کا بھی انتقال ہوگیا۔ ان کی والدہ انھیں لے کر اپنے والدین کے گھر شہر ''جام پور''، ضلع ڈیرہ غازی خان (پنجاب) چلی گئیں۔

ابتدائی تعلیم

۱۲۹۵ھ/ 1878ء میں چھ سال کی عمر میں ''جام پور'' کے اُردو مڈل سکول میں تعلیم کا آغاز ہوا۔ آپؒ نے اپنے تعلیمی دور میں ریاضی، الجبرا، اُقلیدس اور تاریخ ہند سے متعلق علوم وفنون بڑی دلچسپی سے پڑھے۔ تاریخ و فلسفہ اور ریاضی آپؒ کے پسندیدہ موضوعات تھے۔ اسی دوران آپؒ کو کتابوں کے مطالعے کی عادت ہوگئی۔ جو کتاب بھی دستیاب ہوتی،

اُسے پڑھ ڈالتے تھے۔

''تُحفةُ الھِند'' سے اسلام کی حقانیت کا ادارک

۱۳۰۱ھ/1884ء میں کتاب ''تُحفةُ الھِند'' آپؒ کے ہاتھ لگی، جو ایک ہندو برہمن سے مسلمان ہونے والے عالم مولانا مولوی عبید اللہ مالیرکوٹلوی المعروف ''مولوی پنڈت'' کی لکھی ہوئی تھی۔ اس میں ہندوؤں کے عقائد کی کمزوری دلائل سے واضح کی گئی تھی۔ حضرت سندھیؒ خود تحریر فرماتے ہیں:

> ''میں نے اس کتاب کا مطالعہ بڑی پابندی سے کیا۔ یہاں تک کہ میں اسے اچھی طرح سمجھ گیا، بلکہ اسے حفظ کر لیا۔ اس کتاب کی بدولت اللہ تعالیٰ نے مجھے عقائدِ اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔'' (1)

''تقويةُ الإيمان'' سے ایمان کی مضبوطی

اس کے بعد تین سال تک خفیہ طور پر نماز روزہ اور شریعت کی ابتدائی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اسی دوران حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے پوتے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی کتاب ''تقويةُ الإيمان'' پڑھی۔ اس سے اسلام کے عقائد مزید پختہ ہوگئے۔ اسی دوران رمضان ۱۳۰۴ھ/1887ء کے کچھ روزے بھی رکھے، لیکن گھر والوں کی سختی کی وجہ سے اس رمضان کے باقی روزے ترک کرنا پڑے۔

اظہارِ اسلام اور ''عبیداللہ'' نام

۲۴/ ذی قعدہ ۱۳۰۴ھ/15 اگست 1887ء کو، جب کہ آپؒ مڈل کلاس کی تیسری جماعت میں پڑھتے تھے، اظہارِ اسلام کے لیے اپنے وطن سے نکلے اور ''کوٹلہ رحم شاہ ضلع مظفر گڑھ'' جا پہنچے۔

۹/ ذی الحج ۱۳۰۴ھ/ 29 اگست 1887ء کو سنتِ تطہیر ادا ہوئی۔ اس کے چند روز بعد آپؒ کے رشتہ دار آپؒ کا تعاقب کرنے لگے، تو سندھ میں جا کر اسلام کا اعلان کیا۔ کتاب ''تُحفةُ الھِند'' کے مصنف (مولانا عبیداللہ) کے نام پر آپؒ نے اپنا نام ''عبیداللہ'' پہلے

ہی رکھ لیا تھا۔ اسی دوران عربی صرف ونحو کی کتابیں ایک طالب علم سے پڑھنا شروع کردیں۔

راشدیہ قادریہ طریقے میں بیعت

صفر ۱۳۰۵ھ/ 1888ء میں سید العارفین شیخ المشائخ حضرت حافظ محمد صدیقؒ آف بھرچونڈی شریف (سندھ) کے ہاتھ پر بیعت کی۔ انھوں نے کلمہ طیبہ کی تلقین کی۔ وہ مشہور سلسلۂ طریقت ''راشدیہ قادریہ'' کے امام تھے۔ انھوں نے حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کی صحبت و رفاقت میں کچھ عرصہ گزارا تھا۔ جب وہ ہندوستان سے بالاکوٹ کی طرف جاتے ہوئے ''پیر جوگوٹھ'' سندھ میں اُن کے پیر حضرت پیر صبغت اللہ شاہ راشدیؒ (اوّل) کے پاس قیام فرما ہوئے تھے۔

ذکر اَذکار کی مجالس میں شرکت

مولانا سندھیؒ نے سید العارفین حضرت حافظ محمد صدیق صاحبؒ کے پاس تقریباً دو ماہ قیام کیا، اور اُن کی مجالس اور حلقۂ ذکر میں بڑی پابندی سے شریک رہے۔ اور حضرتؒ کی توجہ بھی آپؒ کی طرف انتہا درجہ رہی۔ اس دوران اُن کی صحبت میں رہ کر آپؒ کی توجہ اور محبت سے خوب فائدہ اُٹھایا۔ انھوں نے حضرت سندھیؒ کو اپنا بیٹا بنا کر توجۂ باطنی ڈالی۔ اس اجتماعِ صالح کی برکت سے مولانا سندھیؒ کے قلب میں معاشرتِ اسلامیہ راسخ ہوگئی۔ انھوں نے آپؒ کے لیے یہ دعا بھی کی کہ: ''خدا کرے عبید اللہ کا کسی راسخ عالم سے پالہ پڑجائے۔'' یہ اسی دعا کا اثر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی خدمت میں دیوبند پہنچا دیا۔

درسِ نظامی کی تعلیم کا آغاز

ربیع الثانی ۱۳۰۵ھ/ 1887ء میں سید العارفین کے خلیفہ اوّل حضرت مولانا ابوالسراج غلام محمد دین پوریؒ کے پاس دین پور نزد خان پور (پنجاب) تشریف لے آئے۔ چھ ماہ تک یہاں قیام کیا اور ''ھِدایۃُ النّحو'' تک کی عربی صرف ونحو کی کتابیں یہیں مولانا عبد القادر سے پڑھیں۔ حضرت خلیفہ صاحب نے ان کی والدہ کو خط لکھوایا۔ وہ

آ گئیں اور آپؒ کو جام پور واپس لے جانے کے لیے بڑا زور لگایا، مگر مولانا سندھیؒ ثابت قدم رہے اور والدہ کے ساتھ نہیں گئے۔

شوال ۱۳۰۵ھ/ جون 1888ء دین پور سے ''کوٹلہ رحم شاہ'' ضلع مظفر گڑھ چلے آئے، اور مولانا خدا بخش صاحب سے نحو کی مشہور کتاب ''کافیہ'' پڑھی۔

دارالعلوم دیوبند میں درسِ نظامی کی تکمیل

صفر ۱۳۰۶ھ/ اکتوبر 1888ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور پانچ چھ مہینے تک ''قُطبی'' تک منطق اور فلسفے کے رسائل، متفرق اساتذہ سے پڑھتے رہے۔ ایک فاضل استاذ سے عربی کتابوں کے مطالعے کا صحیح طریقہ سیکھ لیا اور ذاتی محنت سے علوم میں ترقی کا راستہ کھلتا چلا گیا۔ اس سال کے باقی کچھ مہینے ''رام پور'' میں مولانا احمد حسن کان پوریؒ (شاگرد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) کے مدرسے میں رہ کر منطق اور فلسفے کی اعلیٰ کتابیں مکمل کیں۔

صفر ۱۳۰۷ھ/ اکتوبر 1889ء میں دوبارہ دیوبند تشریف لائے اور ابتدائی دو تین ماہ مولانا حافظ احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند سے اصولِ فقہ اور علمِ کلام کی ابتدائی کتابیں پڑھیں اور فقہ اور اصولِ فقہ کی کتابیں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے پڑھیں۔ شعبان ۱۳۰۷ھ/ اپریل 1890ء میں سالانہ امتحان میں شریک ہوئے اور اپنی کلاس میں اوّل آئے۔ سالانہ امتحان میں مولانا سید احمد دہلویؒ مدرس اوّل دارالعلوم دیوبند نے حضرت سندھیؒ کے جوابات کی بڑی تعریف کی اور یہ فرمایا:

''اگر اس کو کتابیں ملیں تو یہ شاہ عبدالعزیز ثانی ہوگا۔''

مبشراتِ مبارکہ

اسی دوران حضرت سندھیؒ نے بہت اچھے خواب دیکھے۔ چناں چہ آپؒ نے خواب میں امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ کی زیارت کی اور پھر کچھ عرصے بعد خواب میں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہوا۔

تصنیف و تالیف کا آغاز

رمضان ۱۳۰۷ھ/ اپریل 1890ء میں ''اصولِ فقہ'' پر آپؒ نے ایک رسالہ لکھا، اس کا نام ''مَراصِدُ الوُصولِ إلٰی مَقاصِدِ الاُصول'' رکھا۔ اپنے استاذ حضرت شیخ الہند مولانا محمودحسنؒ کے سامنے یہ رسالہ پیش کیا تو آپؒ نے اسے بڑا پسند فرمایا۔ اس رسالے میں ''متشابھات'' کے بارے میں یہ مؤقف اختیار کیا کہ ''راسخین فی العلم''(علم میں رسوخ رکھنے والے حضرات) اپنے وہبی علم کے ذریعے ان کی تأویل اور تفہیم جانتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت

شوال ۱۳۰۷ھ/مئی 1890ء میں دارالعلوم دیوبند میں کتاب ''تفسیر بیضاوی'' پڑھی اور ۱۳۰۸ھ/1890ء میں دورۂ حدیث کی تمام کتابوں میں شریک ہوئے۔ ''جامع ترمذی'' حضرت شیخ الہند مولانا محمودحسنؒ سے پڑھی۔ اسی دوران حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تمام کتابیں ازخود مطالعہ کیں اور حضرت شیخ الہندؒ سے انھیں خوب اچھی طرح سمجھا۔

گنگوہ میں حضرت مولانا رشیداحمد گنگوہیؒ کی خدمت میں

۱۳۰۸ھ/1890ء میں ہی حضرت مولانا رشیداحمد گنگوہیؒ سے ''گنگوہ'' جاکر ''سُنن ابو داوٗد'' پڑھی۔ مولانا سندھیؒ خود تحریر فرماتے ہیں:

> ''میں نے حضرت شیخ الاسلام (گنگوہیؒ) سے ''سنن ابو داؤد'' کا ایک بڑا حصہ انتہائی فقہی تحقیق کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس طرح تحقیقی نقطۂ نگاہ سے ان سے پڑھنے سے مجھے بڑا نفع ہوا۔ میں نے آپؒ سے بہت زیادہ نفع اٹھایا اور یہ انھی کی صحبت کا میرے دل پر اثر ہے کہ اِس نے مجھے ہرطرح کے مشکل حالات میں اپنے نظریات تبدیل کرنے سے روکے رکھا۔ یہ انھی کی صحبت کا اثر ہے کہ ولی اللّٰہی طریقہ روشن ہوکر میرے سامنے آ گیا۔ اس طرح میں نے فقہ کے اہم مقامات، سلوک وطریقت کے بنیادی قاعدے، عربی زبان اور کتاب و سنت کی اصولی اور معقولی مباحث کو صحیح طور پر سمجھ لیا۔ میں نے اپنی ان آنکھوں

سے مشاہدہ کیا ہے کہ آپؒ بلاشبہ مذہبِ امام ابوحنیفہؒ کے مجتہد اور ماہر امام تھے۔ بلاشبہ ہمارے شیخ (گنگوہیؒ) اپنے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی مجددی دہلویؒ کے طریقے پر استقامت کا پہاڑ تھے۔ آپؒ ولی اللّٰہی تھے اور صدرالحمید حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔'' (2)

دہلی میں علاج اور سندھ واپسی

ربیع الثانی ۱۳۰۸ھ/ نومبر 1890ء میں بیمار ہوگئے اور علاج کے لیے دہلی تشریف لے گئے۔ حضرت شیخ الہندؒ کی سفارش سے حکیم محمود خان سے علاج کروایا، جس سے بہت افاقہ ہوا۔ اسی دوران حکیم صاحب کے کتب خانے میں موجود بہت سی کتابیں مطالعہ کیں۔ صحت مند ہونے کے بعد حضرت شیخ الہند کی اجازت سے دہلی سے سیدھا سندھ تشریف لے آئے۔ رجب ۱۳۰۸ھ/ فروری 1891ء میں حضرت شیخ الہندؒ نے درس و تدریس کا اجازت نامہ تحریر فرما کر روانہ کردیا۔

آپؒ کے شیخ طریقت کا انتقال اور تدریس کا آغاز

۲۰/ جمادی الثانیہ ۱۳۰۸ھ/ فروری 1891ء کو دہلی سے سیدھا سندھ میں ''بھرچونڈی شریف'' پہنچے۔ آپؒ کے پیرومرشد حضرت سید العارفین حافظ محمد صدیقؒ آپ کے آنے سے 10 دن پہلے وفات پا چکے تھے۔ رمضان ۱۳۰۸ھ/ اپریل 1891ء تک آپؒ نے بھرچونڈی شریف میں قیام کیا اور اس دوران مولوی کمال الدین نے آپؒ سے ''سُنن ابوداؤد'' پڑھی۔

اِمروٹ شریف میں شادی اور تعلیم و تدریس

شوال ۱۳۰۸ھ/ مئی 1891ء سے سید العارفین حافظ محمد صدیقؒ کے دوسرے خلیفہ مولانا ابوالحسن تاج محمود امروٹیؒ کے پاس ''اِمروٹ''، ضلع سکھر (سندھ) تشریف لے گئے۔ انھوں نے آپؒ کی شادی کرائی۔ ۱۳۱۵ھ/ 1897ء تک سات سال امروٹ شریف میں کتبِ حدیث، تفسیر اور اس کے تمام متعلقات کی درس و تدریس اور مطالعۂ کتب میں مصروف رہے۔ اور اس دوران سندھ سے تعلق رکھنے والے اہل علم کی بہت بڑی جماعت

نے آپؒ سے تعلیم حاصل کی۔

ان سات سالوں میں مولانا سندھیؒ نے تفسیر قرآن کے حوالے سے امام ولی اللہ دہلویؒ کی کتابیں "فتح الرّحمٰن بترجمة القُرآن"، "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" بڑی توجہ سے پڑھائیں۔ آیاتِ قرآنیہ کا ربط اور پھر سورتوں کے ابواب اور فصول مقرر کرنے کا کام کیا۔ علم حدیث اور فقہ کی تفہیم کے لیے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتابیں "حجّة اللّٰه البالغه"، "المسوّٰی فی احادیث المؤطّا"، علم تاریخ و سیاست کی تفہیم کے لیے "إزالةُ الخِفاء عن خِلافة الخُلَفاء" پڑھائیں۔ اسی طرح شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی کتابوں کے منتخب مقالات بڑی پابندی سے طلبا کو پڑھائے۔ اس طرح آپؒ کو ان سات سالوں میں ولی اللّٰہی طریقے پر تعلیم و تدریس میں بڑا ملکہ پیدا ہوگیا۔ (3)

اس دور کی تصنیفات و تالیفات

اِمروٹ میں اپنے قیام کے دوران آپؒ نے درجِ ذیل کتابیں تصنیف فرمائیں:

(۱) **تعلیق علٰی معانی الآثار للإمام الطحاوی**
(علم حدیث پر امام طحاویؒ کی کتاب "معانی الآثار" پر تعلیق و حواشی)

(۲) **تعلیق علٰی فتح القدیر لمحقق ابن الهمّام**
(علم فقہ پر محقق ابن ہمامؒ کی کتاب "فتح القدیر" پر تعلیق و حواشی)

(۳) **فتح السّلام فی شرح بلوغ المرام**
("فتح السلام" کے نام سے "بلوغ المرام" کی شرح)

(۴) **شرح سفر السعادة للفیروز آبادی**
(علامہ فیروز آبادیؒ کی کتاب "سفر السعادة" کی شرح)

(۵) **تخریج مافی الباب للامام الترمذی** (علم حدیث کی مشہور کتاب "جامع ترمذی"
میں "ما فی الباب" کے عنوان سے بیان کردہ تمام احادیث کی تخریج)

(۶) **تخریج احادیث غنیۃ الطالبین للشیخ عبد القادر جیلانی** (حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی کتاب "**غنیۃ الطالبین**" میں بیان کردہ احادیث کی تخریج)

(۷) **ازالۃ الشبہ عن فرضیۃ الجمعۃ** (یہ رسالہ جمعہ کی فرضیت کے سلسلے میں چند شبہات کے ازالے کے لیے لکھا۔ یہ ایک مستقل تصنیف ہے۔)

(۸) **تہذیب رفع الیدین للإمام البخاری**
(امام بخاریؒ کے رسالے "**رفع الیدین**" کی تہذیب و ترتیبِ جدید)

(۹) **تنسیق احادیث بدء الوحی من الجامع الصحیح** (امام بخاریؒ کی کتاب "**الجامع الصحیح**" کے "**باب بدء الوحی**" کی احادیث میں ربط و تعلق پر ایک رسالہ)

(۱۰) حضرت مولانا تاج محمود امروٹیؒ نے سندھی زبان میں قرآن حکیم کا ترجمہ کیا۔ اس میں آپؒ نے معاون کے طور پر کام کیا۔

"مطبع محمودیہ" کا قیام

اِمروٹ شریف میں قیام کے دوران نشر و اشاعت کا ایک ادارہ "**مطبع محمودیہ**" قائم کیا۔ اپنے اس مطبع سے سندھی زبان میں ایک ماہنامہ "**ھدایت الإخوان**" کے نام سے شروع کیا۔ اسی مطبع کی جانب سے امام طحاویؒ کی کتاب "**العقیدۃ للإمام الطحاوی**" شائع کی۔

حضرت دین پوریؒ اور حضرت اِمروٹیؒ سے اجازت و خلافت

امروٹ شریف میں اس قیام کے دوران طریقۂ راشدیہ مجددیہ میں آپؒ نے سلوک و احسان کی منازل بھی طے کیں۔ اس کی تکمیل پر حضرت مولانا تاج محمود امروٹیؒ اور حضرت مولانا ابوالسراج غلام محمد دین پوریؒ نے آپؒ کو اجازت و خلافت عنایت فرمائی اور متعلقین کو طریقت کی تلقین کا حکم فرمایا۔ اسی طرح بعد میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے اپنے سلسلۂ چشتیہ، بلکہ تمام سلاسل کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔

حضرت شیخ الہندؒ کے حکم سے ''دارالرشاد'' کا قیام

رمضان ۱۳۱۵ھ/ نومبر 1897ء کو آپؒ دیوبند تشریف لائے اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی صحبت اُٹھائی اور حضرت کی خدمت میں اپنی تصانیف پیش کیں۔ حضرت شیخ الہندؒ نے انھیں بہت پسند فرمایا۔ اسی موقع پر حضرت شیخ الہندؒ نے سیاسی کام کرنے کا حکم دیا اور اُس کے لیے دارالعلوم دیوبند کے طرز پر سندھ میں ایک مدرسہ ''دارالرشاد'' قائم کرنے کا حکم فرمایا۔

شوال ۱۳۱۹ھ/ 1901ء کو آپؒ نے حیدر آباد سندھ کے قریب ''گوٹھ پیر جھنڈا'' میں ایک دینی مرکز ''دار الرشاد'' کے نام سے قائم کیا۔ اس مرکز میں بیٹھ کر آپؒ نے سات سال تک علمی اور سیاسی کام سرانجام دیے اور انقلابی نظریے پر علما تیار کیے۔ اس دینی مرکز میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور مولانا شیخ حسین بن محسن انصاری یمانیؒ بھی تشریف لائے۔ تعلیم و تربیت کے حوالے سے پورے نظامِ تعلیم کا جائزہ لیا اور اطمینان کا اظہار کیا۔ دارالرشاد میں قیام کے دوران آپؒ نے خواب میں امام مالکؒ کی زیارت کی نیز خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔

دارالعلوم دیوبند میں آمد اور ''جمعیت الانصار'' کا قیام

رمضان ۱۳۲۷ھ/ 1909ء میں حضرت شیخ الہندؒ کے حکم سے آپؒ سندھ سے مستقل طور پر دیوبند تشریف لے آئے۔ ۲۷/رمضان ۱۳۲۷ھ/ 12/اکتوبر 1909ء کو آپؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کی زیرسرپرستی ''جمعية الأنصار'' قائم کی۔ آپؒ اس کے ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے۔ اس کے تحت آپؒ نے دارالعلوم دیوبند کے گزشتہ چالیس سال کے فاضلین کی تعلیم و تربیت کا نظام قائم کیا۔ نیز عوام میں تحریکِ حریت پیدا کرنے کے لیے اجلاس ہائے عام اور اجتماعات منعقد کیے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے حکم کے مطابق چار سال تک اس میں آپؒ نے بڑی محنت اور جدوجہد سے کام کیا۔

دیوبند سے دہلی اور ''نظارۃ المعارف القرآنیۃ'' کا قیام

1912ء میں جب حکومت برطانیہ نے اپنا دار الحکومت کلکتہ سے دہلی منتقل کرلیا اور

دہلی ہندوستان کی سیاسیات کا نیا مرکز بن گیا تو حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت سندھیؒ کو دیوبند سے دہلی بھیج دیا۔ (4) چناں چہ ۱۳۳۱ھ/ 1913ء کو آپؒ نے مسجد فتح پوری چاندنی چوک دہلی میں ''نظارۃ المعارف القرآنیہ'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا، جس کی سرپرستی حضرت شیخ الہندؒ، حکیم اجمل خان اور نواب وقار الملک نے کی۔ اس ادارے میں حضرت سندھیؒ نے قرآن حکیم کی تفسیر ''الفوز الکبیر'' کے اصولوں کی روشنی میں فن اعتبار کے تناظر میں پڑھانا شروع کی۔ اور حجۃ اللہ البالغہ کا درس سیاسیاتِ حاضرہ کو سامنے رکھ کر دینا شروع کیا۔ دہلی کے اس قیام میں حضرت شیخ الہندؒ نے آپؒ کا تعارف ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ اور مولانا محمد علی جوہرؒ سے کرایا۔

دہلی سے کابل اور ''جنود اللہ الربانیہ'' کا قیام

جمادیٰ الثانیہ ۱۳۳۳ھ/ 1915ء میں آپؒ حضرت شیخ الہندؒ کے حکم سے کابل افغانستان جانے کے لیے روانہ ہوئے۔ اور انگریز جاسوسوں سے بچنے کے لیے چار مہینے تک سندھ میں سفر کی خفیہ تیاری کرتے رہے۔ ۲ر شوال ۱۳۳۳ھ/ 15 اگست 1915ء کو سندھ سے قندھار کے لیے روانہ ہوئے۔ کوئٹہ بلوچستان ہوتے ہوئے ذی الحج ۱۳۳۳ھ/ اکتوبر 1915ء کے پہلے عشرے میں کابل پہنچے۔ آپؒ سات سال تک کابل میں قیام پذیر رہے۔ اس دوران آپؒ نے ''جنود اللہ الربانیہ'' کے نام سے ایک جماعت قائم کی۔ یہ جماعت ہندوستان اور افغانستان کی آزادی کے لیے جدوجہد اور کوشش کرتی رہی۔ نیز اس جماعت نے جنگِ عظیم اول کے اختتام کے بعد افغانستان کی حکومت کے اہلکاروں کی تربیت کے لیے بھی کام کیا۔ اس کا کام یہ تھا کہ جمہوری اصولوں پر خلافتِ اسلامیہ چلانے کی اہلیت اُن میں پیدا کی جائے۔ اور تمام مسلمان جماعتوں کو اقتصادیات، سیاسیات اور علوم و افکار کی تعلیم و تربیت دینا بھی اس کے مقاصد میں شامل تھا۔

کابل میں عبوری حکومتِ ہند کا قیام

۱۳۳۴ھ/ 1916ء میں آپؒ نے ہندوستان کے لیے کابل میں ''عبوری حکومت ہند'' قائم کی۔ آپؒ اس حکومت کے وزیر خارجہ کے طور پر کام کرتے رہے۔ 1922ء میں

آپؒ نے ''کانگریس کمیٹی کابل'' بنائی اور اس کے صدر مقرر ہوئے۔ اس کمیٹی کا الحاق نیشنل کانگریس آف انڈیا نے اپنے اجلاس منعقدہ ''گیا'' میں منظور کیا۔

کابل سے روس

۱۳۴۰ھ/ 1922ء میں کابل سے خفیہ طور پر ترکی جانے کے لیے براستہ روس روانہ ہوئے۔ اس دوران ماسکو میں سات ماہ قیام فرمایا۔ چوں کہ نیشنل کانگریس آف انڈیا سے تعلق سرکاری طور پر ثابت ہو چکا تھا، اس لیے سوویت روس نے اپنا مہمان بنایا اور روسی انقلاب کے مطالعے کے لیے ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائیں۔ مولانا سندھیؒ لکھتے ہیں:

''میرے اس مطالعے کا نتیجہ ہے کہ میں اپنی دینی تحریک کو، جو امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے کی ایک شاخ ہے، اُس زمانے کے لادینی حملے سے محفوظ کرنے کے لیے تدابیر سوچنے میں کامیاب ہوا۔'' (5)

ترکی میں قیام اور ''آزاد برصغیر کا دستوری خاکہ'' کی تیاری

۱۳۴۱ھ/ 1923ء میں آپؒ انقرہ، ترکی پہنچے۔ یہاں چار ماہ قیام فرمایا۔ ترکی میں قیام کے دوران عصمت پاشا، رؤف بِک وغیرہ انقلابی رہنماؤں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ نیز مصر کے مشائخ میں سے شیخ عبدالعزیز جاویش سے بھی ملاقاتیں رہیں۔ اس کے بعد ترکی کے دارالحکومت استنبول تشریف لے گئے اور تین سال وہاں قیام فرمایا۔ اس دوران یورپ کی تاریخ کا بڑی گہری نظر سے مطالعہ فرمایا۔ خاص طور پر خلافتِ عثمانیہ، اس کے ادارے، قومی جمہوری تحریکات، برطانوی ترقیات اور فرانسیسی انقلاب کا مطالعہ کیا۔

15/ستمبر 1924ء کو آپؒ نے استنبول سے ہی ہندوستان کے مستقبل کے سیاسی اور معاشی اُمور حل کرنے کے لیے ''آزاد برصغیر کا دستوری خاکہ'' کے عنوان سے ایک سیاسی منشور جاری فرمایا۔ جس میں عوامی جمہوری نقطۂ نظر سے ہندوستان میں غیر سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت و حکومت قائم کرنے کے خدوخال کی نشان دہی کی۔

ترکی سے مکہ مکرمہ کا سفر

۱۳۴۴ھ/ جون 1926ء میں مکہ مکرمہ میں موسم حج کے موقع پر ''المؤتمر الاسلامی'' کا

اجلاس منعقد کیا جا رہا تھا۔ آپؒ ترکی میں تین سال قیام کے بعد مکہ مکرمہ میں منعقد ہونے والے اس عالمی اجتماع میں شرکت کے لیے آنا چاہتے تھے۔ چوں کہ براہِ راست آنے میں خطرات تھے، اس لیے آپؒ استنبول سے اٹلی اور پھر سوئٹزرلینڈ تشریف لے گئے۔ یہاں پر کچھ عرصہ قیام کرکے جدید اٹلی اور یورپ کی سیاسیات کا مطالعہ کیا۔ پھر افریقا کے ساحل پر اٹلی کے نوآبادیاتی شہر "مصوّع" آئے۔

مکہ مکرمہ آمد اور حرم میں درس و تدریس

صفر ۱۳۴۵ھ/ اگست 1926ء میں "مصوّع" سے روانہ ہوکر مكة المكرّمہ تشریف لائے۔ مكة المكرّمہ میں قیام کے دوران آپؒ نے مسجد حرام میں درس و تدریس کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا۔ حرمِ مکی کے علما نے آپؒ سے **"مؤطّا إمام مالک"**، **"مؤطّا إمام محمّد"**، **"الرّسالة للإمام الشّافعی"**، **"مسوّیٰ من أحاديث المؤطّا"**، **"الفوز الكبير للإمام شاه ولی اللّٰه دهلویؒ"**، **"اصول الفقه للإمام محمّد إسماعيل شهيدؒ"**، **"شرح النُّخبة لابن حجر"**، **"مقدمه صحيح مسلم"**، **"كتاب العلل"** اور **"جامع ترمذی"** وغیرہ کتابیں پڑھیں۔

اسی طرح امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتابیں: **"فتح الرّحمٰن"**، **"فيوض الحرمين"**، **"إزالة الخفاء"** اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی کتابیں: **"صراطِ مستقیم"**، **"منصبِ امامت"**، **"عبقات"**، **"تقوية الإيمان"** اور حضرت نانوتویؒ کی کتابیں بھی علما اور طلبا کو آپؒ نے پڑھائیں۔ آپؒ خود لکھتے ہیں:

> "میں تقریباً تیرہ چودہ سال سے **"قرآن عظیم"** اور **"حجة اللّٰه البالغه"** کا بنظرِ عمیق مطالعہ کرتا رہا۔ تفسیرِ قرآن میں جس قدر مقامات میرے لیے مشکل تھے، حرم کے قیام کے زمانے میں مَیں نے انھیں امام ولی اللہ دہلویؒ کے اصول پر بالاطمینان حل کرلیا۔......
>
> مجھے اپنے اصول پر قرآن عظیم میں اس (موجودہ) زمانے میں قابلِ عمل تعلیم کا ایک اعلیٰ نصاب نظر آیا۔ اس میں اس تجلی ریزِ مقدس مقام کی تاثیر

ضرور ماننا پڑتی ہے۔ میں نے امام ولی اللہ دہلویؒ کی مشہور کتابوں کا خاص طور پر مطالعہ جاری رکھا۔ مثلاً "**بدورِ بازغہ**"، "**خیر کثیر**"، "**تفهیماتِ الٰهیہ**"، "**سطعات**"، "**لمحات**"، "**الطاف القدس**" وغیرہ۔ ان کتابوں کے لیے بطورِ مفتاح (کنجی) میں نے مولانا شاہ رفیع الدین دہلویؒ کی "**تکمیل الأذهان**" اور مولانا اسماعیل شہیدؒ کی "**عبقات**" اور مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) کی "**قاسم العلوم**" (مکتوبات)، "**تقریر دلپذیر**" اور "**آبِ حیات**" سے استفادہ کیا۔ مجھے ان کتابوں کے پڑھانے کا بھی موقع ملتا رہا اور ساتھ ہی قرآن عظیم کی درس و تدریس کا کام بھی جاری رہا۔ اس سے میرے نظریات بہت وسیع ہوگئے۔ لِلّٰہِ الْحَمْد" (اللہ ہی کے لیے حمد و ثنا ہے) (6)

"التّمهید لتعریف ائمّة التّجدید" کی تصنیف

حرم شریف میں قیام کے دوران مکہ مکرمہ میں آپؒ نے ولی اللّٰہی سلسلے کے علما کے تجدیدی کام، ان کے تاریخی تسلسل اور سلسلہ ہائے اسناد کے تعارف کے لیے عربی زبان میں ایک بڑی اہم کتاب لکھی۔ اس کتاب کا نام "**التّمهید لتعریف ائمّة التّجدید**" ہے۔ بڑے سائز کے تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب چار پُر مغز مقالوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی تصنیف و تالیف کا کام آپ نے ۸/ رجب ۱۳۴۹ھ/ 29 نومبر 1930ء کو مکمل کیا۔

"الهام الرّحمٰن فی تفسیر القرآن" کا املا

حرم شریف میں قیام کے دوران آپؒ نے روس کے مشہور عالم دین علامہ موسیٰ جار اللہؒ کو قرآن حکیم کی مکمل تفسیر پڑھائی۔ انھوں نے اسے بڑے اہتمام کے ساتھ قلم بند کیا۔ ۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۶ھ/ 26 جولائی 1937ء بروز پیر سے شروع کر کے ۱۳/ ذی قعد ۱۳۵۶ھ/ 13 جنوری 1938ء تک روزانہ صبح طلوعِ آفتاب سے لے کر ظہر یا عصر تک آپؒ نے یہ تفسیر لکھوائی۔ اس طرح تقریباً چھ ماہ میں مکمل تفسیر قرآن کا املا پورا ہوا۔ یہ تفسیر ابھی تک قلمی مخطوطے کی شکل میں تین جلدوں میں محفوظ ہے۔ اس کی ابتدائی چند سورتیں مولانا

غلام مصطفیٰ قاسمیؒ نے ''**الھام الرّحمٰن فی تفسیر القرآن**'' کے نام سے شائع کی ہیں۔ علامہ موسیٰ جار اللہؒ نے حضرت سندھیؒ سے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی اکثر کتابیں بھی اس دوران پڑھیں۔

واپس ہندوستان آمد

1936ء میں ہندوستان کی سیاسی جماعتوں خاص طور پر انڈین نیشنل کانگریس، جمعیت علمائے ہند اور ہندوستان کی سربرآوردہ شخصیات، مثلاً مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا غلام رسول مہرؒ وغیرہ نے حضرت سندھیؒ کی ہندوستان واپسی کے لیے کوششیں شروع کیں۔ انھی حضرات کی کوششوں کا نتیجہ ہوا کہ مولانا سندھیؒ کو یکم نومبر 1938ء کو ہندوستان واپسی کی اجازت کی اطلاع ملی۔ یکم جنوری 1939ء کو ہندوستان آمد کے لیے آپؒ کو پاسپورٹ دیا گیا۔ حج کا موسم قریب آگیا تھا، اس لیے حج ادا کر کے آپؒ ہندوستان واپس تشریف لائے۔

اہم ''خطبات و مقالات'' کی تصنیف و تالیف

۱۴؍ محرم ۱۳۵۸ھ/ 7 مارچ 1939ء کو آپؒ کراچی کی بندرگاہ پر اُترے۔ حکومت سندھ کے وزیرِ اعظم اللہ بخش سومرو نے عمائدین شہر اور اپنے وزرا کے ساتھ آپؒ کا شان دار استقبال کیا۔ ہندوستان میں کراچی ساحل پر اُترتے ہی آپؒ نے دین کی اساس پر انقلابی فکر و عمل کی اہمیت کے حوالے سے ایک معرکۃ الآرا خطاب ارشاد فرمایا، جو آپؒ کے خطبات و مقالات کے مجموعے میں طبع شدہ ہے۔

۱۶؍ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ/ 3 جون 1939ء کو اپنی واپسی کے بعد ''جمعیت علمائے صوبہ بنگال'' کے اجتماع منعقدہ کلکتہ میں آپؒ کو صدرِ اجلاس منتخب کیا گیا۔ اس اجلاس میں آپؒ نے ہندوستان آمد کے بعد اپنا پہلا خطبۂ صدارت پڑھا۔ آپؒ کی واپسی کے بعد پورے ملک میں آپؒ کا زبردست استقبال ہوا۔ جمعیت علمائے ہند، مجلس احرارِ اسلام وغیرہ اور تمام سیاسی و غیر سیاسی جماعتوں نے آپؒ کے اعزاز میں تہنیتی اجتماعات منعقد کیے، جن میں آپؒ کی خدمات کو شان دار خراجِ تحسین پیش کیا گیا۔

25/اکتوبر 1941ء کو آپؒ نے ایک اہم مقالہ ''شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی سیاسی تحریک'' کے عنوان سے خود اپنے قلم سے تحریر فرمایا۔ آپؒ نے اِسے اپنے عزیز ترین شاگرد اور اَورنٹیل کالج لاہور کے پروفیسر مولانا نورالحق علوی کو پڑھایا اور اس کے مشکل مقامات سمجھائے۔ اس کے نتیجے میں مولانا نورالحق علویؒ نے اس مقالے پر حواشی لکھے۔ یہ مقالہ 11/نومبر 1941ء کو سندھ ساگر اکیڈمی لاہور سے طبع ہوا۔ پھر پروفیسر محمد سرور مرحوم نے کالج کے نوجوانوں کے لیے مولانا علویؒ کے عربی اور فارسی میں لکھے ہوئے حواشی کا اُردو ترجمہ کیا اور اصل مقالے کے ساتھ ملا کر ''شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک'' کے عنوان سے دوسری مرتبہ جنوری 1944ء میں لاہور سے شائع کیا۔

ذوالقعدہ ۱۳۵۹ھ/ دسمبر 1940ء میں ماہنامہ ''الفرقان'' کے شاہ ولی اللہ نمبر کے لیے مولانا سندھیؒ نے ''امام ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت کا اجمالی تعارف'' کے عنوان سے ایک پُرمغز مقالہ تحریر اور املا کروایا۔ اس مقالے کو بھی مولانا نورالحق علوی، پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور نے قلم بند کیا اور اس کے حواشی و حوالہ جات عربی اور فارسی کی کتب سے لکھے۔ پروفیسر محمد سرور مرحوم نے ''الفرقان'' میں طبع شدہ اس مقالے کو عربی اور فارسی حواشی کا اردو ترجمہ کر کے ''شاہ ولی اللہؒ اور ان کا فلسفہ'' کے عنوان سے مئی 1944ء میں لاہور سے شائع کیا۔ یہ مقالہ پڑھ کر مولانا سید سلیمان ندویؒ نے مدیر ''الفرقان'' کو لکھا تھا:

''مولانا سندھیؒ کے مضمون کو میں نے بغور پڑھا اور اس یقین کے ساتھ ختم کیا کہ بے شک مولانا کی نظر حضرت شاہ ولی اللہ (دہلویؒ) کے فلسفے اور نظریات پر نہایت وسیع اور عمیق ہے۔''(7)

اسی طرح مدیر ''الفرقان'' مولانا محمد منظور نعمانی نے یہ مقالہ پڑھ کر لکھا تھا:

''چند مقامات میں تعبیر کی غرابت اور نکارت اور ایک آدھ جگہ مولانا کی منفرد رائے سے قطع نظر یہ مقالہ شاہ صاحب کی حکمت کا اجمالی تعارف ہی نہیں، بلکہ فی الحقیقت آپؒ کے علمی کام (تجدید فی العلوم الشرعیہ) سے واقفیت اور علیٰ وجہ البصیرت (بصیرت افروز) واقفیت کے لیے اس میں کافی سامان

ہے۔ ولی اللّٰہی علوم و معارف کے لیے بجا طور پر اس مقالہ کو بنیادی لٹریچر قرار دیا جاسکتا ہے۔ نیز اس کے مطالعہ کے بعد ہی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ''ولی اللّٰہی حکمت'' پر مولانا سندھیؒ کی نظر کس قدر گہری ہے۔ اور شاہ صاحبؒ کے علوم و افکار کا انھوں نے کس قدر عمیق مطالعہ فرمایا ہے۔'' (8)

اس دوران آپؒ نے بہت سے مقالات اور خطبہ ہائے صدارت لکھے۔ آخری تحریر اپنے انتقال سے بیس روز پہلے ''محمد قاسم ولی اللہ تھیالوجیکل سکول''، شہداد کوٹ ضلع لاڑکانہ کے لیے 2اگست 1944ء کو ''خطبۂ افتتاح'' کے عنوان سے لکھی، یہ مولانا سندھیؒ کی آخری تحریر تھی۔ مولانا سندھیؒ کے چند ''خطبات ومقالات'' سب سے پہلے پروفیسر محمد سرور مرحوم نے مرتب کر کے شائع کیے تھے۔ پھر راقم الحروف نے تمام دستیاب مقالات و خطبات جمع کیے، جو ''خطبات و مقالات مولانا عبیداللہ سندھیؒ'' کے عنوان سے ستمبر 2002ء میں ضخیم کتاب کی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔

قرآنی سورتوں کی انقلابی شعور پر مبنی تشریح و تفسیر

رجب ۱۳۵۳ھ/ جولائی 1944ء میں بیماری کے باوجود حضرت سندھیؒ کراچی سے حیدرآباد، میر پور خاص اور نواب شاہ ہوتے ہوئے گوٹھ پیر جھنڈا میں تشریف لائے۔ اور مدرسہ دار الرشاد میں قیام فرما ہوئے۔ اس موقع پر مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ، مولانا سندھیؒ کی بیان کردہ سورتِ مزمل اور سورتِ مدثر کی تفسیر ''قرآنی دستورِ انقلاب'' کے عنوان سے مرتب کر کے حضرت سندھیؒ کو دکھانے اور اس کی تصحیح کرانے کے لیے لائے۔ مولانا دین محمد وفائی لکھتے ہیں:

''دار الرشاد (گوٹھ پیر جھنڈا) میں حضرت امام سندھیؒ کے ایک شاگرد مولوی بشیر احمد صاحب بی۔اے لدھیانویؒ قیام پذیر تھے۔ حضرت امام سندھیؒ نے ان سے سورۃ مزمل اور سورۃ مدثر کی تفسیر سُنی۔ جو کہ وہ کتابی صورت میں کتاب ''(قرآنی دستور) الانقلاب'' کے نام سے مرتب کر کے لائے تھے۔ مولوی بشیر احمد (لدھیانوی) نے حضرت امام سندھیؒ کی خدمت میں (یہ کتاب)

پیش کی اور اس کی تصحیح کروائی......۔

دوسرے روز صبح کے وقت حضرت امام سندھیؒ نے قرآن شریف کا درس دیا۔ وہ آیات زیر درس آئیں، جن میں مکہ شریف کو قرآنی انقلاب کا مرکز بنانے کا ذکر تھا۔ قرآن شریف پر یہ آپؒ کی آخری تقریر تھی اور اتنی دلچسپ، فکر انگیز، عالمانہ اور بلند پایہ تقریر تھی کہ اس کا بیان نہیں ہوسکتا۔ وہ صرف ذوقِ سماعت سے تعلق رکھتی تھی۔ افسوس! کہ ہم اسے یاد نہیں رکھ سکے، لیکن میں نے دیکھا تھا کہ مولوی بشیر احمد لدھیانویؒ اس کو قلمبند کر رہے تھے۔'' (9)

۲۸ر شعبان ۱۳۶۳ھ (18 اگست 1944ء) کو آپؒ کے نواسے مولانا ظہیر الحق دین پوریؒ آپ کو دین پور لے جانے کے لیے دار الرشاد پیر جھنڈا پہنچے۔ مولانا ظہیر الحق دین پوریؒ کا بیان ہے کہ مولانا سندھیؒ آخری دم تک مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ کو قرآنی تفسیر قلم بند کراتے رہے۔ چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

''(۲۸ر شعبان) دین پور شریف سے چند عزیزوں کے ساتھ ہم وہاں (دار الرشاد پیر جھنڈا) پہنچے، ہم نے دیکھا کہ آپؒ تکیوں کے درمیان (کمزوری کی وجہ سے) ایک گڑیا کی طرح دھنسے ہوئے (بیٹھے) تھے۔ حضرت (سندھیؒ) بولے جا رہے تھے اور ان کے سامنے جناب مولانا بشیر احمد بی۔ اے لدھیانویؒ، جو کہ آپؒ کے پرائیویٹ سیکرٹری تھے، قلم برداشتہ لکھتے جا رہے تھے۔ (10)

آخری وقت تک حضرت سندھیؒ کا حضرت شیخ الہندؒ سے عشق

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ واپس ہندوستان تشریف لائے اور حضرت شیخ الہندؒ کے مشن پر ولی اللّٰہی علوم و افکار کے فروغ کے لیے کام کرنا شروع کیا۔ حضرتؒ کے مقالات اور تحریرات چھپنے شروع ہوئے تو یہاں کے بعض حلقوں نے حضرت سندھیؒ کے علوم و افکار پر تنقید شروع کی۔ اس موقع پر حضرت سندھیؒ نے اپنے ایک خطبے میں ارشاد فرمایا:

''ہمارے خیالات کو کوئی صحیح یا غلط سمجھے، ہم آخر تک ملک کی ترقی اور آزادی کے لیے اپنے استاذ مولانا محمود حسن دیوبندی شیخ الہندؒ کے طریقے پر کام

کرتے ہوئے مریں گے۔ اللہ ہمیں توفیق بخشے۔ بس اس طرح جینا عبادت ہے۔ اور اس دُھن میں مرنا شہادت ہے۔'' (11)

انتقال سے قبل ''دارالرشاد'' سے دین پور آمد

۲۹؍شعبان ۱۳۶۳ھ/ 19؍ اگست 1944ء کو مولانا ظہیرالحق دین پوری کے ہمراہ آپؒ دارالرشاد پیر گوٹھ جھنڈا سندھ سے اپنے پیر و مرشد کے خلیفہ اول حضرت مولانا ابوالسراج غلام محمد دین پوریؒ کی خانقاہ، دین پور ضلع خان پور، پنجاب تشریف لائے۔

وصالِ مبارک اور تدفین

۲؍رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ/ 21 اگست 1944ء بروز منگل، بوقت ظہر، روزے اور سجدے کی حالت میں اسی خانقاہ میں آپؒ کی روح عالمِ بالا کی طرف پرواز کرگئی۔ اس طرح ہجری حوالے سے تقریباً بیاسی سال کی متحرک اور انقلابی زندگی بسر کرکے واصل بحق ہوئے۔

اسی روز آپؒ کو خانقاہِ راشدیہ قادریہ دین پور کے بانی حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کے قریب دین پور کے قبرستان میں سپُردِ خاک کر دیا گیا ع

آسمان آپ کی لحد پر شبنم افشانی کرے

وصال سے قبل حضرت قاری محمد طیب قاسمیؒ کا حضرت سندھیؒ کے نام مکتوب

حضرت سندھیؒ کے وصال سے تقریباً ایک ماہ قبل 19؍ جولائی 1944ء کو حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے نام ایک خط تحریر فرمایا، جس میں اُن سے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے حالاتِ زندگی اور علوم و افکار سے متعلق واقعات قلم بند کرانے کی درخواست کی۔ حضرت قاری محمد طیب قاسمیؒ نے حضرت سندھیؒ کی ذات کو ''توثیق کی کافی دلیل'' قرار دیتے ہوئے درجِ ذیل خط تحریر فرمایا:

''حضرت المخدوم المعظّم مد فیوضکم

بعد سلام عرض ہے کہ میں عریضہ لکھنے ہی والا تھا کہ آں محترم کی طرف سے چند مطبوعہ فارم ''محمد قاسم ولی اللہ سوسائٹی (لاہور)'' کے پہنچے۔ یاد فرمائی اور شفقت کا شکر گزار ہوں۔ جس اہم ضرورت کی وجہ سے عریضہ لکھنے والا تھا، وہ یہ کہ دارالعلوم (دیو بند) اور علمائے جماعت پر ایک عظیم قرض ہے، جس کے ادا کرنے سے وہ یقیناً قاصر رہی ہے اور اس کا الزام پوری جماعت پر ہے۔ یعنی حضرت (مولانا محمد قاسم) نانوتویؒ کی سوانح حیات۔...

اس سلسلے میں عرض ہے کہ آں محترم بہت سے واقعات اور اصول وکلیات میں حضرت (نانوتویؒ) کے بالواسطہ امین ہیں۔ بالخصوص اُن کی سیاسی اور جہادی زندگی کے ترتیب و واقعات جس قدر جناب کے پاس ہوں گے، دوسرے سے یہ توقع نہیں باندھی جاسکتی۔ اس لیے جس قدر بھی حقائق اور وقائع خزانۂ قلب و دماغ میں محفوظ ہوں، انھیں مدوّن کرا دیں۔ آخر جناب نے ''الفرقان'' میں ''ولی اللہ نمبر'' کے لیے ایک جامع مضمون بھیجا تو اس کام میں آپ تقاعد (پیچھے رہنا) کیسے فرمائیں گے۔

اس کی ضرورت نہیں کہ واقعات مرتب اور منسق (باہم مربوط) ہوں، یہ کام ہم کرلیں گے۔ آپ کو تو **کیف ما اتّفق** (جس طرح بھی ممکن ہو)، جو یاد آجائے، منتشر طریق پر کسی کو بتلا کر لکھا دیں۔ دس بیس دن اگر اس کو بہ طورِ فکر کے جناب کے ذہن میں رکھ کر جب بھی جو چیز یاد آتی جائے، کسی کو ارشاد فرما دیں کہ وہ لکھ لے، مگر **مـا یقـرء** (ایسا جو پڑھا جاسکے) ہو۔ بہرحال کچھ ذخیرہ فراہم ہوجائے گا۔

جس کی روایت سے ہو، مروی عنہٗ کے نام کی تصریح ہوجائے تو اَور زیادہ بہتر ہے۔ ورنہ یوں تو جناب کی ذات بھی اس حکایت کی توثیق کی کافی دلیل ہوگی۔ پھر واقعہ بھی شرط نہیں۔ کوئی کلیہ، کوئی اصول، کوئی حکمت کی بات جو یاد آجائے، وہ منتشر ہی قلم بند کرا دی جائے۔...احقر محمد طیب از دارالعلوم دیو بند

۲۸/۷/۶۳ھ (19/ جولائی 1944ء)'' (12)

اس کے بعد حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم و افکار کے تعارف کے لیے ''حکمتِ قاسمیہ'' کے عنوان سے ایک جامع مضمون تحریر فرمایا۔ اس میں حضرت نانوتویؒ کے علوم و افکار کی اشاعت کرنے والوں کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی جدوجہد اور کاوشوں کو اس طرح خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

''اس طبقۂ ثانی میں خصوصیت سے حضرت علامہ مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے تو حکمتِ ولی اللّٰہی اور حکمتِ قاسمی کو اپنا موضوعِ زندگی ٹھہرا لیا تھا۔ اُن کا نظریہ یہ تھا کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتابوں کا کما حقہ فہم اور شعور تصانیفِ قاسمیہ کے مطالعے کے بغیر میسر ہی نہیں آ سکتا۔ اور اسی بنا پر انھوں نے لاہور میں ''محمد قاسم ولی اللہ سوسائٹی'' کی بنیاد ڈالی، جس کے ذریعے انھوں نے ان علوم کی اشاعت و ترویج میں پوری ہمت صَرف فرما دی۔

مولانا (سندھی) ممدوحؒ نے احقر کی عرض داشت پر دارالعلوم (دیوبند) میں اس ناکارہ کو ''حجّة الله البالغه'' بھی پڑھانی شروع کی اور مختلف اوقات میں احقر کے سوالات پر حکمتِ قاسمی اور حکمتِ ولی اللّٰہی کے اصول و حقائق تشریح کے ساتھ نقل فرماتے تھے۔'' (13)

حضرت سندھیؒ کے وصال پر علامہ موسیٰ جاراللہ کا مکتوب

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے وصال پر مشہور روسی عالم، علامہ موسیٰ جاراللہؒ نے حضرت مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ کے خسر حضرت مولانا شیخ محمد سندھی مدنیؒ (شاگرد حضرت امام سندھیؒ) کے نام ایک مکتوب میں حضرت سندھیؒ کے بارے میں درجِ ذیل تأثرات تحریر کیے:

''امام، مجاہد، مجتہد عبیداللہ سندھیؒ نے اللہ کی جانب سے آنے والے بلاوے کو قبول کیا۔ آپؒ اپنے ربّ کے حضور راضی اور خوشی تشریف لے گئے۔

اس حال میں کہ آپؒ کا نفس مطمئن تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں جنت عطا کی اور انھیں اپنے اُن بندوں میں داخل کرلیا، جن کے بارے میں سورت الفجر میں ارشادِ ربانی ہوا ہے:

يَآيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۝ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝ (14)

(اے وہ نفس جس نے اطمینان حاصل کرلیا، تو چل اپنے ربّ کی طرف۔ تو اُس سے راضی، وہ تجھ سے راضی۔ پھر شامل ہوجا میرے بندوں میں اور داخل ہوجا میری جنت میں۔)

امام سندھیؒ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ کے بندوں کی جماعت ''ملاءِ اعلیٰ'' میں ہوتی ہے۔ جس کا تذکرہ سورت ص کی اس آیت میں ہے:

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝ (15)

(مجھ کو کچھ خبر نہ تھی ملاءِ اعلیٰ کے علم کی، جب وہ آپس میں تکرار کرتے ہیں)

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''ملاءِ اعلیٰ'' (کے مرکز) کو ''حظیرۃ القدس'' کا نام بھی دیتے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے میں ''حظیرۃ القدس'' کا عقیدہ رکھنا اساسی اصول کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عرش سے جتنے بھی فیوضات عالم انسانیت میں نازل ہوتے ہیں، وہ ''حظیرۃ القدس'' کے واسطے سے ہی آتے ہیں۔ ......

میں امام سندھیؒ کو بڑی اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ میں نے انھیں پہلی مرتبہ اس وقت دیکھا تھا، جب کہ وہ سوویت یونین کی حکومت کے سربراہ لینن کی زندگی میں سوویت یونین کے دارالحکومت (ماسکو) تشریف لائے تھے۔ حکومت کے لوگوں نے آپؒ کا شان دار استقبال کیا تھا۔ اس موقع پر حکومت نے امام سندھیؒ کے ساتھ بڑے اہتمام اور احترام کا معاملہ کیا تھا۔ اس حکومت نے امام سندھیؒ کے افکار و خیالات اور بیانات سے نئی روشنی حاصل کی اور بڑی

مستفید ہوئی تھی۔ سوویت یونین حکومت نے آپؒ کے بعض ارشادات انگریزی زبان میں شائع بھی کیے تھے۔ میرے پاس اس کا فارسی نسخہ موجود ہے۔

آپؒ کی آمد کے موقع پر مَیں بھی امام (سندھیؒ) کی زیارت کے لیے دارالحکومت (ماسکو) گیا تھا، تاکہ آپؒ سے استفادہ کرسکوں۔ چناں چہ میں وہاں آپؒ کی صحبت میں کچھ ایام تک ٹھہرا رہا۔ اکثر ایام میں ایسا ہوتا کہ آپؒ صبح کے وقت میری قیام گاہ پر تشریف لے آتے۔ پھر میں نے آپؒ کو دارالحکومت ''لینن گراڈ'' آنے کی دعوت دی۔ میں نے آپؒ کا وہاں استقبال کیا۔ حکومتِ وقت نے بھی آپؒ کا استقبال کیا اور سرکاری مہمان بننے کی دعوت دی، لیکن امام سندھیؒ نے میرے گھر قیام کرنے کو ترجیح دی۔ آپؒ میرے گھر پر ٹھہرے اور رمضان المبارک کے مہینے میں دو ہفتے تک میرے گھر کو اپنے قیام سے مشرف فرمایا۔

اس دوران آپؒ اور آپؒ کے ساتھیوں نے سفر کے عذر کی وجہ سے روزہ نہیں چھوڑا۔ گھر سنبھالنے والی میری اہلیہ سردیوں کے سخت ایام میں دن رات معزز مہمانوں کی خدمت کے لیے مستعد رہتی تھی۔ افطار کے وقت آپؒ کے اعزاز میں ایک لمبا دسترخوان بچھایا جاتا تھا۔ جس کی مرکزی نشست پر امام سندھیؒ تشریف فرما ہوتے اور آپؒ کے دونوں اطراف آپؒ کے شاگرد موجود ہوتے تھے۔ انھی دنوں میں بہت دفعہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ روس کے بڑے بڑے علما آپؒ کی زیارت اور صحبت کے لیے تشریف لاتے تھے۔

امام سندھیؒ اور آپؒ کے ہمراہ رہنے والی جماعت نے اس شہر کی ہر قابل سیاحت مقام کی سیر و سیاحت کی۔ آپؒ نے بعض ایسے مقامات بھی بڑی توجہ سے دیکھے، جنھیں بہت کم لوگ دیکھتے ہیں۔

میں اپنے گھر میں آپؒ کے قیام کے دوران سوائے آرام کے لمحات یا مخصوص اوقات کے آپؒ سے جدا نہیں ہوتا تھا۔ اس طرح میں نے آپؒ کو خوب اچھی طرح دیکھا اور آپؒ کی پوری معرفت حاصل کی۔ میں نے دیکھا کہ

آپؒ پکے حنفی اور اپنے دین میں انتہائی مخلص آدمی ہیں۔ آپؒ کی عبادات میں ریاکاری کا کوئی اثر تک نہیں تھا۔ آپؒ کی گفتگو اور سیرت و کردار میں کسی قسم کا کوئی تکلف اور بناوٹ کا شائبہ تک نہیں ہوتا تھا۔ میرا یہ بھی مشاہدہ ہے کہ آپؒ اپنے علم میں مجتہدانہ بصیرت رکھتے تھے۔ آپؒ اپنے عمل اور تحریک میں سچے مجاہد تھے۔ آپؒ کے عزائم بڑے بلند تھے۔ آپؒ نہایت پختہ ایمان کے مالک تھے۔ اپنے مقاصد کے حصول میں بڑے پُرامید رہتے تھے اور اپنی کامیابی کا پختہ یقین رکھتے تھے۔

آپؒ 1923ء میں روس سے تشریف لے گئے تھے۔ پھر 1926ء میں استنبول میں میری ان سے ملاقات ہوئی۔ پھر حرمین شریفین میں کافی عرصے تک میں نے ان کی زیارت کی۔ حرمِ مکی میں مَیں نے کئی مہینے ان کی صحبت اٹھائی۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے کی روشنی میں ان کی املا کردہ قرآنِ کریم کی تفسیر میں نے بڑے اہتمام سے منضبط کی۔ فرصت کے اس زمانے میں اجتماعیت سے متعلق ان کے افکار سے مَیں واقف ہوا۔ اور کتابِ کریم کے سلسلے میں ان کے حکمت پر مبنی مقاصد سے مجھے آگاہی ہوئی۔

بعض اوقات وہ فرمایا کرتے تھے کہ:

''جب ہم امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے کی روشنی میں کتاب اللہ الکریم کی تفسیر مکمل کرلیں گے تو اللہ جل جلالہ کے اس قول

قُلْ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (16)

(آپؐ کہہ دیجیے اے لوگو! میں تم سب لوگوں کی طرف اللہ کا رسول ہوں)

کو سامنے رکھتے ہوئے، ہم تمام ادیان کے ماننے والوں کو اُن کی اپنی کتاب کی روشنی میں دین اسلام سمجھا سکتے ہیں۔''

آپؒ کی وفات ہندوستان کے لیے بڑا صدمہ ہے۔ بلکہ ایک بڑے عالم کی موت کی وجہ سے یہ پورے عالم اسلام کے لیے صدمے کا باعث ہے۔ اس

لیے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (17)

(مرد اور عورت میں سے جس نے اچھا عمل کیا، اس حال میں کہ وہ مؤمن ہے، ہم اسے پاکیزہ زندگی عطا کرتے ہیں۔ اور انھیں ان کے اعمال کا اچھا بدلہ دیتے ہیں۔)

کو سامنے رکھتے ہوئے امت کے معزز لوگوں، خاص طور پر علمائے امت، رہنمایانِ قوم، صاحبِ استطاعت افراد اور حکمرانوں پر لازم ہے کہ وہ امام سندھیؒ کے حالاتِ زندگی کو سامنے رکھتے ہوئے امام سندھیؒ کے پُر امید فکر و عمل کو زندہ کرنے کی جدوجہد اور کوشش کریں۔" (18)

حرمین شریفین کے خطیب اور امام شیخ عبداللہ خیاطؒ کی نظر میں

حرمِ مکی کے اُستاذ اور مسجدِ حرام کے امام و خطیب حضرت شیخ عبداللہ بن عبدالغنی خیاطؒ (تلمیذ حضرت سندھیؒ) نے اپنی کتاب "لمحات من الماضی" کی پانچویں فصل میں اُن شخصیات کا تذکرہ کیا ہے، جنھوں نے اُن کی تعلیم و تربیت پر خاص اثر مرتب کیا ہے۔ اس فصل میں وہ اپنے استاذ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"عرفت فضیلة شیخنا عبیداللّٰه السّندی منطویا علیٰ نفسهٖ، متواضعاً فی کلّ شیءٍ فی خلقهٖ و بزتهٖ، و فی معاملتهٖ للنّاس و مخاطبتهم، و فی مجامعهم أیضاً مع أنّ لهٗ من علمهٖ و فضلهٖ و شخصیتهٖ و کرم نفسهٖ من المحامد و الفضائل ما یجعله فی الطّلیعة، کان لهٗ مجلس فی المسجد الحرام بجوار باب الدّاؤدیة فی العهد القدیم، تراهٗ و هو ممسک بعباء ته المتواضعة و علیه قمیص و فوق رأسهٖ عمامة مکورة و کأنّهٗ من الفقراء الزّاهدین، و عند ما تقترب منهٗ أو تتحدّث إلیه أو تکون لک بهٖ صلة علمیة، تجد البحر ذاخراً یبز الأقران و یأخذ بمجامع القلوب." (19)

(میں نے اپنے استاذ مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو اپنی ذات، اپنی عادات و اطوار اور اَخلاق، نیز لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے اور ان سے مخاطب ہونے کے حوالے سے انتہائی متواضع پایا۔ وہ اپنے علم و فضل، بلند شخصیت اور بہت سے عمدہ احوال و فضائل اور اعزاز و اِکرام کے باوجود بڑے مجمعوں میں بھی ایسے ہی اَخلاق کا مظاہرہ کرتے تھے۔

اُن کی مجلس درس مسجدِ حرام میں پُرانے زمانے میں ''**باب الدّاوٗدیہ**'' کے قریب ہوتی تھی۔ انھیں وہاں بیٹھے ہوئے دیکھا جائے تو وہ ایک سادہ سی قمیص پر عبا پہنے ہوئے اور سر پر پگڑی باندھے ہوئے تشریف فرما ہوتے تھے۔ گویا کہ وہ فقر اور زہد و تقویٰ کا نمونہ بزرگوں میں سے ہیں۔ جب آپ اُن کے قریب بیٹھیں یا اُن سے گفتگو کریں یا اُن سے کسی علمی موضوع پر رہنمائی درکار ہو تو آپ محسوس کریں گے کہ وہ ایک ٹھاٹھیں مارتے ہوئے علمی سمندر کی طرح ہیں، جو اپنے ہم عصروں کو پچھاڑنے اور مجمع میں موجود لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچنے والے ہیں۔)

حضرت مولانا محمد طاہر پنج پیریؒ کا خراجِ تحسین

حضرت مولانا محمد طاہر پنج پیریؒ (تلمیذ امام عبیداللہ سندھیؒ) اپنی سوانح عمری ''**بقیة الآثار من الحیات المستعار**'' میں لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا علامہ عبیداللہ السندھی رحمہ اللہ کی عظمت، بے پناہ ذکاوت، للّٰہیت اور کثرتِ مطالعہ سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ کیوں کہ ان کا اکثر حصۂ عمر بیرونِ ملک گزرا ہے۔ میں نے ان جیسا ذکی اور مختلف علوم کا ماہر، بلکہ امام نہیں دیکھا۔

آپؒ فقہ و حدیث میں امام تھے۔ علومِ ادبیہ اور فنونِ مختلفہ کے موجد معلوم ہوتے تھے۔ فلسفہ اور تصوف تو آپؒ کا (وِجدانی) ذوق تھا اور ان میں آپؒ مؤسسِ اصول تھے۔ آپؒ کے زمانے میں کتبِ امام ولی اللہ الدہلویؒ میں کوئی

دوسرا عالم آپؒ کا ہم سر نہیں تھا۔ آپؒ ان کتابوں کے راوی ہیں۔ جب آپؒ **حجّة اللّٰه البالغه** (تصنیف امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ)، **عبقات** (تصنیف حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ)، **تکمیل الأذهان** (تصنیف حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ) وغیرہ پڑھاتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپؒ ہی ان کے مصنف ہیں۔...

حضرت مولانا سندھیؒ جب تصوف اور فلسفہ پر گفتگو کرتے تو آپؒ فنون کے مجتہد معلوم ہوتے تھے۔ متعدد اصولِ فلاسفہ پر جب آپؒ چاہتے، مدلل ردّ فرماتے اور اُن کے بجائے نئے اصول وضع فرماتے تھے۔...

جب آپؒ فن تاریخ میں کلام کرتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپؒ تاریخ کے ہر دور اور ہر واقعہ میں خود حاضر تھے۔ مؤرّخین پر آپؒ زیادہ تنقید کرتے تھے کہ انھوں نے منشی کا کردار ادا کیا ہے۔ صرف لکھنا اور واقعہ نقل کر دینا تو کوئی کام نہیں۔ اصل کام واقعہ نقل کر کے اُس کے اسباب اور نتائج پر لکھنا ہے۔ مگر انھوں نے اسے چھوڑ دیا۔ البتہ بعض مؤرّخین جا بجا ایسا کرتے ہیں، گونا تمام۔ پھر آپؒ تاریخ قدیم کے چند واقعات ذکر کرتے، ان کے نتائج پر کلام کرتے اور مؤرّخین کی غلطیاں واضح کرتے تھے۔

جب آپؒ فن تاریخ کو بیان کرتے تو آپؒ کے بیان سے سامعین کے عقول دنگ رہ جاتے تھے۔ سامعین آپؒ کے حافظہ سے قدرتِ الٰہی کا کرشمہ دیکھتے۔ آپؒ اپنے حافظے کے ساتھ ساتھ فرطِ ذکاوت سے تاریخ کا تذکرہ کرتے ہوئے موتی اور جواہر بکھیرتے تھے۔ آپؒ کا بے نظیر حافظہ اور ذکاوت ضرب المثل اور احسانِ الٰہی کے مظہر تھے۔'' (20)

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی زندگی کے یہ نقوش غور و فکر اور سمجھنے والوں کے لیے ہدایت کا بڑا سامان رکھتے ہیں اور فکر و شعور کی بالیدگی کا باعث ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!)

حوالہ جات

1۔ التّمهيد لتعريف أئمّة التّجديد، از حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ص8۔
2۔ ایضاً۔ 3۔ ایضاً۔ 4۔ ایضاً،ص 36۔
5۔ خطبات و مقالات مولانا عبیداللہ سندھیؒ،ص: 25-224۔
6۔ ایضاً،ص: 28-227۔
7۔ شاہ ولی اللہ اوران کا فلسفہ۔مرتبہ: پروفیسر محمد سرور مرحوم،ص: 6،طبع: سندھ ساگر اکیڈمی لاہور۔
8۔ ایضاً۔
9۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ افکار و خدمات از مولانا دین محمد وفائی،ص 25-24، مرتبہ: ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری،ص 25-24۔طبع: المحمود اکیڈمی، اردو بازار لاہور
10۔ شاہ ولی اللہ سے امام عبیداللہ سندھیؒ تک، از ڈاکٹر ظہیر الحق دین پوریؒ،ص: 125،طبع: دین پور، خان پور
11۔ خطبات و مقالات مولانا عبیداللہ سندھیؒ،ص: 330، خطبہ افتتاح ٹھٹھہ (سندھ) ضلع کانگریس کمیٹی کانفرنس، منعقدہ 12/ جولائی 1940ء۔
12۔ مکتوبِ گرامی حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ بنام مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مطبوعہ: سہ ماہی ''احوال و آثار''، جولائی اگست ستمبر 2007ء مرتبہ: مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی،ص: 99-98،مطبوعہ حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی، محلّہ مولویان، کاندھلہ، ضلع مظفرنگر (یوپی) انڈیا۔
13۔ حکمتِ قاسمیہ۔تحریر از قاری محمد طیب قاسمیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند،ص:32،طبع: مجلس معارف القرآن، دارالعلوم دیوبند۔سن طباعت: 1387ھ/ 1967ء۔
14۔ القرآن 89:30-27۔ 15۔ القرآن: 38:69۔
16۔ القرآن: 7:158۔ 17۔ القرآن: 16:97۔
18۔ مکتوب علامہ موسیٰ جاراللہ بنام مولانا محمد سندھی مدنی، نقل کردہ مقدمہ کتاب التمہید لتعریف ائمۃ التجدید، تحریر کردہ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ،ص: و تا ح۔
19۔ لمحات من الماضی، از شیخ عبداللہ بن عبدالغنی خیاطؒ، الفصل الخامس؛ شخصیات لها اثرها فی نفسی، ص: 340، طبع: دارالملک عبدالعزیز، الرّیاض، الطّبعة الأولیٰ: ۱۴۲۵ھ/ 2004ء
20۔ بقية الآثار من الحيات المستعار، مصنفہ: شیخ القرآن مولانا محمد طاہر، مرتبہ: مولانا محمد طیب طاہری، ص:55 تا 57، ناشر: مکتبۃ الیمان، دارالقرآن، پنج پیر صوابی، پاکستان، طبع اوّل: رمضان ۱۴۲۱ھ/ دسمبر 2000ء۔

حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ

مختصر حالاتِ زندگی

(حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ مرتب ''قرآنی شعورِ انقلاب'' کے مختصر حالاتِ زندگی پہلی مرتبہ سامنے آ رہے ہیں، اس کے لئے ہم حضرت مولانا کے صاحبزادگان جناب بلال احمد اور جناب ہلال احمد مرحومین کے ممنون ہیں کہ انھوں نے نہ صرف مولانا کی قلمی ڈائری، ذاتی کاغذات اور ان کی کتابوں سے استفادہ کا موقع دیا، بلکہ مولانا لدھیانویؒ کی کتابوں اور ان کا تحریر کردہ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مواد ''رحیمیہ لائبریری'' کے لئے بطورِ عطیہ فراہم کیا۔ اس طرح ایک مردِ درویش کے مختصر حالاتِ زندگی مرتب کرنے میں آسانی اور سہولت رہی۔

مولانا لدھیانویؒ کے مفصل حالات سہ ماہی مجلّہ ''شعور و آگہی'' لاہور (جلد1، شمارہ1، جولائی تا ستمبر 2009ء) میں شائع کیے جا چکے ہیں۔)

❁ مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ شہر لدھیانہ کے محلّہ اقبال گنج میں مؤرخہ ۵ / رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ بمطابق 28 جنوری 1899ء بروز جمعرات، بوقت ۱۲ بجے شب مطابق ۱۹۵۴ بکرمی کو پیدا ہوئے۔ (1)

❁ آپ کے والدِ گرامی کا نام مولانا اللہ دین تھا، آپ کا نسب نامہ یوں ہے:

''بشیر احمد بن مولانا اللہ دین بن کریم بخش بن محمد بخش بن راج دین بن تاج دین بن ابراہیم''۔ (2)

مولانا بشیر احمد لدھیانوی کے والد گرامی مولانا اللہ دین، انجمن حمایت اسلام لاہور کی جانب سے واعظ رہے ہیں۔ انھوں نے عیسائی مشنری کے لیے کام کرنے والے پادریوں سے بہت سے مناظرے بھی کیے۔ عیسائیت پر ان کی خاص نظر تھی۔ انھوں نے ''تحقیقات

اصل انجیل'' کے نام سے ایک ضخیم کتاب بھی تصنیف فرمائی۔ جس میں انہوں نے اسلام پر پادریوں کے الزامات کے جوابات کے ساتھ اصل انجیل کی عبارات سے اسلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی حقانیت ثابت کی ہے۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ مولانا بشیر احمد لدھیانوی کی کتابوں میں موجود ہے۔

❁ مولانا بشیر احمد لدھیانوی کے بڑے بھائی مولانا محمد قاسم لدھیانوی بہت اچھے کاتب تھے، اور ''سلطان القلم'' کے نام سے مشہور ہوئے۔ انہوں نے خط نسخ سید امیر الدین دہلویؒ اور مولوی محمد ممتاز علی ''نزہت رقم'' مہاجر مکی (مالک مطبع مجتبائی دہلی) سے حاصل کیا تھا، مولوی محمد قاسم برصغیر ہندو پاک کے مسلم الثبوت خطاطِ قرآن تھے، 1907ء میں انہوں نے ایک ہفت رنگ قرآنِ پاک اپنے مطبع قاسمی سے طبع کیا، جس کا انتساب انہوں نے خان حبیب اللہ خاں والی افغانستان کی طرف کیا تھا، یہ نسخۂ قرآنِ پاک خطاطی کا عظیم الشان نمونہ ہے۔ سلطان القلم اخیر زمانہ میں انجمن حمایت اسلام کی دعوت پر 1931ء میں لاہور آگئے تھے۔ اس سے قبل انہوں نے لدھیانہ اور دہلی کے علاقہ دریا گنج میں بھی ایک طویل عرصہ قیام کر کے خطاطی کی تھی۔

''سلطان القلم'' نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کا ترجمہ اور تفسیر کی بھی کتابت شروع کی تھی، ۲۵/ پاروں کی کتابت ہوئی تھی کہ ۱۳/محرم الحرام ۱۳۵۱ھ بمطابق 19 مئی 1932ء بروز جمعہ کو ستر برس کی عمر میں ان کا انتقال ہوگیا، قرآنِ پاک کے اس نسخہ کی تکمیل ان کے فرزندِ اکبر منشی محمد شفیع مرحوم نے کی۔ یہ قرآنِ پاک ''سلطان القلم'' کے اعجازِ قلم کا عظیم الشان نمونہ ہے۔(3)

❁ مولانا بشیر احمد صاحبؒ نے ایک علمی گھرانہ میں آنکھ کھولی۔ والد گرامی عالم دین تھے، بڑے بھائی بھی عالم دین تھے اور انہوں نے ساری عمر قرآن کی خطاطی کی خدمت کرتے ہوئے گزاری۔ ایسے دینی ماحول میں آپؒ نے اپنی تعلیم کا آغاز کیا، ابتدائی تعلیم لدھیانہ کے دینی مکتب سے حاصل کی۔ قرآنِ حکیم کی تعلیم کے بعد مدرسہ اسلامیہ لدھیانہ میں داخل ہوئے، جہاں انہوں نے عربی، اردو اور انگریزی کی تعلیم حاصل کی۔ مولانا کے والد گرامی عیسائی مشنری اداروں کی چیرہ دستیوں کا مقابلہ کرتے تھے، چنانچہ بیٹے کی

انگریزی اور عربی کی تعلیم کا بیک وقت بندو بست کیا گیا۔ ایک طرف انہیں عالمِ دین بنایا گیا، اور ساتھ ہی انگریزی تعلیم بھی دلائی گئی۔ تاکہ اس زبان پر عبور حاصل کر کے اس میدان میں بھی خدمتِ دین کی جائے۔ چنانچہ اسلامیہ ہائی سکول لدھیانہ سے مولانا بشیر احمد نے 1916ء میں جماعت نہم پاس کی اور 1917ء میں گورنمنٹ ہائی سکول لدھیانہ سے میٹرک کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ پھر 1919ء میں اسلامیہ کالج لدھیانہ سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا۔ اور 1928 میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے بی۔اے پاس کیا۔ اس دوران مولانا نے عربی، فارسی اور انگریزی پر عبور حاصل کر لیا۔

۞ 1922ء میں مولانا بشیر احمد صاحبؒ لدھیانہ سے لاہور آ گئے، اور یہاں آ کر ایک اخبار روزنامہ ''کیسری'' میں ۲۵ روپیہ مشاہرہ پر ملازمت اختیار کر لی۔ اس اخبار میں تقریباً ڈیڑھ سال کام کیا، پھر 21 جنوری 1924ء کو روزنامہ ''سیاست'' لاہور میں ۵۰ روپے ماہوار پر کام شروع کر دیا۔ چنانچہ اپنی قلمی ڈائری میں لکھتے ہیں:

> ''20 جنوری 1924ء سے روزنامہ ''کیسری'' لاہور چھوڑ کر 21 جنوری کی صبح سے روزنامہ ''سیاست'' لاہور میں مشاہرہ ۵۰ روپیہ ماہوار (پر کام) شروع کیا۔ ''کیسری'' میں ایک سال چند ماہ تک ۲۵ روپیہ لیتا رہا''۔ تحریر مؤرخہ: 5/3/24 (4)

۞ 6 اکتوبر 1925ء کو ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ پنجاب سے آپؒ نے ''جونیئر اینگلو ورنیکلر ٹیچر'' کا امتحان پاس کیا۔ اور تعلیم و تدریس کی ذمہ داریوں سے وابستہ ہو گئے۔ چونکہ انجمن حمایت اسلام لاہور سے آپؒ کے والد گرامی وابستہ رہے تھے اور اس کے واعظ کے طور پر خدمات سرانجام دیتے رہے، اس لیے اس تعلق کی بنا پر انجمن حمایت اسلام لاہور کے تعلیمی مدارس کے سلسلے سے تعلیم و تدریس کے لیے وابستہ ہو گئے۔ اور انجمن کے اندرون شیرانولہ گیٹ میں قائم اسلامیہ ہائی سکول میں آپؒ نے خدمات سرانجام دینا شروع کر دیں۔

۞ انجمن حمایت اسلام اندرون شیرانوالہ گیٹ کے متصل ہی حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد تھی۔ اس میں حضرت لاہوریؒ درسِ قرآن دیا کرتے تھے۔ اس

دوران آپؒ کا تعلق حضرت لاہوریؒ سے ہوا۔ حضرت لاہوریؒ حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے تربیت یافتہ اور ان کے ربیب تھے، آپؒ کی ساری تعلیم و تربیت حضرت سندھیؒ نے فرمائی تھی۔ حضرت لاہوریؒ سے تعلق کے دوران مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ نے ان سے بھی تفسیر، حدیث وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ ابتدائی عربی فارسی کی تعلیم تو لدھیانہ میں مختلف اساتذہ کرام سے حاصل کی تھی۔ اب انہوں نے حضرت لاہوریؒ سے تعلیم حاصل کر کے دینی علوم کی تکمیل کی۔ پھر قرآنِ حکیم کی تفاسیر، اور اس کے مطالعہ کی طرف متوجہ ہوئے، اس سلسلہ میں لاہور کے علماء کرام سے خاص استفادہ کیا۔ آپؒ کے استاذ معظم حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ لکھتے ہیں کہ:

''انہوں نے قرآنِ عظیم کا مطالعہ بہت عرصہ پہلے سے مختلف اساتذہ کی صحبت میں جاری رکھا تھا''۔(5)

البتہ ذریعہ معاش انہوں نے انجمن حمایت اسلام کے مدارس میں تعلیم و تدریس کو ہی بنائے رکھا۔ اسی سلسلہ میں 2 دسمبر 1939ء کو انہوں نے سینئر ٹیچر کا امتحان پاس کیا۔ اور ہائی سکول میں تعلیم و تدریس کی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔

❁ 7 مارچ 1939ء کو حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ 25 سالہ جلاوطنی کے بعد کراچی کے ساحل پر اترے ۔ اور کراچی سے سفر کرتے ہوئے لاہور تشریف لائے، حضرت لاہوریؒ کے پاس شیرانوالہ گیٹ مسجد میں قیام فرمایا۔ ہندوستان واپسی کے حوالے سے حضرت سندھیؒ ایک بلند مقصد رکھتے تھے۔ اور وہ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ کے علوم و معارف ان کے فلسفہ و حکمت کی اساس پر قرآنی تعلیمات کے فروغ کے لیے جد و جہد کرنا تھا۔ چنانچہ اس عظیم مقصد کے لیے انہوں نے حضرت لاہوری سے اپنے علوم و افکار کے پھیلاؤ کے لیے دو سمجھدار اور ذہین شاگرد مانگے ۔ اس پر حضرت لاہوریؒ نے اپنے دو شاگرد ایک حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ اور دوسرے مولانا خدا بخش صاحبؒ کو حضرت سندھیؒ کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ مولانا غازی خدا بخشؒ لکھتے ہیں:

''شیخ التفسیر حضرت لاہوریؒ سے امام انقلاب مولانا سندھیؒ نے ان کے شاگردوں میں سے دو نوجوان طلب کیے ۔ حضرت لاہوریؒ نے اپنے دو شاگرد

ان کے حوالے کیے۔ ایک تھے شیخ بشیر احمد بی۔ اے اور دوسرے راقم آثم خدا بخش عفی عنہٗ جو کچھ عرصے کے لیے کابل، مکہ معظّمہ اور سندھ کے گوٹھ پیر جھنڈا میں حضرت سندھیؒ کی رفاقت میں رہا''۔(6)

حضرت سندھیؒ نے ان دونوں کو اپنے علوم و افکار کی تعلیم دینا شروع کی۔ چنانچہ 1940ء تا 1944ء تک مسلسل چار سال تک ان دونوں حضرات نے بڑی محنت، جانفشانی اور خلوص کے ساتھ حضرت سندھیؒ سے ولی اللہی علوم و افکار اور دینی تعلیمات کا جامع انداز و اسلوب سیکھا، خاص طور پر حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ نے حضرت کی تقاریر قلمبند کیں، اور امالی کے عنوان سے فل سکیپ کاغذ کے تقریباً ساڑھے تین ہزار صفحات پر مشتمل حضرت سندھیؒ کے افکار قلمبند کیے۔ چنانچہ حضرت سندھیؒ لکھتے ہیں:

''ہم 939 ہندی (1939ء) میں واپس وطن پہنچے، اس کے بعد جب کبھی لاہور آئے اور اپنے عزیزوں کی خاطر وہاں رہے، مولوی بشیر احمد بی۔ اے لدھیانویؒ ہم سے قرآن شریف سمجھنے کے لیے ملتے رہتے تھے، اس طرح انہوں نے کئی سو (تقریباً ساڑھے تین ہزار) صفحے تیار کر لیے''۔(7)

❁ مولانا بشیر احمد صاحب کو حضرت سندھیؒ سے بڑا تعلق خاطر تھا، آپؒ کے ارشاد پر ہمہ وقت عمل کرنے کے لیے تیار رہتے تھے، 1939ء کا ایک واقعہ ہے کہ مولانا بشیر احمد صاحبؒ اپنے چند دوستوں کے ہمراہ شملہ سیر کے لیے گئے۔ وہاں گورنمنٹ کا ایک بنک تھا، اس کے مینجر سے دوستوں کی وساطت سے ملاقات ہوئی۔ مولانا کو انگریزی پر عبور تھا، دورانِ گفتگو مینجر صاحب بڑے متأثر ہوئے، اور انہوں نے اپنے ہاں ملازمت کی پیش کش کی۔ اور خاصی بڑی تنخواہ مقرر کرنے کا کہا۔ مولانا نے کافی تذبذب کے بعد معاشی حالات کی وجہ سے اس پیش کش کو قبول کر لیا۔ لیکن دل مطمئن نہیں تھا، اس لیے حضرت سندھیؒ کو خط لکھ کر اس کی اطلاع دی۔ حضرت سندھیؒ نے جواب میں ایک سطر تحریر فرمائی:

''آپ نے اس حکومت کی ملازمت اختیار کر لی، جس سے ہم آزادی کی جنگ لڑتے رہے، اس کے بعد ہمارا آپ سے تعلق منقطع ہو گیا ہے۔''

مولانا نے حضرت سندھیؒ کا یہ خط ملتے ہی فوراً اس ملازمت سے علیحدگی اختیار کر لی۔

اور شملہ سے سیدھے لاہور آ کر حضرت سندھیؒ سے معذرت کی ۔(8)

❁ مولانا بشیر احمد لدھیانوی نے قرآنِ حکیم کے فہم کے لیے حضرت سندھیؒ سے امام شاہ ولی اللہ دہلوی کی کتب براہِ راست پڑھیں ، ان کتابوں میں امام دہلوی کی شاہکار تصنیف ''حجۃ اللہ البالغہ'' پڑھی اور اس کے تفصیلی نوٹ املی کی صورت میں قلمبند کیے ۔ املی کے ساڑھے تین ہزار صفحات میں ''سطعات'' کی شرح، ''عبقات'' کی شرح ،لمحات اور فیوض الحرمین وغیرہ کی تشریحات شامل ہیں۔اسی کے ساتھ انہوں نے حضرت سندھیؒ سے قرآنِ حکیم کی سورتوں کی حکیمانہ انقلابی تفسیر پڑھی اور سمجھی اور حضرت سندھیؒ کے مکمل فکر وفلسفہ کا فہم حاصل کیا، چنانچہ حضرت سندھیؒ خود لکھتے ہیں:

''انہوں نے قرآن عظیم کا مطالعہ بہت عرصہ پہلے سے مختلف اساتذہ کی صحبت میں جاری رکھا تھا، اس لئے وہ ہمارے طرزِ تفکر کا انقلابی نقطہ تدریجاً سمجھنے کے قابل ہوگئے''۔(9)

❁ مولانا لدھیانویؒ نے مولانا سندھیؒ کے املاء کردہ افادات کو بڑی ذمہ داری کے ساتھ قلمبند کیا ۔اور پھر انہیں بڑے سلیقہ کے ساتھ حضرت سندھیؒ کی زندگی میں ہی ترتیب دیا۔ اور حضرت سندھیؒ نے آپؒ کے مرتب کردہ مواد پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا، چنانچہ حضرت سندھیؒ لکھتے ہیں:

''ہماری تقریریں بہت سے دوستوں نے ضبط کر لی ہیں۔ مگر آج تک ہم نے کسی کی تصحیح اپنے ذمہ نہیں لی۔ مولوی بشیر احمد اور مولوی خدا بخش کی محنتوں کا ہم پر خاص اثر ہے۔ اس لئے ہم نے اس رسالہ پر نظر ثانی منظور کی۔ ہم شہادت دیتے ہیں کہ ان افکار کی ذمہ داری میں ہم بھی ان کے ساتھ شریک ہیں''۔(10)

نہ صرف یہ کہ مولانا سندھیؒ نے آپؒ پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا بلکہ اپنے دیگر شاگردوں اور دوستوں کو اس بات کی سفارش کی کہ وہ اپنی یادداشتیں اس ترتیب کے مطابق مرتب کرلیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''ہم اپنے دوستوں سے سفارش کرتے ہیں کہ وہ اپنی یادداشتیں اس طرزِ

تفکر کے مطابق بنالیں''۔(11)

❁ زیرِنظر مجموعہ ''قرآنی شعور انقلاب'' میں جتنی سورتیں شامل ہیں، ان کی ترتیب وتدوین حضرت سندھیؒ کی زندگی میں ہی ہوئی ہے۔ چنانچہ امالی کا ایک قلمی نسخہ (جس میں سورۃ المجادلہ سے سورۃ التغابن تک تفسیر لکھی ہوئی ہے) ہمیں دستیاب ہوا ہے جسے مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ نے 1943ء میں قلمبند کیا ہے۔ جب کہ وہ گوجر خاں کے اسلامیہ ہائی سکول میں پڑھاتے تھے۔ اس قلمی نسخہ کے آخر میں لکھا ہے:

''آج مؤرخہ 14 نومبر 943 ہندی (1943) کو مدرسہ قاسم العلوم لاہور میں مولانا (سندھیؒ) سے ملاقات کے لیے گوجر خاں سے حاضر ہوا اور عرض کیا کہ (سورۃ المجادلہ سے) سورۃ المنافقون تک مرتب کرلیا ہے۔ آگے سورۃ التغابن کا ربط اس سورۃ سے ارشاد فرمادیجیے۔ اس پر آپؒ نے حسبِ ذیل تقریر فرمائی''۔(12)

❁ 15 مارچ 1944ء کو مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے لاہور میں ولی اللہ سوسائٹی کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا تھا، اس کے سیکرٹری مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ مقرر ہوئے تھے، پاکستان بننے کے بعد مولانا لدھیانویؒ نے حضرت سندھیؒ کی قائم کردہ شاہ ولی اللہ سوسائٹی کو پوری ذمہ داری کے ساتھ قائم رکھا۔ اور اس کے زیرِاہتمام مولانا لدھیانویؒ کے دروسِ قرآن اور ولی اللہی فلسفہ کی تشریحات کا سلسلہ جاری رہا۔

❁ حضرت مولانا بشیر احمد صاحبؒ کو شروع سے ہی امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتابوں کی اشاعت میں گہری دلچسپی رہی۔ چنانچہ آپؒ کی اسی دلچسپی کو دیکھتے ہوئے آپؒ کے ہمعصر علماء اور رہنمایان کی نظر شاہ ولی اللہ صاحب کی کتابوں کی اشاعت کے سلسلے میں آپؒ کی طرف ہی اٹھتی رہی۔ حجۃ اللہ البالغہ کا ایک سلیس اردو ترجمہ امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ نے مولانا ابو العلا محمد اسماعیل گودھرویؒ سے کرایا تھا۔ اس کی اشاعت کے لئے مولانا آزادؒ نے مولانا اسماعیل گودھرویؒ کو یہ رائے دی تھی کہ وہ مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ سے رابطہ کریں۔ چنانچہ ایک خط مؤرخہ 26 اکتوبر 1946ء کو مولانا گودھرویؒ نے مولانا لدھیانویؒ کے نام لکھا۔ اور مولانا آزادؒ کی رائے سے آگاہ کرتے ہوئے کتاب

کی اشاعت کی طرف توجہ دلائی۔ وہ لکھتے ہیں:

''آج فجر کی نماز کے بعد میں نے حضرت مولانا ابوالکلام صاحب آزاد سے ملاقات کی اور قدیم تعلقات کی بنا پر ان کے سامنے میں نے اپنا ترجمہ ''حجۃ اللہ البالغہ از شاہ ولی اللہ'' ان کی خدمت میں پیش کیا۔ آدھ گھنٹہ تک مولانا صاحب نے مختلف مقامات سے دیکھا۔ مجھے رائے دی کہ آج ہی اس کے متعلق مولوی بشیر احمد صاحب کو خط لکھ دیجیے۔ اس (ترجمہ) کی سخت ضرورت ہے۔ اور میں بھی ان کو (اس کتاب کی) اشاعت کی رائے دوں گا۔ چنانچہ پہلی فرصت میں آپ کو یہ عریضہ روانہ کررہا ہوں۔

حجۃ اللہ البالغہ کی پہلی جلد کا ترجمہ بالکل مکمل ہے۔ آغازِ کتاب میں چند صفحات دیباچہ کے ہیں۔ مجموعی طور پر اس جلد کے صفحات ۶۳۲ ہیں۔ دوسری جلد کا ترجمہ بھی تقریباً ایک تہائی ہو چکا ہے۔ انشاءاللہ العزیز جلد مکمل کردوں گا''۔(13)

❁ آپؒ نے حضرت سندھیؒ کے تفسیری افادات بھی بڑی محبت اور چاہت کے ساتھ شائع کئے، چنانچہ 1944ء میں قرآنی دستورِ انقلاب یعنی سورۂ مزمل اور سورۂ مدثر کی حکیمانہ تفسیر شائع کی اور اس کے بعد ''قرآنی فکرِ انقلاب''، ''قرآنی اصولِ انقلاب''، ''قرآنی اساسِ انقلاب''، ''قرآنی جنگِ انقلاب''، ''قرآنی عنوانِ انقلاب''، ''اردو شرح حجۃ اللہ البالغہ، از مولانا عبیداللہ سندھیؒ''، ''عبیدیہ اردو ترجمہ محمودیہ، از مولانا عبید اللہ سندھیؒ''، ''امام ولی اللہ دہلویؒ اور ان کا فلسفۂ عمرانیات و معاشیات'' یکے بعد دیگرے شاہ ولی اللہ سوسائٹی لاہور اور بیت الحکمۃ کی جانب سے شائع کیں۔

❁ پاکستان بننے کے بعد مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ نے حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فکر و فلسفہ کے پھیلاؤ کے لئے انتھک جدوجہد اور کوشش کی، مضامین لکھے، کتابیں شائع کیں، ہفتہ وار اُردو اور پندرہ روزہ انگریزی رسائل جاری کئے، طباعتی ادارے قائم کر کے شاہ صاحب کے علوم و افکار شائع کئے، چنانچہ لاہور سے ایک اُردو رسالہ ہفتہ وار ''نیا فکر'' کے نام سے شروع کیا، جس کا پہلا شمارہ ستمبر 1950ء میں طبع ہوا تھا۔

❁ مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ کی جانب سے حضرت سندھیؒ کی قلمبند شدہ تحریرات

پر اکابر علماء نے اپنے اعتماد کا اظہار کیا ہے۔اس کا مظہر وہ خط ہے جو 4 اگست 1951ء کو حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے آپؒ کو لکھا جس میں زمین کے سلسلہ میں حضرت سندھیؒ کی تحقیقات اور اس کی تفصیلات طلب فرمائی تھیں۔حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں کہ:

''محترم المقام مولوی بشیر احمد صاحب زید عزکم، احقر الانام احمد علی عفی عنہ ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ، اعلیٰ حضرت مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات زمینوں کے متعلق جو ہوں اور آپ کے پاس کوئی تفصیل تحریر شدہ ہو تو آج سوا چار بجے شام لے کر میرے ہاں تشریف لائیں، میں دیکھنا چاہتا ہوں۔فقط 4 اگست 1951ء''۔(14)

❁ مولانا لدھیانویؒ نے انگریزی تعلیم یافتہ نوجوانوں میں امام ولی اللہ دہلویؒ کے افکار کے پھیلاؤ کے لئے انگریزی زبان میں ایک پندرہ روزہ رسالہ (New Thought) کے نام سے شائع کرنا شروع کیا، اس کا پہلا شمارہ 15 جنوری 1958ء کو شائع کیا اور یہ رسالہ کئی سال تک بلاناغہ شائع ہوتا رہا، اس سے جدید تعلیم یافتہ نوجوان طبقہ تک ولی اللہی علوم منتقل کرنے میں بڑی آسانی ہوئی۔

❁ مولانا لدھیانویؒ نے شاہ ولی اللہ کے افکار کے پھیلاؤ کے لئے طباعتی ادارے بھی قائم کیے، جس سے امام شاہ ولی اللہؒ پر نہایت عمدہ کتب شائع کیں۔خاص طور پر ''بیت الحکمت''، لاہور کے زیرِ اہتمام کئی اہم کتابوں کی اشاعت ہوئی۔

❁ 5 ستمبر 1969ء کو مولانا لدھیانویؒ نے جمعیت العلمائے اسلام کے زُعماء اور ذمہ داران کے نام حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ کے توسط سے ایک خط لکھا، جس میں اُنہوں نے قرآن کے انقلابی پروگرام کی تفصیلات اور حضرت الامام ولی اللہ دہلویؒ کے سیاسی، معاشی، عمرانی افکار کی اساس پر پاکستان میں نظام کی تشکیل کے طریقہ کار پر مبنی سفارشات سولہ صفحات میں پیش کی تھیں، اس خط اور مضمون کے آخر میں مولانا عبید اللہ انور نے تصدیقی دستخط ثبت کرتے ہوئے لکھا:

''میں نے سارا مضمون سُن لیا ہے، میرے نزدیک یہ افکار صحیح ہیں''۔

احقر عبید اللہ انور، 5/9/69 (15)

❁ 35 سال تک مسلسل حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فکر و فلسفہ کے پڑھنے پڑھانے، اس کی نشر و اشاعت اور فروغ کے لئے جدوجہد کرنے کے بعد مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ 17 جنوری 1974ء بروز جمعرات اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ 223/N سمن آباد، لاہور میں آپؒ کا انتقال ہوا اور اسی روز قبرستان میانی صاحب میں سپُردِ خاک ہوئے۔

حوالہ جات

(1) ڈائری قلمی مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ،ص ٦٦۔

(2) ایضاً

(3) ''خطاطانِ قرآن'': تحریر کردہ سید انور حسین نفیس رقم مطبوعہ سیارہ ڈائجسٹ کا ''قرآن نمبر''۔

(4) قلمی ڈائری: مولانا بشیر احمد ص ۷۵

(5) کلماتِ طیبات: از مولانا عبیداللہ سندھیؒ، قرآنی دستورِ انقلاب، طبع ادارۃ الحکمۃ، لاہور

(6) تفسیر سورۃ المجادلہ، کے شروع میں عرضِ مرتب۔

(7) کلماتِ طیبات: از مولانا عبیداللہ سندھیؒ، قرآنی دستورِ انقلاب، طبع ادارۃ الحکمۃ، لاہور

(8) روایت: صاحبزادہ رانا بلال احمد

(9) کلماتِ طیبات: از مولانا عبیداللہ سندھیؒ، قرآنی دستورِ انقلاب، طبع ادارۃ الحکمۃ، لاہور

(10) ایضاً

(11) ایضاً

(12) امالی: افادات از مولانا عبیداللہ سندھیؒ آخری صفحہ

(13) خط مولانا اسماعیل گودھرویؒ بنام مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ

(14) خط حضرت لاہوریؒ بنام مولانا بشیر احمد صاحب۔

(15) معروضات بخدمت محترم زُعماء جمعیت علمائے اسلام پاکستان،ص ۵۔



حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ ایک نظر میں

بقلم: مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ

☆ تاریخ پیدائش: 10 مارچ ۱۸۷۲ ہندی (1872ء)۔
☆ سیالکوٹ کے ایک سکھ گھرانے میں پیدا ہوئے۔
☆ بچپن ہی سے انقلابی طبیعت پائی تھی، چنانچہ 16 سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔
☆ دیوبند میں تعلیم پائی اور وہاں کے سب سے بڑے مجاہد اُستاد، حضرت مولانا محمود حسنؒ کی رہنمائی میں کام کرتے رہے۔
☆ ۹۱۵ ہندی میں اپنے اُستاد کے ارشاد پر کابُل پہنچے اور وہاں امیر حبیب اللہ کی حکومت اور بعد کے انقلاب میں پورا پورا حصہ لیا۔
☆ ۹۲۲ ہندی میں ٹرکی جانے کی غرض سے ماسکو گئے اور وہاں سوشلست انقلاب کا بہت قریب سے مطالعہ کیا۔
☆ ٹرکی پہنچ کر کمالی انقلاب کا چار برس تک پوری بصیرت کے ساتھ مشاہدہ کیا۔
☆ اس کے بعد حجازِ مقدس تشریف لے گئے اور بارہ برس تک حکیم الہند، امام ولی اللہ، محدث دہلویؒ کے اُصولوں پر انقلابی نظریات کی تکمیل کی۔
☆ قرآن حکیم کی تفسیر پر انقلابی نقطۂ نگاہ سے نظر ثانی کی اور ہندوستان کے لئے ایک عملی پروگریم بنایا۔
☆ 7 مارچ ۹۳۹ ہندی کو ہندوستان واپس تشریف لائے اور زندگی کے باقی ایام امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے اور اپنے نظریات کی نشر و اشاعت میں صرف کئے اور آخری دم تک کام کرتے ہوئے 21 اگست ۹۴۴ ہندی (1944) کو اعلیٰ علییّن کو سدھار گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

کلماتِ طیبات

از

امامِ انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہم ۱۳۵۹ ہندی (1939ء) میں واپس وطن پہنچے، اس کے بعد جب کبھی لاہور آئے اور اپنے عزیزوں کی خاطر وہاں رہے، مولوی بشیر احمد صاحب بی۔اے لدھیانوی ہم سے قرآن شریف سمجھنے کے لئے مسلسل ملتے رہے، وہ ہمارے افکار لکھتے بھی رہتے تھے۔ اس طرح انہوں نے کئی سو صفحات (تقریباً ساڑھے تین ہزار صفحات) تیار کر لئے۔ انہوں نے قرآن عظیم کا مطالعہ بہت عرصہ پہلے سے مختلف اساتذہ کی صحبت میں جاری رکھا تھا، اس لئے وہ ہمارے طرزِ تفکر کا انقلابی نقطہ تدریجاً سمجھنے کے قابل ہو گئے۔ اب ان کی خواہش ہے کہ ہمارا فکر لوگوں کو پڑھائیں یا پریس کے ذریعہ سے پھیلائیں۔

ہمیں سندھ ساگر انسٹی ٹیوٹ کے متعلق علمی مرکز میں جس کا نام ''محمد قاسم ولی اللہ کالج آف تھیالوجی'' تجویز کیا ہے، ایسے ہی اُستاد کی ضرورت تھی۔ ہم نے انہیں اپنے ابتدائی تجارب میں شریک بنا لیا ہے۔ انہوں نے اپنے افکار کا نمونہ سورۂ مزمل اور سورۂ مدثر کی تفسیر میں پیش کرنا پسند کیا ہے۔

ہماری تقریریں بہت سے دوستوں نے ضبط کر لی ہیں۔ مگر آج تک ہم نے کسی کی تصحیح اپنے ذمہ نہیں لی۔ مولوی بشیر احمد اور مولوی خدا بخش کی محنتوں کا ہم پر خاص اثر ہے۔ اس لئے ہم نے اس رسالہ پر نظر ثانی منظور کی۔ ہم شہادت دیتے ہیں کہ ان افکار کی ذمہ داری میں ہم بھی ان کے ساتھ شریک ہیں۔ ہم اپنے دوستوں سے سفارش کرتے ہیں کہ وہ اپنی یادداشتیں اس طرزِ تفکر کے مطابق بنالیں۔ **واللّٰہ المستعان**

عبید اللہ سندھی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

از مرتب: مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ

امامِ انسانیت سیدنا حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام نے حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً دو ہزار سال پہلے جو حنیفی تحریک شروع کی وہ انسانیت کی ترقی کی راہ پر ایک بہت عظیم الشان سنگ میل تھی۔ اس تحریک کے آغاز سے پہلے دنیا کے ہر ایک معاشرے (سوسائٹی) میں کوئی نہ کوئی نبی آیا۔ اگرچہ ہر ایک نبی کی تعلیم کا رخ ہمیشہ بین الاقوامی رہا، یعنی وہ ایسی تعلیم دیتا رہا جو بین الاقوامی نظام کے لیے موزوں ہوسکتی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق سمجھانے میں ان لوگوں کے ذہنوں کے مطابق تجلیاتِ الٰہیہ کے طبیعی مظاہر کی مثالیں پیش کرنے کی وجہ سے وہ معاشرے انبیاء علیہم السلام کے دنیا سے جانے کے بعد بالعموم مظاہر پرستی ہی میں مبتلا ہوجاتے رہے۔ یہ رجعت پسندی انسانیت کی اس منزل کا لازمی نتیجہ تھی۔ جس پر وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام (کی بعثت) کے زمانے (سے پہلے) تک پہنچ چکی تھی۔

تحریکِ حنیفیت سے پہلے کا دور

اس دور میں انسانیت کی ترقی کے لیے جتنا علم پیدا ہوا، وہ بالعموم ایک محدود جماعت کے اندر رہا، جس سے ''برہمنیت'' نے ظہور پایا۔ ایسے ہی سیاسی طاقت ایک خاندان یا گروہ کے قبضے میں رہی، جس سے مطلق العنانی اوراس سے آگے بڑھ کر شہنشاہیت نے جنم پایا۔ کبھی کبھی پروہتوں اور بادشاہوں کے گٹھ جوڑ سے معاشرے کے تمام اقتصادی، علمی اور سیاسی پہلوؤں پر چندلوگوں کا قبضہ ہوجانے سے معاشرت میں ظلم وطغیان انتہائی شکلیں

اختیار کر جاتا تھا۔ اس ''برہمنیت'' اور مطلق العنانی کے قیام سے جس سے علم اور طاقت محدود ہاتھوں میں آجاتی تھی، عام معاشرہ علم و اختیارات سے محروم اور معاشی واقتصادی لحاظ سے کمزور ہوکر افلاس کی پیدا کردہ اخلاقی اور روحانی امراض میں مبتلا ہوجاتا رہا۔

تحریکِ حنیفیت کا انقلاب

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے تک یہی حالت رہی۔ اب حکمت الٰہی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے سے نوعِ انسانی کو خدا شناسی کی نئی راہ دکھائی اور وہ یہ تھی کہ انسان کی روح کے اندر خدا شناسی کا جو جوہر رکھا گیا ہے، اس کی بیداری کو مطمحِ نظر بنایا گیا۔ اس اندرونی جوہر کو شاہ ولی اللہ کی اصطلاح میں ''حجرِ بحت'' کہتے ہیں۔ جب انسان کے حجرِ بحت کو خدا شناسی کا ذریعہ بنایا جائے گا تو علم اور معرفت ہر ایک انسان کا شخصی تقاضہ بن جائے گا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ معاشی واقتصادی ذرائع پیداوار پر ہر ایک انسان کا برابر کا حق سمجھا جائے گا۔ یعنی علم بھی عام ہوجائے گا اور زمین کے معاشی ذرائع کے استعمال پر سے اجارہ داری اٹھ جائے گی۔ اس سے انفرادی اور اجتماعی اخلاق ترقی کریں گے۔ یہ تھی تحریکِ حنیفیت جو انسان کی ''خدائی'' کا خاتمہ کرنا چاہتی تھی، جو سیاسی اور علمی طاقتوں کے چند ہاتھوں میں جمع ہوجانے سے پیدا ہوجاتی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ کی ''خدائی'' کا اعلان کرتی تھی۔

تحریکِ حنیفیت کی اشاعت

سیدنا حضرت ابرہیم علیہ السلام نے اپنی تحریکِ حنیفیت کے دو مراکز قائم کیے:

(۱) حجاز میں ....جس کے سربراہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام تھے۔

(۲) کنعان میں ....جس کے سربراہ سیدنا اسحاق علیہ السلام تھے۔

بنی اسرائیل

حکمت الٰہی کے تقاضے کے مطابق پہلے کنعان کے مرکز سے توسیع فکر ہوئی۔ سیدنا اسحاق علیہ السلام کے صاحبزادے سیدنا یعقوب علیہ السلام تھے، جن کا دوسرا نام اسرائیل تھا۔ ان کی اولاد سیدنا یوسف علیہ السلام کے توسط سے مصر کے شائستہ اور مہذب ملک میں

جانبسی۔ایک عرصے کے بعد انہیں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے سے حنیفیت کی بین الاقوامی اشاعت کا کام سونپا گیا؛ لیکن بنی اسرائیل میں اتنی عصبیت آ گئی تھی کہ وہ اس عظیم الشان انسانی خدمت سے متنفر رہے۔ حکمت الٰہی نے یہ دیکھ کر کہ یہ لوگ اس عظیم تعلیم کو اقوامِ عالم میں پھیلانے سے گریز کرتے ہیں، کئی بار خود انہیں منتشر کر دیا۔ اگرچہ وہ اپنے مرکز سے منتشر ہو گئے، لیکن جس ملک میں قید رہتے وہاں اپنا مرکز الگ بنا کر رہتے اور دوسرے لوگوں کو اپنے برابر نہ سمجھتے تھے۔

بنی اسماعیل

آخر کار اللہ تعالیٰ کی حکمت نے بنی اسرائیل کی بجائے بنی اسماعیل کو اس کارِ عظیم کے لیے چنا۔ یہ لوگ حجاز میں بستے تھے اور عرب کے بے آب و گیاہ میدان ان کی جولانگاہ تھے۔ان کا مرکز وہ جگہ تھی جہاں مکہ معظّمہ آباد ہوا۔ بے آباد اور بے کاشتہ زمین کے علاقے میں آباد ہو جانے کی وجہ سے بنی اسماعیل حنیفیت کی انقلابی تعلیم کے سربراہ بننے کے لیے زیادہ موزوں نکلے۔ کیوں کہ یہ کاشتکاری میں پھنس کر زمین کے ساتھ وابستہ نہیں ہو گئے تھے، جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیل کو بارِ امانت سونپا تو ان کی تعلیم و تربیت کے لیے سیدنا ومولانا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلم بنا کر مبعوث فرمایا۔

قرآنی انقلاب

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوتِ حنیفیت کا بار اٹھایا۔تو صحابہ کرام یعنی قریش مکہ کے اولو العزم لوگوں اور انصارِ مدینہ کے جرأت مند افراد کی مدد سے سرزمین عرب میں پانچ ہم مرکز دائروں والا انقلاب پیدا کر دیا:

(ا) علمی انقلاب

اس کا سنگ بنیاد اس تعلیم سے رکھا گیا جو نبوت کے پہلے روز وحی الٰہی سے دی گئی تھی۔اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ جنگ بدر کے تیس جنگی قیدیوں کا فدیہ یہ قرار دیا گیا کہ جو قیدی روپیہ نہ دے سکیں وہ اہل مدینہ کے بچوں کو پڑھا دیں۔

(۲) سیاسی انقلاب

علمی انقلاب کے قیام سے جب علم عام ہوجائے، تو مطلق العنانی کا وجود ناممکن ہوجاتا ہے۔ کیوں کہ وہاں ریاست کے نظم ونسق کو چلا سکنے والوں کی کثرت ہوجاتی ہے۔ اس لیے کسی ایک کا غیر معمولی سیاسی طاقت حاصل کر سکنے کا کوئی امکان نہیں رہتا۔ ایسی ریاست میں شوراوی حکومت ہی چل سکتی ہے۔

چنانچہ اس انقلاب کا نتیجہ یہ نکلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ: ''وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ '' (یعنی نظامِ حکومت چلانے میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرتے رہا کریں) اوراسلامی نظامِ سیاست کا غالب رنگ یہ معین کیا گیا: ''وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ '' (یعنی نظامِ سیاست چلانے کے لیے باہمی مشورہ سے کام لینا) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ساری عمر صحابہ کرامؓ کے مشورے سے کام کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ کے وصال کے بعد بھی عرب میں شوراوی حکومت ہی قائم ہوئی جس کا سربراہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے خاندان کا کوئی فرد نہ تھا بلکہ اہل رائے کا چنا ہوا خلیفہ یعنی سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

(۳) اقتصادی انقلاب

اس علمی انقلاب نے معاشرتی طور پر علم کو روپے پر فضیلت دی اور اقتصادی طور پر اتنی بات لازم کردی کہ دولت محدود ہاتھوں میں گھومتی نہ رہے اور معاشرے میں کوئی شخص بھوکا ننگا نہ رہے۔ایسے ہی انسانی ضرورت کی اشیاء کو نفع بازی کے خیال سے روکے رکھنا حرام قرار دے کر قابل سزا جرم بنادیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ معاشرے کے اخلاق بلند ہوگئے اور آپس میں اعتماد بڑھ گیا اور سب لوگ قانون کے پابند ہوگئے۔

(۴) اَخلاقی انقلاب

قانون کی پابندی کا بہترین مظاہرہ یہ ہوتا ہے کہ افرادِ معاشرہ صرف علانیہ زندگی ہی میں پابندِ قانون نہ ہوں، بلکہ ان جگہوں اور وقتوں میں بھی پابندِ قانون رہیں جہاں اورجب قانون قائم رکھنے والی طاقت کا ہاتھ نہ پہنچ سکتا ہو۔ چنانچہ دورِ نبویؐ میں ایسی

مثالیں مل جاتی ہیں کہ اگر کسی سے کبھی قانون شکنی ہوگئی ، تو وہ اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دیتا تھا۔ یہ ایک عظیم الشان انقلاب تھا جو اس زمانے تک کسی ملک میں دیکھا نہ گیا تھا۔

(۵) روحانی انقلاب

یہ سب سے بلند اور سب سے اہم انقلاب تھا جو علمی، سیاسی ، اقتصادی، اور اخلاقی انقلابوں کے لازمی اور ضروری نتیجے کے طور پر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و تربیت سے ظہور پذیر ہوا ۔ اس کا ادنیٰ مظاہرہ اس قسم کا تھا جس میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبۂ جمعہ دیتے ہوئے ایک لخت فرما دیا:''یَا سَارِیَۃ !اَلْجَبَلُ ! اَلْجَبَلُ'' (یعنی اے ساریہؓ پہاڑ کی طرف سے بچنا)

یہ وہ پنجگانہ اہم مرکزِ انقلاب تھا جو سرزمین عرب میں قرآنِ حکیم کی تعلیم اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں کی کوشش سے ظہور پذیر ہوا۔

اس کے بعد یہ انقلاب عالمگیر شکل میں انہی حلقوں کی شکل میں ظاہر ہونے لگا ۔ چنانچہ سب سے پہلے علمی انقلاب ، جو بنی امیہ اور بنی عباس کے ذریعے سے تمام مسلم اقوام میں اور عربوں اور مسلمانوں کے ذریعے سے مغرب میں نمودار ہوا اور یورپ کی بیداری کا اہم ترین ذریعہ بنا۔

اٹھارویں صدی کا ہیجان

چنانچہ تاریخ بتلاتی ہے کہ اٹھارویں صدی میں بغداد اور قرطبہ کی طرف سے یورپ میں روشنی کی تیز کرنیں پڑیں تو یورپ میں ایک عمومی ہیجان شروع ہوا ، جب کہ عیسائی پادریوں نے علم ہیئت، ریاضی اور دیگر علوم کے ماہرین کی تحقیقات کو اپنے تنگ نظر ''علمی'' نظریات کے خلاف پاکر محققین کو وحشیانہ سزائیں دیں، جس سے غضب ناک ہوکر اہل علم نے عیسائیت کا انکار کرنے کی ٹھانی ،لیکن غلطی سے وہ صرف عیسائیت کا انکار کرنے کی بجائے مطلق مذہب اور مذہبیت کا انکار کر بیٹھے اور کہنے لگے کہ مادے کے سوا کائنات میں اور کوئی چیز ہے ہی نہیں ۔ اس سے انسانیت کی صحیح ترقی کم سے کم چند سو سال کے لیے پیچھے پڑ گئی۔

امام ولی اللہ دہلویؒ اوران کی حکمت

اسی زمانے میں حکمت الٰہی نے انسانیت کو اس غلطی پر متنبہ کرنے کے لیے سرزمین ہند میں ملت اسلامیہ کا ایک عظیم الشان فلسفی پیدا کیا، جسے دنیا امام ولی اللہ دہلویؒ کے نام سے یاد کرتی ہے۔

امام ولی اللہ دہلویؒ اٹھارویں صدی کے عین شروع میں 1703ء میں پھلت ضلع کے مظفرنگر (اُتر پردیش) میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے تمام تعلیم و تربیت اپنے محترم والد شیخ عبدالرحیم العمریؒ اور اپنے مکرم چچا ابورضا محمدؒ سے پائی۔ اپنے والدمحترم کی وفات پر دہلی میں مدرسۂ رحیمیہ میں کرسئ تدریس پر بیٹھے۔ یہ وہ سال ہے، جب سلطان محمد شاہ دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ کچھ عرصے بعد شاہ ولی اللہؒ حرمین شریفین تشریف لے گئے اور برعظیم ہند میں اسلامی انقلاب کا مرکز قائم کرنے کے لیے جس علمی اور روحانی استعداد کی ضرورت تھی، وہ حاصل کر کے دوسال کے بعد واپس تشریف لے آئے۔

امام صاحب نے اسلامی انقلاب قائم کرنے کے لیے جو کوششیں کیں، ان میں سے ایک عظیم الشان بنیادی کوشش یہ تھی کہ قرآنِ حکیم کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا تاکہ یہ پیغامِ الٰہی عوام تک پہنچ سکے۔ اس کے علاوہ تشریحی حواشی لکھے، جن میں متقدمین سے بعض اہم اختلافات کیے اور اپنے دعوے کو مدلل کیا۔

قرآنِ حکیم کی تعلیمات کے سمجھنے کی راہ میں جو مشکلات تھیں، وہ بھی امام صاحب نے دور کردیں۔ چنانچہ انہوں نے قرآنِ حکیم کی تفسیر کے اصول ایک کتاب ''الفوز الکبیر'' میں بیان فرمادیئے اور ایسے ہی بعض خاص الفاظ کی تشریح بھی لکھ گئے۔ ترجمے اور تشریحی حواشی وغیرہ کے علاوہ اس کتابِ عظیم کے مضامین کے سمجھنے کے لیے بعض ایسی کتابیں تصنیف فرمائیں، جن کی مدد سے اس کی فکری مشکلات بھی دور ہوجاتی ہیں۔ مثلاً ''تفہیماتِ الٰہیہ''، ''سطعات'' وغیرہ۔

قرآنِ حکیم کی حکمت کی تشریح حدیث نبویؐ کی شکل میں پہلے ہو چکی تھی۔ اس کی وضاحت کے لیے اور اسے اپنے فلسفے کی بنیاد بنانے کے لیے امام شاہ ولی اللہؒ نے ''حجۃ اللہ

البالغہ'' لکھی اور جو لوگ ان کی قرآنی حکمت کو محض عقلی انداز پر سمجھنا چاہیں، ان کے لیے ''بدورِ بازغہ'' تحریر فرمائی۔

حکمتِ ولی اللہ اور اس کے عظیم الشان امکانات

امام صاحب کا سب سے بڑا کارنامہ ان کی وہ حکمت ہے، جو قرآنِ حکیم کی تمام معاشی، سیاسی، طبیعاتی، اور مابعد الطبیعاتی تعلیمات کو منظّم کرنے میں بے نظیر ہے۔ یہ فلسفہ:

(۱) ایک طرف تو قرآنِ حکیم کی اس علمی ترجمانی کے عین مطابق ہے جو دورِ نبوی (مع دورِ خلفائے راشدین) میں کی گئی۔

(۲) دوسری طرف یہ عہدِ حاضر کی صحیح علمی تحقیقات کی تائید کرتی ہے اور قرآنی تعلیمات کو علم دوست اقوام کی ذہنیت کے قریب لاتی ہے۔

(۳) تیسری طرف تمام مذاہب کی مذہبی روحانی تعلیم کو ایسے انداز سے حل کر دیتی ہے کہ عقلِ سلیم کو اسے تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں رہتا: ع

کافر نتوانی شد، ناچار مسلمان شو

(کفر کی خرابی کی وَجہ سے کافر نہیں ہوسکتے، ناچار مسلمان ہوئے۔)

اس کے علاوہ اس میں یہ خوبی ہے کہ یہ فلسفہ مختلف اسلامی اقوام خصوصاً عربی اور عجمی اقوام کے فقہی اختلافات کو مٹاتا ہے۔ اس لیے جب کبھی پاکستان کو اپنی علمی، اخلاقی، روحانی، اقتصادی اور فوجی مضبوطی کے لیے کسی فلسفے کی ضرورت کا احساس ہوگا، تو یہ فلسفۂ ولی اللّٰہی ملک کی اندرونی تنظیم، عالمِ اسلام کی فیڈریشن کی تکمیل اور مذہبی اقوام کے ساتھ تعاون کا نہایت بیش قیمت ذریعہ ثابت ہوگا۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی وقت ہم روس کی جنوبی اسلامی ریاستوں کے ساتھ بھی خصوصی تعاون کی راہ کھول سکیں۔

معاشرۂ اسلامی کی تشکیل کا دینی شعور

یہ ہیں وہ عظیم الشان امکانات جو امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے کے مطالعے سے وجود میں آسکتے ہیں۔ اس میں معاشرتی ترقی کے لیے جو اصول بتائے گئے ہیں، وہ پاکستان میں بلند نظر اسلامی اصولوں کی تعلیم و تدریس کے لیے ناگزیر ہیں۔ ان اصولوں کے اختیار کر لینے سے ہم ایک طرف تو اعلیٰ درجے کا اسلامی معاشرہ قائم کرسکیں گے، جیسے حضرت

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا فرمایا تھا اور دوسری طرف وہ معاشرہ زمانۂ حال کی تمام علمی، معاشی، اخلاقی اور روحانی ضرورتوں کا حامل ہوگا اور دنیا کے ترقی پسند معاشرت کے لیے نمونے کا کام دے گا۔ ☆

انقلاب سیریز پر مشتمل ان تفسیری افادات (جنہیں اب ''قرآنی شعورِ انقلاب'' کے عنوان سے جمع کردیا گیا ہے) میں امام ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت کی روشنی میں قرآنی انقلاب کا دینی شعور حاصل کرنے کا بڑا سامان ہے۔ چنانچہ اسی مقصد کے لئے امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے تفسیری افادات کو جمع کیا گیا ہے۔ امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ وہ عظیم شخصیت ہیں جنہوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت کو جدید دور میں متعارف کروانے کے لئے انتہاء درجہ جدوجہد اور کوشش کی ہے۔ بلا شبہ اس آخری دور میں مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی نظر امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفہ اور فکر پر بڑی گہری تھی، اور اسی کے ساتھ دورِ حاضر کے سیاسی و معاشی افکار اور علوم کا مطالعہ بھی بہت گہرا تھا، مولانا سندھیؒ کے یہ تفسیری افادات دورِ حاضر کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے رہنماء اصولوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔

وما توفیقنا الا باللہ العلی العظیم

فقط: بشیر احمد لدھیانوی

۲۲۳ر سمن آباد لاہور



(☆ مولانا لدھیانویؒ نے یہ مضمون ''امام ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت کا مختصر تعارف'' کے عنوان سے لکھ کر شائع کیا تھا جسے جزوی تغیر و تبدل کے ساتھ کتاب کے مقدمہ کے طور پر شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔ آزاد)

قرآنی اساسِ انقلاب

سورت الفاتحہ کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

سورت الفاتحہ؛ اللہ کی نظر میں

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز میں بندہ سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

''قُسِمَتِ الصَّلٰوۃُ بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَ عَبۡدِیۡ نِصۡفَیۡنِ''

(نماز میرے اور میرے بندے کے درمیان آدھی آدھی تقسیم کی گئی ہے۔)

جب بندہ کہتا ہے: اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

حَمِدَنِیۡ عَبۡدِیۡ (میرے بندے نے میری ستائش وتعریف کی)۔

پھر جب بندہ کہتا ہے: الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ○

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَجَّدَنِیۡ عَبۡدِیۡ (میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی)۔

جب بندہ عرض کرتا ہے: اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ھٰذَا بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَ عَبۡدِیۡ (یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے)۔

جب بندہ کہتا ہے: اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ○ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ ○غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡھِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ○

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ھٰـذَا لِعَبۡدِیۡ وَلِعَبۡدِیۡ مَا سَأَلَ (یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو اس نے مانگا ہے)

(صحیح مسلم، کتاب الصّلوٰۃ، جلد1، صفحہ 296، حدیث نمبر395)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

سورۃ الفاتحہ

تمہید

سورت کا نام:

یوں تو اس سورت کے بہت سے نام حدیثوں میں آئے ہیں۔ لیکن چند ایک بہت مشہور ہیں۔ مثلاً ''الفاتحہ'' (دیباچہ قرآن) ''اُمُّ الکِتَاب'' (بنیادی تعلیم) ''الأساس'' (تعلیمات قرآنیہ کی بنیاد) سُورۃُ الدُّعاء (دعا والی سورت)۔ قرآن حکیم میں اسے ''سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِی'' (87:15) (سات آیات جو بار بار دہرائی جاتی ہیں) کا نام دیا گیا ہے۔

سورت کا زمانہ نزول:

حضرت نبی اکرم ﷺ پر غارِ حرا میں سب سے پہلے یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۝۲

اِقۡرَاۡ وَرَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ ۝۳ (سورہ علق 96:3-2-1)

''اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھیے جس نے پیدا کیا۔ انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھیے اور آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے''۔

ان آیات کے نازل ہونے کے چند روز بعد ہی پوری سورہ فاتحہ مع بسم اللہ نازل ہوئی اور یہ نماز کا ایسا لازم جزو قرار دی گئی کہ بلاواسطہ یا بالواسطہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

سورت کا مضمون:

یہ سورت قرآن حکیم کی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔

بات یہ ہے کہ انسان اجتماع (Society) میں رہ کر ہی ترقی کر سکتا ہے۔ خود اس کی فطرت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ چھوٹے چھوٹے اجتماع مل کر ایک انسانی برادری بن جائے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ ترقی کُن برادری ایک فکر رکھنے والے لوگوں کی ہو سکتی ہے جو لوگ اس فطری اصول کے خلاف چلیں وہ نہ صرف اس دنیا میں ناکام رہتے ہیں بلکہ اس ناکامی کی وجہ سے مرنے کے بعد کی زندگی (آخرت) میں بھی نامراد رہیں گے۔

قرآن حکیم انسان کی بلند ترین اجتماعی زندگی (Social Life) کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے سورۂ فاتحہ میں اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ انسانی فطرت کو سمجھنے والے اور اس کے مطابق کام کرنے والے لوگوں کو جمع کیا جائے۔ ایسی جماعت انسانی اجتماع کے مرکز میں رہے گی اور اس اجتماع کی رہنمائی کرے گی۔

انسانی فطرت کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اس فطرت کے سمجھنے کے لیے علم اور اس کے مطابق کام کرنے کی توفیق اسی سے حاصل ہوسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سورت کو دعاء کی شکل دی گئی ہے جس میں انسانی ارادے اور ہمت کو بھی کچھ دخل حاصل ہے۔ یہ دعا بھی اجتماعی رنگ میں ہے۔

اس سورت کا باقی سورتوں سے ربط

نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے دو درجے

(1) قومی درجہ:

جیسے اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے، سب سے پہلے سورہ ''العلق'' یا ''اقراء'' نازل ہوئی۔ (مکتوبی شکل میں یہ سورۃ نمبر 96 پر تیسویں پارے میں ہے) اس میں نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے پہلے درجے کا ذکر ہے۔ اس درجے میں آپ کا مقصد قریش اور ان کے اردگرد بسنے والے عرب قبیلوں کی اصلاح تھا۔[1] یہ گویا آپ کی نبوت کا قومی درجہ تھا۔

---

[1] امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

اس امام کے لیے جو مختلف قوموں کو ایک فکر پر جمع کرے چند اصول کار ضروری ہوں گے۔ ان اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ پہلے ایک قوم کو راہ راست کی طرف بلائے گا اور اسی کے اخلاق کو ٹھیک کر کے ان کی حالت کی اصلاح کرے گا۔ پھر اسے اپنی تحریک کی اشاعت کے لیے آلہ کار بنائے گا اور اس کی مدد سے دنیا کی دوسری قوموں سے جہاد کرے گا۔ وہ اپنے (قومی) ساتھیوں کو دنیا کی مختلف قوموں میں بکھیر دے گا۔ چنانچہ سورۂ آل عمران کی آیت كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (تم امت کا بہترین حصہ ہو جو تمام انسانوں کے لیے مبعوث ہوئے ہو) کے یہی معنی ہیں۔''

(حجۃ اللہ البالغہ ج 1 باب الحاجة الى دين ينسخ الاديان ص 118)

مہاجرین اور انصار کی ابتدائی جماعت قریش اور ان کے اردگرد کے قبیلوں کے اسلام لانے کا باعث بنی۔ پھر قریش اور یہ لوگ عراق اور شام کی فتح کا ذریعہ بنے۔ اور قریش اور عراق وشام کے لوگ فارس اور روم کی فتح کا وسیلہ بنے۔ اور ان کے ذریعے سے ہند، ترکستان اور سوڈان کے علاقے فتح ہوئے۔'' (حجۃ اللہ البالغہ ج 2 ، باب الجهاد ص 172) (مرتب)

انسان اپنی قوم کو اپنے طبعی رشتوں یعنی ماں باپ کے ذریعے سے پھیلنے والے سلسلوں سے پہچانتا ہے۔ اگر وہ اپنے حسب و نسب کی کڑیوں کا دور تک تتبع کرے تو وہ دیکھے گا کہ اس کے خاندان کے افراد ہی کے پھیلنے سے اس کی قوم کا اکثر حصہ بنا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے پہلی سورت۔ العلق کا آغاز اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ (پڑھ اپنے پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا۔) سے کیا ہے جس میں اس نے اپنے آپ کو انسان کے خالق اور پروردگار کی حیثیت سے پہچانوایا ہے۔

(2) بین الاقوامی درجہ:

آپ کی نبوت کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ آپ ملت حَنِيْفِيَة ابراہِيْمِيَّه پر تمام اقوام عالم کو جمع کریں گے۔ کیونکہ انسان کی نوعی ترقی کا یہی راستہ ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس دعاء ''الفاتحہ'' میں اپنے آپ کو ''رَبُّ الْعَالَمِيْن'' کی حیثیت سے شناخت کر دیا ہے۔ اس تمہیدی دعا کے بعد سورۂ بقرہ وغیرہ باقی قرآن حکیم میں تمام اقوام عالم کے لیے بنیادی دستورِ حیات دیا گیا ہے' جس پر انہیں جمع کیا جائے گا۔

یہ سورت قرآن حکیم کا مقدمہ ہے۔ اس میں نبی اکرم ﷺ کی دعوت کی عالمی حیثیت کی طرف اشارہ ظاہر کرتا ہے کہ آپؐ کی نبوت کا یہ درجہ ہی آپؐ کی بعثت کا اصل مقصد ہے۔ اور سورۂ العلق کو قرآن حکیم کے آخر میں لے جانا ظاہر کرتا ہے کہ قومی درجہ جس کی طرف سورۂ العلق میں اشارہ ہے' بین الاقوامی عالمی درجے کے لیے بطور تمہید اور وسیلے کے تھا۔ اس لیے انسانیت کے اندر عالمی تحریک ہی قرآن حکیم کی دعوت کا عنوان بن سکتی ہے۔

امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

اَلْاَنْبِيَآءُ قَبْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوْا يُبْعَثُوْنَ اِلٰى اَقْوَامِهِمْ خَاصَّةً ---- وَبُعِثَ نَبِيُّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى كَافَّةِ النَّاسِ (حجۃ اللہ البالغہ ج 1' باب اسباب النسخ ص 124)

یعنی نبی اکرم ﷺ سے پہلے جو انبیاء گزرے ہیں وہ سب کے سب اپنی اپنی خاص قوم کی طرف بھیجے گئے تھے۔ لیکن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ دنیا

کی تمام اقوام کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔

نیز فرماتے ہیں کہ:

”وَلَمَّا كَانَ الشَّرُّ السَّارِىُ فِىُ زَمَنِ اِبُرَاهِيُمَ عَلَيُهِ السَّلَامُ هُوَ نِسُيَانُ التَّوُحِيُدِ نَزَلَ الُحَقُّ بِأَزَآئِهٖ بِاشَاعَةِ التَّوُحِيُدِ وَ تَوُلِيُدِ الُعِبَادَاتِ مِنُ طَهَارَةٍ وَصَلٰوةٍ وَ زَكٰوةٍ وَحَجٍّ وَّ صَوُمٍ وَ ذِكُرٍ۔

وَلَمَّا كَانَ الشَّرُّ السَّارِىُ فِىُ زَمَنِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ اخُتِلَالُ الُمِلَلِ وَانُقِلَابُ الُاِرُتِفَاقَاتِ خَاصَّةً عَلٰى اَصُحَابِهَا وَكَانَ الُاَمُرُ اَشَدُّ وَاَقُسٰى نَزَلَ الُحَقُّ بِأَزَآئِهٖ بِالُجِهَادِ وَ اِشَاعَةِ الُعِبَادَاتِ وَتَوُقِيُتِهَا وَالُقَضَآءِ بِزَوَالِ دَوُلَةِ الرُّوُمِ وَالُعَجَمِ وَانُتِظَامُ اَمُرِ النَّبُوَّةِ كَهَيُئَةِ الُاِرُتِفَاقِ الرَّابِعِ فَفَتَحَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ بَا بًا مِنَ الُخَيُرِ لَمُ يُفُتَحُ قَبُلَهٗ وَ انُتَظَمَتُ بِهٖ اُمَّة“ مِنَ النَّاسِ هِىَ خَيُرُ اُمَّةٍ اُخُرِجَتُ لِلنَّاسِ (التفیهمات الإلٰهیه، جلد اول تفہیم نمبر 19 ص 83-82)

چونکہ سیدنا ابراہیمؑ کے زمانے میں نسیان توحید کا شر معاشرہ انسانی میں پھیل چکا تھا اس لیے حق اس کے بالمقابل نازل ہوا۔ یعنی اشاعت توحید اور طہارت، صلوۃ، زکٰوۃ، حج، روزوں اور ذکر الٰہی کی عبادات جاری کرنے کی شکل میں۔ لیکن چونکہ ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اقوام عالم کی ثقافتوں میں خلل پڑ چکا تھا۔ اور ان کی ارتفاقی زندگی میں بگاڑ پیدا ہوگیا تھا۔ اور یہ حالت نہایت شدید صورت اختیار کرگئی تھی۔ اور یہ خرابیاں اقوام دنیا کے بدن میں دور تک سرایت کر گئی تھیں۔ اس لیے اب حق ان ضرورتوں کے لیے نازل ہوا۔ اور قرار پایا کہ ان خرابیوں کے خلاف جہاد کیا جائے اور عبادات کی اشاعت کی جائے، ان کے ادا کرنے کے اوقات معین کر دیئے جائیں۔ اور قضا و قدر نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ رومی اور ایرانی سلطنتیں برباد کر کے ان کی جگہ نبویؐ نظام بین الاقوامی پیمانے پر قائم کیا جائے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ

نے تشریف لا کر انسانی فلاح و خیر کا دروازہ کھولا جو آج تک نہ کھلا تھا۔ اور اس خیر و فلاح انسانی کی تعلیم کے ذریعے سے انسانوں میں سے ایک ایسی امت (جماعت) منظّم کی جو نوع انسانی کے لیے بہترین (نمونے کی) جماعت بن گئی۔ (مرتب)

حنیفیت عالمی تحریک ہے

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تحریک عالمی تحریک (World Movement) ہے صرف عربی تحریک نہیں ہے۔ عربی تحریک اس عالمگیر تحریک کی ترقی کا ایک زینہ تھی اور اس کے ارتقاء کی ایک منزل۔ یہ عالمی تحریک اصل میں حنفی تحریک ہی ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ نوع انسانی کو اس کی فطرت کے مطابق کمال تک پہنچائے۔

دینی اور سیاسی تحریک میں فرق

حنفی تحریک میں ذہنی، عقلی، معاشی اور معاشرتی سب پہلو موجود ہیں۔ اور ان سب پہلوؤں میں ترقی ہی اسے تکمیل تک پہنچا سکتی ہے۔ ان پہلوؤں کے لحاظ سے یہ تحریک دینی بھی ہے اور سیاسی بھی۔ لیکن آج کل بعض لوگ دینی تحریک اور سیاسی تحریک میں فرق کرتے ہیں۔ یہ لوگ دینی تحریک کو خیالی (Idealistic) تحریک کہتے ہیں اور اس لحاظ سے یہ صرف رہبانیت کی تحریک بن کر رہ جاتی ہے۔ سیاسی تحریک کو حقیقت پسندانہ (Realistic) تحریک قرار دیتے ہیں لیکن ہمارے نزدیک حنفی تحریک کے بارے میں ''دینی'' اور ''سیاسی'' کی یہ تقسیم صحیح نہیں ہے اور نہ یہ تقسیم کسی مضبوط بنیاد پر قائم ہے۔

اصل میں انسانیت شروع سے آخر تک ایک وحدانی (Unitary) چیز ہے۔ اسے تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ اجتماعیت انسانی کی کسی تحریک کو عمل کی سہولت کی غرض سے دینی اور سیاسی اجزاء میں تقسیم بھی کر لیا جائے تو اس سے دو تحریکیں نہیں بن جاتیں۔ کیونکہ ان دونوں کا مقصد بہرکیف انسانیت عامہ کی ترقی ہی رہتا ہے۔ جب اہل دین ایسے خیالات اور اعمال کی طرف رجعت اختیار کر لیں جو غیر محققانہ (Unscientific) ہوں

یا اہل سیاست انسانیت کے صرف معاشی پہلو کو لیکر بیٹھ جائیں اور انسان کی مکمل انسانیت کی ترقی کی طرف سے آنکھیں بند کرلیں تو یہ اختلاف صرف اصطلاحی (Terminological) اختلاف رہ جاتا ہے۔ ہم ان دونوں کی طرف التفات نہیں کرتے۔ اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیے کہ ایک بادشاہ ممالک فتح کرنے کے در پے ہو جاتا ہے تاکہ ان میں ظلم دور کرکے انصاف و عدل قائم کرے۔ ایک اور شخص سوسائٹی میں صحیح علم پھیلانے میں لگ جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ دونوں انسانیت کی تکمیل کر رہے ہیں۔ ان میں آپس میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اصل میں صحیح دین وہ ہے جس کے امام سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ وہی کامل اور مکمل انسانیت سے بحث کرتا ہے۔ اور ان کی تحریک عالمی تحریک ہے جو ایک ہی وقت میں دینی بھی ہے اور سیاسی اور معاشی بھی۔ اس تحریک کو بین الاقوامی پیمانے پر ترقی دینے کے لیے حضرت محمد ﷺ مبعوث ہوئے ہیں۔

دین کو سیاست کی ضرورت

ایک علمی شخص اپنے علم کو انسانیت عامہ کے لیے مفید دیکھتا ہے۔ وہ یہ علم ان لوگوں کو سکھاتا ہے جو اسے سیکھ سکتے ہیں۔ اس فکر پر ان کے جمع ہو جانے سے طبعی طور پر جماعت (Party) بن جاتی ہے جو اس اجتماع سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ اگر وہ شخص چاہے کہ اس کے عمل کو کوئی اور لوگ جو اس کے طریقے سے واقف نہیں ہیں یا جو اس فکر کی ترقی میں اپنے ذاتی مفادات (Vested Interests) کا نقصان تصور کرتے ہیں، قوت کے ذریعے سے خراب نہ کر دیں تو کیا صحیح علم کے مالک کے لیے یہ ضروری نہ ہوگا کہ اپنے فکر کی حفاظت کے لیے قوت دفاع (Defensive) مہیا کرے؟ اور کیا اس طرح اسے سیاست کے میدان میں آنا نہیں پڑے گا؟ اس سے ظاہر ہے کہ صحیح علم کے لیے سیاست (Politics) اور حکومت (State/Government) ضروری اور ناگزیر ہیں۔ اس لیے جب ہم کہتے ہیں کہ انسانیت ناقابل تقسیم وحدت ہے تو اس سے ہماری یہی مراد ہوتی ہے۔

امام ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں کہ:

وَيَجِبُ بَذْلُ الْجُهْدِ عَلٰى اَهْلِ الْآرَاءِ الْكُلِّيَّةِ فِىْ اِشَاعَةِ الْحَقِّ وَتَمْشِيتِهٖ واِخْمَالِ الْبَاطِلِ وَصَدِّهٖ فَرُبَّمَا لَمْ يُمْكِنْ ذٰلِكَ اِلَّا بِمُخَاصَمَاتٍ اَوْ مُقَاتَلاَتٍ فَيُعَدُّ كُلُّ ذٰلِكَ مِنْ اَفْضَلِ اَعْمَالِ الْبِرِّ

(حجتہ اللہ البالغہ ج 1 باب الرسوم السائرہ فی الناس ص 50 طبع منیریہ مصر)

"جو لوگ انسانی معاشرے کی کلی اصلاح حال کے رنگ میں سوچتے ہیں' ان پر واجب ہوتا ہے کہ اشاعت حق کرنے اور اسے معاشرے میں چلانے کے لیے اور باطل کا زور توڑنے اور اس کا نفاذ روکنے کے لیے پوری پوری (جانی مالی) کوشش کریں۔ لیکن اکثر یہ کوشش صرف ان شکلوں ہی میں ممکن ہو پاتی ہے کہ مخالفین حق کے خلاف نشر واشاعت کی جائے۔ اور قتال کیا جائے۔ اس صورت میں یہ دونوں اعمال بہترین نیکی کے اعمال شمار ہوتے ہیں۔"

ایسے ہی یہ بھی صحیح ہے کہ جب کوئی جماعت انسانی منافع میں سے کسی ایک حصے کی خدمت کے لیے اٹھے لیکن وہ اپنے آپ کو جامعۂ انسانیہ (Human Society) کا ایک جزو تصور کرے' تو اس کے پروگرام کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن یہ غلط ہوگا کہ وہ جماعت اپنی جزوی خدمت کو کلی قرار دے کر دوسری جماعت کے خلاف صف آراء ہو جائے۔ اور یہ تو اور بھی بڑی حماقت ہوگی کہ وہ کلی تحریک کا انکار کر دے یا اس کی طرف التفات نہ کرے۔

الغرض آئمہ ادیان ہی اصل میں جامعہ انسانیہ (Human Society) کے حقیقی امام ہوتے ہیں جو لوگ انسانی سوسائٹی کے منافع میں سے چند ایک کو لے کر کام کرتے ہیں وہ انبیاء سے کم درجے کے لوگ ہوتے ہیں۔ جو اہل سیاست اور اہل فلسفہ وحکمت اور جو سائنسدان اپنے آپ کو ان آئمہ دین کے تحت بطور جزوی کارکن لے آئیں وہ طبعی طور پر ان آئمہ سے دوسرے درجے پر شمار ہوں گے۔ جو شخص دین کے معنی سمجھتا ہے[1] اور

1۔ سمجھنے کے لیے "حجتہ اللہ البالغہ" مصنف امام ولی اللہ دہلویؒ باب بیان اصل الدین واحد والمناھج مختلفہ (ج 1) اور ابواب مابعد پڑھنے چاہئیں۔ اور اجتماعیت کے سمجھنے کے لیے اس کتاب کے ابواب ارتفاقات کا گہرا مطالعہ کرنا چاہیے اور اس مطالعے کو "البدور البازغہ" مصنفہ امام صاحب کے مطالعے سے تقویت دینی چاہیے۔ (مرتب)

اجتماعیت کا مفہوم بھی جانتا ہے اور اہل سیاست و فلسفہ میں سے خدام انسانیت کی بھی پہچان رکھتا ہے، وہ آئمہ دین کے سوا کسی کو اجتماعیت انسانیہ کا امام تسلیم نہیں کرسکتا۔

عام مورخین بین الاقوامی تحریک کی ابتداء سکندر مقدونی (Alexander of Macedonia) سے کرتے ہیں لیکن ہماری تحقیق یہ ہے کہ عالمی انسانی تاریخ کا آغاز سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی نسبت قرآن حکیم میں آیا ہے کہ **اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا** (124:2) ''میں تجھے نوع انسانی کا امام بناؤں گا۔'' اور ان کی اولاد اس عالمی پیشوائی کے لیے کام کرتی رہی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام ایسے ہی امام ہیں اور حضرت محمد رسول ﷺ انہی کی تحریک کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔

چونکہ قرآن حکیم بین الاقوامی تحریک پیدا کرتا ہے جس کی ابتداء سیدنا ابراہیمؑ نے کی اس لیے اس کی پہلی سورت میں ''**رَبُّ الْعَالَمِیْنَ**'' کا تصور دیا گیا ہے۔

==========

سورة الفاتحہ (1)

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۱﴾

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ﴿۲﴾

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ﴿۳﴾

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؕ﴿۴﴾

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ﴿۵﴾

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ۬

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿۷﴾ؑ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

تفسیر سورت

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَۙ ۝۱ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِۙ ۝۲ مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِؕ ۝۳
(سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو پالنے والا سارے جہان کا، بے حد مہربان نہایت رحم والا، مالک روزِ جزا کا)

تشریح الفاظ

حمد: جو فعل کسی کے اپنے علم و اختیار اور ارادے سے صادر ہوا ہو اس کی حقیقی تعریف کرنا۔

مدح: کسی ایسی چیز یا فعل کی تعریف جو اختیاری نہ ہو جیسے حسن کی تعریف۔

ثناء: بار بار خوبیاں بیان کرنا۔

ال: یا تو ''جنس'' کے لیے ہے اس صورت میں اس سے مراد ہوگی حقیقی اور اصلی تعریف یا ''استغراق'' کے لیے۔ اس حالت میں اس سے مراد ہوگی ہر قسم کی تعریف اور ''تمام تعریفیں''۔

ل: تخصیص کے لیے یعنی حقیقی حمد و تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔

اللّٰه: اسم ذات ہے یعنی وہ پاک ذات **حَقِيۡقَةُ الۡحَقَائِقِ وَ وَجُوۡدُ اَقۡصٰى** جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی وہی وجود کا منبع اور مصدر ہے۔ اور ہر ایک شے اسی سے اور اسی کے ارادے سے وجود پاتی ہے۔ وہی تمام مخلوقات کو قائم رکھتا ہے اور ارتقاء (Evolution) کی منزلیں طے کراتا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا صفاتی نام نہیں بلکہ اسمِ علم ہے۔ اگرچہ یہ غیر مشتق ہے لیکن عربی زبان کی عام خوبی کے مطابق اس میں بھی ایک خصوصیت پائی جاتی ہے۔ یعنی اس لفظ میں جذب اور کشش کا مفہوم پایا جاتا ہے------

چنانچہ عربی میں کہتے ہیں (1) **وَلَهَ الصَّبِیُّ اِلٰی اُمِّهٖ** (بچہ گھبرا کر اپنی ماں کی طرف لپکا) **وَلَهَتِ الۡاُمُّ اِلٰی وَلَدِهَا** (ماں کا دل اپنے بچے کی طرف کھنچ گیا) گویا اللہ

وہ ذات ہے جس کی طرف ہر شے بلکہ کائنات کا ایک ایک ذرہ کھنچتا ہے۔ وہی سب کا محبوب اور سب کی محبت کا مستحق ہے کیونکہ وہی حسن اور احسان کا مرکز ہے۔1؎

''رَبّ'' :

پرورش کرنے والا اور تربیت کر کے تکمیل تک پہنچانے والا۔

''اَلْعٰلَمِیْن'' : (واحد: العالم)

(1) جہان، ساری دنیا (2) مخلوقات کی تمام انواع (3) اقوام

''اَلرَّحْمٰنِ'' : (مادہ: رحم، دل پگھلنا، شفقت)

اللہ تعالیٰ کی ایک تجلّی جس کا تعلق عالم (Cosmic Universe) کی تخلیق کے ساتھ ہے۔ بقول امام ولی اللہ دہلویؒ کائنات کا مادہ اسی تجلّی سے وجود میں آیا۔2؎

''اَلرَّحِیْمِ'' : (مادہ: رحم)

اللہ تعالیٰ کی وہ تجلّی یا صفت جس کا تعلق دنیا اور آخرت میں بندوں کے عملوں کی جزا و سزا دینے سے ہے۔

تفسیر آیات

آیت نمبر 1: (الف) **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ**

''سب تعریف کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے''۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ رب العالمین نے قرآن حکیم کے ذریعے سے جو بین الاقوامی نظام قائم کیا ہے وہ ہر لحاظ سے قابل تعریف ہے۔ اس میں کوئی نقص نہیں ہے۔

بہترین نظام : یہ نظام جو اللہ تعالیٰ نے انسانی قوموں میں پیدا کیا ہے اور جو فطرت انسانی کے عین مطابق ہے، بہترین نظام ہے۔ اس سے بہتر نظام ذہن میں آنا ممکن نہیں۔ اس لیے انسان کو یہ نظام بین الاقوامی پیمانے پر چلانے میں اپنی ساری ہمت اور کوشش صرف کر دینی چاہیے۔

1؎ اعلم ان للارواح حضرة تنجذب الیها انجذاب الحدید الی المغناطیس وتلک الحضرة هی حظیرة القدس (باب ذکر شیئی من وقائع الحشریة ج۔1، حجۃ اللہ البالغہ ص 76)

2؎ سطعات۔ سطعہ سوم (مرتب)

بعض حکماء کا قول ہے کہ جو کچھ پیدا ہو چکا ہے اس سے بہتر پیدا ہونا ناممکن ہے۔ یہ قول حکمت انسانی کے کمال کا اظہار کرتا ہے۔ لیکن بعض دوسرے حکماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ وہ اس سے بہتر بنا سکتا ہے اگر وہ نہ بنا سکے تو یہ اس کا نقص سمجھا جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ بلند درجے کے حکماء کا قول ہے کہ اس کائنات کی نہ ابتداء ہے نہ انتہا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ موجودہ کائنات ہی ازلی و ابدی ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات مختلف ادوار میں منقسم ہے اور ایک دور اپنے پہلے دورے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس طرح اقتضائے حکمت کے مطابق ادوار کا سلسلہ جاری ہے، یہ کہیں ختم ہونے میں نہیں آتا۔ لیکن ایک انسان کو تفصیلی علم صرف ایک دورے ہی کا ہوسکتا ہے۔ پچھلے اور آنے والے دوروں کا اسے علم نہیں ہوسکتا۔ البتہ عقل سلیم اسے لازماً تسلیم کرتی ہے کہ چونکہ تعطل صفات الٰہی ناممکن ہے' اس لیے یہ سلسلہ ضرور قائم و دائم رہنا چاہیے۔ ہمیں ادوار کا علم ہو سکے یا نہ ہو سکے۔

اب اصل سوال لیجئے کہ کیا جو کچھ ہے اس سے بہتر ممکن ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ''ہاں'' اور ''نہیں''۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ اس سے بہتر ممکن ہے' وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ایک دورے سے دوسرا دورہ بہتر ہونا ممکن ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ اس سے بہتر ہو ہی نہیں سکتا' وہ اصل میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ موجودہ دورے میں جو چیز پیدا ہوئی ہے' وہ اس دورے کی فطرت کے عین مطابق ہے اس لیے کہ اس دورے میں اس سے بہتر ممکن نہیں۔[1]

ہماری غرض اس سارے بیان سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو ایک خاص فطرت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ اس سارے نظام میں موزوں ہونے کے لیے اس سے بہتر چیز وجود میں آ سکے۔ جو بہترین چیز اس نظام عالم میں وجود میں آنی ممکن تھی وہ وجود میں آ چکی۔ اس لیے فطرت انسانی جو تمام اقوام اور افراد میں مشترک ہے اور

[1] اس کی مثال یوں سمجھنا چاہیے کہ ایک کاریگر گھڑی بناتا ہے۔ اس کی نسبت کہا جاسکتا ہے کہ اس کے پرزے اس میں اس طرح وابستہ ہیں کہ اس کی تخلیق کے مقصد کو بہترین انداز پر پورا کرتے ہیں۔ اس سے بہتر وابستگی ممکن نہیں۔ اس کے یہ معنی تھوڑے ہیں کہ اس سے بہتر کوئی اور گھڑی بنانا ممکن نہیں ہے' جو گھڑی اس سے بہتر بنے گی اس کے اپنے پرزوں میں سے ہر ایک پرزہ اس کے لیے بہترین ہوگا' کیونکہ وہ اس گھڑی کے مقصد تخلیق کو بہترین طور پر پورا کرے گا۔ (مرتب)

انسانی اجتماعیت کی بنیاد ہے کوئی نقص نہیں پایا جاتا۔ اس لیے یہ تعلیم جس پر انسانیت کو منظّم کیا جا رہا ہے بہترین تعلیم ہے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ ہر لحاظ سے لائق حمد و ستائش ہے۔

جب یہ معرفت اچھی طرح سے صاف ہو کر انسان کے دل میں جم جاتی ہے' وہ دین اسلام کو دل سے قبول کر لیتا ہے اور اسے اچھی طرح سے سمجھ جاتا ہے۔ اگر یہ معرفت اس کے دل میں راسخ نہ ہو' وہ لادینی بن جاتا ہے اور وہ راہ راست سے بھٹک کر اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا ہے۔

آیئے اب اس آیت پر ایک اور پہلو سے نظر ڈالیں۔

اچھی اور بُری چیزیں: دنیا میں دو قسم کی فکر رائج ہے۔

ایک فکر کے مطابق کوئی چیز اچھی ہے یا بُری ہے۔ جو چیز اچھی ہے وہ بنی ہی اچھی ہے۔ وہ ہر ماحول میں اچھی ہی رہتی ہے۔ جو بُری ہے وہ بنی ہی بُری ہے' وہ اچھے ماحول میں بھی بُری ہی رہتی ہے۔

دوسرا خیال یہ ہے کہ اصل میں کوئی چیز بُری نہیں ہے وہ کسی ماحول میں بُری بن گئی ہے اگر اس کا ماحول بدل دیا جائے تو وہ بُری نہیں رہے گی۔[1]

صحیح اصول یہ ہے کہ کوئی چیز اپنی فطرت میں بُری نہیں ایک چیز خاص حالات میں ایک خاص ضرورت پوری نہیں کرتی اسے بُری کہہ دیا جاتا ہے۔ اشیاء کو انسان کے نوعی تقاضوں کے مطابق دیکھا جائے تو کسی چیز کی اچھی یا بُری ہونے کا معیار یہ ہوگا کہ وہ چیز انسان کے ان تقاضوں کے ساتھ موافقت رکھتی ہے یا مخالفت۔ اچھی چیز وہ ہے جو انسان کے نوعی تقاضوں کے موافق ہے۔ اور بُری چیز وہ ہے جو انسان کے نوعی تقاضوں کی مخالف ہے۔ یہ ہے وہ اصول جو امام ولی اللہ دہلویؒ پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

1۔ جب کوئی قوم اپنے بلند درجے سے گر جاتی ہے اور اشیاء کی حقیقت پر غور کرنا اور اپنا حساب لینا چھوڑ کر بے فکری اختیار کر لیتی ہے تو یہ نظریہ اختیار کر لیتی ہے کہ ہر شے اپنی فطرت میں اچھی یا بری ہے ماحول کے بدل جانے سے اس کی اچھائی برائی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ یہ خیال اس لیے بنا لیتی ہے کہ وہ اپنے بدلے ہوئے (برے) ماحول کی وجہ سے اپنے میں کسی برائی کی قائل نہیں ہونا چاہتی۔ وہ اپنی گراوٹ پر قناعت کر لیتی ہے اور یہ سوچ کر اطمینان کر لیتی ہے کہ بلا سے ماحول بگڑ گیا۔ تو کیا ہوا ہم تو اچھے ہی ہیں وہ ان خوبیوں کی جو وہ اپنے مخالفوں میں پاتی ہے قائل نہیں ہونا چاہتی' کیونکہ اگر وہ اپنے مخالفوں میں خوبیاں تسلیم کر لے تو اسے اپنے برے ماحول کو بدل کر وہی خوبیاں اپنے اندر پیدا کرنی پڑتی ہیں یہ ایک انقلاب ہے جس سے وہ عاری ہو چکی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک یہ نظریۂ انقلاب اس کے اندر نہ آئے اس کی حالت کا تغیر ناممکن ہوتا ہے۔ (مولانا عبیداللہ سندھیؒ)

فَکَذٰلِکَ لِلْبِرِّ سُنَنٌ، اَلْھَمَھَا اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤَیِّدِیْنَ بِالنُّوْرِ الْمَلَکِّی الْغَالِبِ عَلَیْھِمْ خُلُقُ الْفِطْرَۃِ بِمَنْزِلِۃِ مَا اَلْھَمَ فِیْ قُلُوْبِ النَّحْلِ مَا یُصْلِحُ بِہٖ مَعَاشَھَا فَجَرَوْا عَلَیْھَا وَاَخَذُوْا بِھَا وَاُرْشِدُوْا اِلَیْھَا وَحُثُّوْا عَلَیْھَا فَاقْتَدٰی بِھِمُ النَّاسُ وَاتَّفَقَ عَلَیْھَا اَھْلُ الْمِلَلِ جَمِیْعُھَا فِیْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ عَلٰی تَبَاعُدِ بُلْدَ اِنِھِمْ وَاخْتِلَافِ اَدْیَانِھِمْ بِحُکْمِ مُنَاسَبَۃٍ فِطْرِیَّۃٍ وَ اقْتِضَاءٍ نَوْعِیٍّ (حجۃ اللہ البالغہ، باب مبحث البرّ والاثم ج1 ص 58)

(ایسے ہی اچھائی کی شکلیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان اشخاص کے دلوں میں بذریعہ الہام ڈالی ہیں جن کی ملکی نور مدد کرتا ہے۔ ان پر فطرتی خلق غالب ہوتا ہے۔ اس کی مثال ویسی ہی ہے جیسے شہد کی مکھی کے دل میں وہ طریقے ڈالے گئے جن کے مطابق وہ معاشی زندگی بسر کرتی ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے وہ طریقے اختیار کر لیے اور ان پر کام کرتے رہے۔ اور دوسرے لوگوں کی بھی رہنمائی کرتے رہے۔ اور انہیں ان کے اختیار کرنے کی تاکید کرتے رہے۔ پھر لوگوں نے ان کی پیروی شروع کر دی۔ اور اس طرح سب ملّتوں کے لوگ کرۂ زمین کے مختلف خطوں میں بستیوں کے دور دور ہونے اور مذہبوں کے اختلاف کے باوجود زندگی بسر کرنے کے لیے ان طریقوں پر متفق ہوگئے۔ اور یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ ان سب گروہوں کے افراد میں ایک فطری مناسبت موجود ہے اور وہ سب ایک نوعی تقاضے سے متاثر ہوتے ہیں۔[1]

اس کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ جو چیز انسان کے لیے بُری ہے ہوسکتا ہے کہ کسی اور مخلوق کے لیے اچھی ہو۔[2]

---

1. اس موضوع کے مزید مطالعے کے لیے ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغہ ج (1) باب انشقاق التکلیف من التقدیر (ص 20)، (2) باب کیفیۃ استنباط الارتفاقات (ص 38)، (3) باب حقیقۃ السعادۃ وغیرہ (مرتب)

2. جیسے کاربن ڈائی آکسائیڈ (Carbon Dioxide) جو حیوانات کے تنفس کے لیے مضر ہے لیکن نباتات کے لیے مایۂ حیات ہے۔ (مرتب)

ان دونوں اصولوں کے جمع کر لینے سے معلوم ہوا کہ کائنات میں کوئی شے بُری اور غیر مفید ہے ہی نہیں۔ بلکہ ہر ایک شے کسی نہ کسی لحاظ سے کسی نہ کسی حالت میں کسی نہ کسی مخلوق کے لیے مفید ہی ہے۔ کوئی چیز بیکار اور فالتو نہیں۔ جو چیز وجود میں آئی ہے اس کا وجود میں آنا ضروری تھا۔ کائنات کو جو فائدہ اس شے سے حاصل ہوسکتا ہے وہ کسی اور شے سے حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔[1]

اس سے بہرحال ہر شے کو وجود میں لانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنا پڑتی ہے جس نے کائنات کے ذرے ذرے کو مفید بنایا اور کسی نہ کسی حکمت کے تحت پیدا کیا ہے۔

حمد الٰہی کے چار گوشے:

انسان اس بات کو کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی حمد و ستائش کا مستحق ہے، چار پہلوؤں میں سمجھ سکتا ہے۔

(1) وہ رب العالمین ہے۔
(2) وہ الرحمٰن ہے۔
(3) وہ الرحیم ہے۔
(4) وہ مالک یوم الدین ہے۔

آیت نمبر 1: (ب) رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''جو اقوامِ عالم کا رب ہے''۔

رَبّ'': اس کے معنی ہیں کسی شے کو تدریجاً نشوونما دے کر تکمیل تک پہنچانے والا[2] انسانیت کی تکمیل یہ ہے کہ انسان وہ مقصد سمجھ لے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے اور اس میں فنا ہو جائے۔ یعنی اس مقصد کی تکمیل کے سوا اور کسی کام کا خیال اس کے ذہن میں نہ آئے۔ یہ انفرادی درجہ تکمیل ہے۔

---

[1] امام ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ فَنَحْن ... نَعْلَمُ قَطْعًا اَنَّهُ لَا يُوْجَدُشَيئ' اِلَّا وَ هُوَاَحَقُّ بِاَنْ يُّوْجَدَ (حجۃ اللہ البالغہ ج 1، باب ذکر سنۃ اللہ ص 17) یعنی ہم پورے یقین کے ساتھ جانتے ہیں جو شے وجود میں لائی جاتی ہے اس کا وجود میں لایا جانا ہی سب سے زیادہ ضروری ہوتا ہے (ورنہ وہ وجود میں لائی نہ جاتی)۔ (مرتب)

[2] دیکھیے! مفردات القرآن للراغب

اَلْعَالَمِیْنَ : یہ جمع ہے عالم کی۔ اس کے تین معنی ہیں۔

(1) اللہ تعالیٰ کے سوا باقی تمام چیزیں۔

(2) مخلوقات کی مختلف قسمیں مثلاً عالم موالید (Organic World) عالم جمادات (Inorganic World)۔

(3) مختلف انسانی اقوام (Groups)

''رَبُّ الْعَالَمِیْن '' کے معنی : اس میں شک نہیں کہ تمام کمالات الٰہی مخلوقات کے ذریعے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور ذات الٰہی ان کمالات کی وجہ سے لائق حمد و ستائش ہے۔ لیکن ذرا غور کیا جائے تو اس سورت میں تیسرے معنی زیادہ موزوں معلوم ہوتے ہیں کیونکہ تمام انبیاء کرام کی دعوت کا موضوع ہمیشہ اجتماعیت انسانی (Human Social Order) ہی رہا ہے۔ اور وہ انسانی سوسائٹی (مجتمع) کی ہر قسم کی اصلاح کے لیے آتے ہیں۔1ۓ

خصوصاً خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا خصوصی مقصد ہی یہ ہے کہ انسانیت کی فطرت کے تحت تمام اقوام کے لیے عمومی اجتماعی تحریک کی تکمیل

1ۓ انبیاء کی بعثت کی غرض امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں :

''اس میں شک نہیں کہ انبیاء کی آمد کی اصل غرض و غایت تو یہ ہوتی ہے کہ عبادات کی ضروری شکلوں کی تعلیم دیں لیکن وہ اس کے ساتھ ہی رسوم فاسدہ کی بندش اور بہترین ارتفاقات کے اختیار کرنے کی ترغیب کو بھی اپنے اصل مشن کا جزو بنا لیتے ہیں---- بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں چاہتا کہ انسانی اجتماعیت کے ارتفاق دوم اور ارتفاق سوم مہمل چھوڑ دے۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی نے بھی ان ارتفاقات کے ترک کر دینے کا کبھی حکم نہیں دیا---- وہ ہمیشہ ارتفاقات میں راہ اوسط اختیار کرنے کا حکم دیتے رہے ہیں۔'' (حجتہ اللہ البالغہ ج 1 ' باب اقامۃ الارتفاقات و اصلاح الرسوم ص 104) (مرتب)

کریں۔1ے جب قرآن کریم کا یہ مقصد ہے اور سورۂ فاتحہ اس کا خلاصہ ہے تو اس سورت میں ربُّ العالمین کے یہ معنیٰ ہی زیادہ موزوں ہیں کہ وہ اقوام کا پروردگار ہے۔

''رَبُّ الاقوام'' (اقوامِ عالم کا رب)

بیشک انسان اللہ تعالیٰ کو اپنے الہٰ (معبود ومحبوب) کی حیثیت سے جانتا ہے اور اپنے رب کی حیثیت سے پہچانتا ہے لیکن جب وہ عالمی تحریک شروع کرے تو اسے طبعی طور پر اپنے رب کو رب العالمین (رب الاقوام) کی حیثیت سے جاننا اور پہچاننا ہوگا۔ یعنی اسے یہ اچھی طرح سمجھ لینا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کا اپنا رب یا اس کے خاندان یا قبیلے ہی کا رب نہیں ہے بلکہ تمام اقوامِ عالم کا رب ہے۔ 2ے اور تمام اقوام کو ارتقاء کے اس درجے تک پہنچائے گا جس کے لیے اس نے انہیں پیدا کیا ہے۔ کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے۔ اس آگے پیچھے کرنے میں بھی حکمت ہے۔

1ے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی غرض: امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

چونکہ ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تمام ملتوں میں خلل پڑ چکا تھا اور ارتفاقات خراب ہو چکے تھے اور یہ حالت نہایت بُری حد تک پہنچ چکی تھی اس لیے اب حق اس غرض سے نازل ہوا کہ جہاد (انقلاب) جاری کیا جائے۔ عبادات کی اشاعت کی جائے اور انہیں اوقات معینہ پر ادا کرنے کی تاکید کی جائے۔ اور ایرانی اور رومی سلطنتوں کو ختم کر کے ان کی جگہ نبوی نظام حکومت بین الاقوامی پیمانے پر قائم کیا جائے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیر و برکت کا وہ دروازہ کھولا جو پہلے نہیں کھلا تھا۔ اور اس ذریعے سے ایسی جماعت (امہ) منظّم کی جو تمام انسانوں کے لیے بہترین جماعت تھی۔ (تفہیمات الٰہیہ ج1، تفہیم نمبر 19، ص 83-82) (مرتب)

2ے ہر ایک قوم کی ہدایت کے لیے مختلف درجوں کے رہنمایان انسانیت پیدا ہوتے رہے اور انسانیت آگے بڑھی۔ اب تمام اقوام مل کر رفتہ رفتہ ایک بننا چاہتی ہیں لیکن وہ اس وقت دو بڑے حصوں میں بٹی ہوئی ہیں۔(1) مشرقی بلاک (Eastern Block)۔ مغربی بلاک (Western Block) قرآن حکیم کے نزول کے وقت بھی کم و بیش یہی حالت تھی۔ وہ ان دونوں کیمپوں کو ملانا چاہتا ہے۔ شرق و غرب1ے کے اس اجتماع کے لیے کتاب، عظیم کام دے گی اس لیے یہ کتاب اللہ تعالیٰ کا تعارف رب العالمین کی حیثیت سے کراتی ہے یعنی سب

بقیہ حاشیہ

قوموں کو ملا کر انسانیت کو ترقی دینے والا۔ اس اجتماع انسانیت کی تکمیل کے بعد ہی یہ سمجھ میں آئے گا کہ اجتماع کامل کے درجے (قبائلیت، شعوبیت، قومیت) طے کرنے پڑتے ہیں وہ سب ضروری اور لابد تھے۔ اور انسانیت سے یہ سب نہایت قابل تعریف طریقے سے طے کرائے گئے ہیں۔ الحمدللہ ربّ العلمین (عبیداللہ سندھیؒ)

(حاشیہ مولانا سندھی پر ذیلی حاشیہ:

1ے پروفیسر P.A. Sorokin استاذ اعلیٰ اجتماعیت، ہارورڈ یونیورسٹی (امریکہ) لکھتے ہیں کہ:

The classification of human population, system of culture, nations and peoples as Eastern and Western is largely artificial and Fictirous. At almost no time after 1492 have the peoples and cultures of Asia and Africa been absolutely isolated from those of Europe and the Americas, and their historical lines have hardly proceeded independently from each other... Even this relative seperation from one another of the peoples and cultures of East and West has been Steadily decreasing during the last five centuries.

Modern means of communication and transporation are daily bringing the West and the East closer and will continue to do so until these segments of mankind become as interdependent upon each other as are most of the peoples and ways of life of either East or West . (Sorokin P.A. The Basic Trends of our Times. College and University Press, New Haven, Conn. (U.S.A.) P. 61).

(انسانی آبادی، نظام ہائے ثقافت، اقوام اور عوام کی ''مشرقی'' اور ''مغربی'' میں تقسیم زیادہ تر مصنوعی اور غیر حقیقی ہے۔ 1492ء کے بعد ایشیاء اور افریقہ کے عوام اور ثقافتیں تقریباً کبھی بھی یورپ اور امریکاؤں (The Americas) کے لوگوں اور ثقافتوں سے حتمی طور پر منقطع نہیں رہے ہیں اور ان کی تاریخی زندگیاں مشکل ہی سے ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہ کر چلی ہیں----- مشرق اور مغرب کے لوگوں اور ثقافتوں کی یہ نسبتی علیحدگی بھی گزشتہ پانچ صدیوں سے گھٹتی چلی آ رہی ہے۔ دور جدید کے ذرائع رسل و رسائل مغرب اور مشرق کو روز بروز ایک دوسرے کے قریب تر لا رہے ہیں اور لاتے رہیں گے یہاں تک کہ نوع انسان کے یہ دونوں ٹکڑے اسی طرح ایک دوسرے پر انحصار رکھنے لگیں جیسے خود مشرق اور مغرب کے اکثر لوگوں اور ان کے طریقہ ہائے زندگی کا ایک دوسرے پر انحصار موجود ہے۔

حقیقت میں ہر ایک قوم انسانیت عامہ کا ایک حصہ ہے۔ لیکن اب ہر ایک نے اپنی زمین (Territory) اور اپنا آسمان (Air-Space) الگ الگ کر لیا ہے۔ کسی قوم کو دوسری قوم کے زمین و آسمان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کے باوجود ان سب حصوں' قوموں میں بنیادی انسانیت موجود ہے۔ جس حصے میں انسانیت اچھی طرح سے ظاہر ہوتی ہے وہ حصہ آگے بڑھ جاتا ہے۔ اس کے نیچے دوسری اصناف بہ تدریج پیدا ہونے لگتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ہے وہ انسان کے دل و دماغ کو پالتا ہے تاکہ وہ اپنا مقصد حیات حاصل کرنا سیکھے۔ یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ کیا جائے انسان وہ اپنی مرضی سے کرنا سیکھے۔

انسان اپنی نوعی ترقی کے دوران میں مختلف علاقوں میں پھیلتا رہا۔ آب و ہوا اور دیگر جغرافیائی حالات کے اختلاف سے انسانی نوع کا ایک حصہ دوسرے حصوں سے الگ تھلگ ہوگیا۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ ہر ایک حصے کی بولی بھی الگ الگ ہوگئی۔ اور اس طرح مختلف علاقوں میں رہنے والے انسان جغرافیائی اور لسانی اختلافات کی وجہ سے مختلف قومیں بن گئے۔

جب قرآن حکیم آیا' یہ تقسیم انتہا کو پہنچ چکی تھی اور انسانیت کی تکمیل کا دوسرا دور شروع ہونے والا تھا۔ جس میں مختلف قوموں کے درمیان میل جول بڑھے گا اور ایک دوسرے کے قریب آئیں گی۔

انسانیت کی تین بنیادی خصوصیات

اللہ تعالیٰ نے انسان کی انسانیت میں تین بنیادی چیزیں ودیعت فرمائی ہیں۔

(1) **رائے کلّی**: یعنی انسانی اجتماع کی خدمت کا جذبہ' جس کی وجہ سے وہ اپنے اجتماع میں نظام صالح پیدا کرنے' انفرادی اور اجتماعی اخلاق کی اصلاح کرنے اور حیات مابعد الممات (مرنے کے بعد کی زندگی) کی تیاری کرنے کی طرف توجہ کرتا ہے اور اپنے اجتماع میں اپنی وجاہت قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

(2) **حب جمال**: جس کی وجہ سے وہ اپنی تخلیقات میں افادے کے علاوہ حُسن پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

(3) **عقل و درایت**: عقل انسان کو کسی چیز کی اشدّ ضرورت کا احساس دلاتی ہے اور درایت اس مشکل کے حل کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔

انسانیت کے یہ تین خاصے اس کے بنیادی خاصے ہیں۔ یہ تینوں ہر ایک انسانی اجتماع میں پائے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ایک اجتماعِ انسانی میں ارتفاقات معاشی اور ارتفاقات عقلی پیدا ہو گئے۔

ارتفاقات معاشیہ: سے مراد ان آلات وغیرہ کی ایجاد ہے جن سے انسان کی مادی زندگی کی مشکلات دور یا کم ہو جاتی ہیں۔ مثلاً گھریلو اشیاء وغیرہ۔

ارتفاقات عقلی: سے مراد ان فکری مسائل کا حل ہے جو انسان کو اپنی زندگی کے دوران میں پیش آتے ہیں۔ مثلاً مادے کی حقیقت، کائنات کی ساخت، ریاضی کے مسائل، تاریخ کے مسائل وغیرہ۔

امام ولی اللہ دہلویؒ کے قول کے مطابق انسان کی شہری زندگی، قومی زندگی اور بین الاقوامی زندگی انسان کی اس ارتقائی ترقی کا نتیجہ ہیں۔ 1

رَبُّ الْعَالَمِيْنَ نہ صرف افراد کی تربیت کرتا ہے بلکہ انسانی اجتماعات (Group Life) خاندان، قبائل، شعوب، اقوام، بین الاقوامی اجتماعات کی بھی تربیت کرتا ہے۔ اس تربیت کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی انسانیت کو ترقی دے کر اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہر ایک انسانی اجتماع میں ایسے اہل عقل و درایت پیدا ہوتے رہے جو انسانیت کے بنیادی تقاضوں کی تسکین کے لیے علم و حکمت معاشرے میں پھیلاتے رہے۔ یہ انبیاء کرام اور حکماء الٰہی تھے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے انسانی ترقی کی نئی راہ کھولی، یعنی انسانی داخلی نفسی کیفیات پر زیادہ اور مستقل توجہ کرنا۔ اب دنیا کی قومیں اس راہ پر تیزی سے چلیں گی۔ اور ان میں یہ بات پیدا ہوتی جائے گی کہ مختلف اجتماعات ایک مرکزی نقطے پر جمع ہو سکیں۔ یہ بین الاقوامیت کا نیا دور ہوگا۔ جو سابق کے سیاسی بین الاقوامی، اجتماعات سے زیادہ پائیدار ثابت ہوگا۔ اس اختراع فائقہ کی تکمیل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے قرآن حکیم کی تعلیم کے ذریعے سے کر دی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رب العالمینی کا بلند ترین نقطہ ہے جس پر وہ انسانیت کو پہنچانا چاہتا ہے۔ قرآن ایک حکیم کو اس درجے تک پہنچانا

1 حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ابواب ارتفاقات اور بدور بازغہ ابواب ارتفاقات (مرتب)

چاہتا ہے کہ وہ تمام انسانی کائنات کی حکمت سمجھ کر رب العالمین کو ہر لحاظ سے قابل تعریف سمجھے اور کہے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ''۔

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کو ''رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ'' کی حیثیت سے اس لیے بھی پیش کرتا ہے کہ وہ نوع انسان کو ایک بین الاقوامی آئین دینا چاہتا ہے' ایسا قانون کوئی ایک شخص یا قبیلہ یا قوم نہیں بنا سکتی۔ ایسا قانون ''رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ'' ہی بنا سکتا ہے جو فطرت انسانی کا خالق ہے (فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا)(الروم: 30:30) اس بین الاقوامی قانون میں قومی قانون بھی آ جائے گا۔ لیکن اسی قدر جس قدر وہ بین الاقوامی (قانون) کے ساتھ مناسبت رکھتا ہوگا۔

نظام ربوبیت:

اللہ تعالیٰ نوع انسانی کا رب ہے۔ اس نے انسان کی پیدائش سے پہلے ہی اس کی تربیت کا سامان پیدا کر رکھا ہے۔ جس طرح کائنات میں اس کی ربوبیّت کا نظام ہر عیب سے پاک اور ہر لحاظ سے قابل تعریف ہے اسی طرح انسان کو اپنی زندگی بسر کرنے کے لیے اس نے جو دستور قرآن حکیم کی شکل میں دیا ہے وہ بھی ہر لحاظ سے قابل تعریف ہے۔ [1]

---

[1] نوع انسان کی ربوبیت کے دو شعبے:

امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نوع انسان کا رب ہے اس کی ربوبیت کے دو شعبے ہیں۔

(1) تکوین نوع انسان (2) تشریع برائے نوع انسان (یعنی انسان کو پیدا کرنا اور اس کی رہنمائی اور زندگی کی تنظیم کے لیے اسے قوانین دینا۔) امام صاحبؒ ان دونوں باتوں کو درخت کی مثال سے واضح فرماتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم زمین میں ایک درخت کا بیج بوتے ہیں وہ بیج زمین میں سے پانی میں حل شدہ خوراک لیتا ہے۔ اور کچھ غذا ہوا میں سے لیتا ہے اسی میں درخت کے نوعی تقاضے درجہ بدرجہ تصرف کرتے ہیں اور رفتہ رفتہ وہ درخت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ درخت کے نوعی تقاضے خود اس بیج میں پوشیدہ تھے۔ وہی درخت کی صورت میں ظاہر ہو گئے اس کے پتے' پھول پھل' ذائقہ اور لکڑی کی خاصیتیں وغیرہ جن کے سبب سے ایک نوع کا درخت دوسری نوع کے درخت سے مختلف ہوتا ہے۔ وہ سب اس بیج میں پوشیدہ طور پر پہلے سے موجود تھے۔

ایسے ہی مادہ حیوان کے پیٹ میں جنین اس حیوان کے نوعی تقاضوں کے مطابق پرورش پاتا ہے۔ اور نوع کے قویٰ ادراکیہ اور قویٰ عملیہ ظاہر ہوتے ہیں اور حیوان کی حرکاتِ نفس ساعت بہ ساعت قوت سے فعل میں آتی رہتی ہیں۔ انسان کی بالکل یہی کیفیت ہے۔ بلکہ اس کے جنین میں نوع انسانی کے خاص ارتفاقات اور نفسی مجازات' سعادت و شقاوت نوعیہ وغیرہ سب ظاہر ہوتی ہیں۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

غرض اللہ تعالیٰ نے جس طرح انسانیت کو نہایت اعلیٰ پیمانے پر پیدا کیا ہے اسی طرح سے فردِ انسانی کو بھی بہت بلند معیار پر تخلیق کیا ہے۔ (لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (ہم نے انسان کو بہترین پیمانے پر پیدا کیا ہے) سورۃ التین 4:95) اگر انسانیت کی تقسیم اقوام میں ہو اور ہر ایک قوم اپنے اندر ایسا نظام پیدا کر لے جس میں افراد کے حقوق کی پوری پوری نگہداشت کی جائے اور وہ پوری طرح سے ادا بھی ہوتے رہیں۔ اور افراد اپنے فرائض اس زندہ احساس کے ساتھ ادا کرتے رہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے آگے جوابدہ ہیں، تو کسی کو انسانیت میں کوئی قابل اعتراض بات نظر نہ آئے گی۔ اور اس پروردگار کی تعریف کرنی پڑے گی جس نے انسانیت، اقوام اور افراد کو ایک نظام کے اندر پیدا کیا، اور سب کی رہنمائی کے لیے قرآن حکیم جیسا دستورِ حیات عطا فرمایا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

گویا نوع کے احکام ہی افراد میں ظاہر ہوتے ہیں۔ لیکن یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ''نوع'' ایک قالب ہے وہ مؤثر بالذات نہیں۔ یعنی افراد پر اپنے ارادے سے اثر نہیں کرتا۔ اور نہ وہ کسی تاثیر کا موجد حقیقی ہے۔ بلکہ جو حقیقی موجد تاثیر ہے، یعنی خداوند تعالیٰ وہ قالب اس کے حکم کے مطابق عمل کرتا ہے۔ جس طرح ایک ماہر سنگ تراش ایک خوبصورت مجسمہ گھڑتا ہے تو وہ مجسمہ اصل میں سنگ تراش کی ذہنی تصویر کی شکل پر ہوتا ہے، اسی طرح ہر ایک نوع کے احکام اور تقاضے حضرت واجب جل مجدہ کی ذات کے اقتضاء سے اس کے علم میں پوشیدہ تھے، ذات واجب میں یہ احکام تاثیر کی حیثیت میں تھے اور مخلوق میں یہی احکام تاثر کے رنگ میں ظاہر ہوئے۔

اس کے بعد امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ انواع کے نوعی تقاضے پہلے واجب جل مجدہ کے علم میں آئے، اس منزل کو لوح محفوظ کہتے ہیں۔

اس کے بعد وہاں سے ایک تجلّی کے ذریعے سے ملاء اعلیٰ کے اذہان میں آئے جو حامل عرش تکوین ہیں۔

اس کے بعد جب حالات سازگار پیدا ہو گئے تو انسانِ مقدر، انسانِ خارجی کی شکل میں (دنیا میں) ظاہر ہو گیا۔

اس مرتبے میں ربوبیت کے دو شعبے ہو گئے۔

پہلا شعبہ ان احکام کا ہے جو زمانے کی قیود سے بالاتر ہیں۔ ان احکام پر زمانے کی تبدیلی کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مثلاً انسان میں ضحک (ہنسی) نطق، ارتفاقات ضروریہ اور نیکی اور بدی کے اصول، جو نوعی تقاضے انسانی افراد کو اسی طرح بذریعہ الہام پہنچتے ہیں جیسے شہد کی مکھی یا چڑیا کو طبیعی الہام ان کی صورت نوعیہ کی طرف سے ہوتے ہیں۔

دوسری ربوبیت ان احکام کے ذریعے سے ہوتی ہے جو زمانے کی تبدیلی سے بدلتے رہتے ہیں۔ ان تبدیل ہونے والے احکام کی غرض یہ ہوتی ہے کہ انسان ہر زمانے میں اپنی نوعی صورت سے مطابقت پیدا کرتا رہے اور نیکی اور بدی کے اصولوں کو ہر زمانے کے مناسب شکلوں میں اختیار کیے رکھے۔ (مرتب)

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انسانی معاشرہ ایسی طرز پر پیدا کر دیتا کہ اس میں کوئی ٹکراؤ نہ ہوتا۔ جیسے باقی ساری کائنات ہے۔ لیکن اس کی حکمت نے چاہا کہ انسان اپنی سمجھ اور ہمت سے اچھا نظام قائم کرے۔ اس کے لیے اسے عقل دی اور عقل کی مزید رہنمائی کے لیے وقتاً فوقتاً انبیاء علیہم السلام بھیج کر انسانی جماعتوں کو تعلیم دیتا رہا۔ اب اس نے قرآن حکیم کی شکل میں بین الاقوامی دستور حیات بھیج دیا ہے۔ اس لیے اب اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب انسان وہ ہے جو انسانی معاشرے میں قرآن حکیم کے مطابق نظام پیدا کرنے اور چلانے میں اپنی پوری ہمت صرف کر دے۔1

کائناتوں کا خالق

اللہ تعالیٰ اس حیثیت سے بھی رب العالمین ہے کہ وہ تمام دنیاؤں کا خالق ہے۔2

---

1 یہاں یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ رب العالمین صرف اقوام و افراد کی تربیت نہیں کرتا بلکہ وہ انسانی معاشرے میں پیدا ہونے والی تحریکات اور نظام ہائے ثقافت کی بھی تربیت کرتا ہے۔ چنانچہ ہر اذان کے بعد ہمیں جو دعا مانگنی سکھائی گئی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔
اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃ (الخ)
اس میں دعوۃ (نماز کے لیے پکار) کی ربوبیت اور الصلٰوۃ القائمہ کی ربوبیت کی دعا مانگی گئی ہے۔ یہ دعاء اس لیے سکھائی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جو ایک عظیم الشان تحریک کے بانی اور ایک نظام کے قائم کرنے والے ہیں' وہ مقام محمود حاصل کریں۔ اس مقام محمود کا وعدہ آپ سے اس آیت میں کیا گیا ہے۔ عَسَی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَحْمُودًا (79:17) ''تیرا رب عنقریب تجھے مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔''
مقام محمود قرآن حکیم کا بین الاقوامی غلبۂ عظیم ہی ہے جو ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کو حاصل ہو چکا ہے جب بنی عباس نے بغداد میں بین الاقوامی مرکز قائم کیا۔ اور پھر ہند میں مسلمانوں نے اسی قسم کا مرکز قائم کیا۔ لیکن اس کا ظہور کامل اس وقت ہوگا جب تمام انبیاء کی قومیں لوائے محمدی کے نیچے آ جائیں گی۔ اور قرآن حکیم کے قانون کی فرمانبرداری کرنے لگیں گی۔ (مرتب)

2 کائنات کی وسعت: کائنات عظمیٰ (سب سے بڑی کائنات جو تمام کائناتوں پر مشتمل ہے) اس میں ہمیں اپنی دوربینوں (Telescopes) کی مدد سے بیس لاکھ جزیرائی کائناتیں (Island Universes) دکھائی دیتی ہیں۔ ایسی کائناتیں جو ہماری ناقص دوربینوں کی پہنچ سے باہر ہیں' ان کی تعداد کروڑوں ہوگی ہم خود ایک ''جزیرائی کائنات'' میں بستے ہیں جسے کہکشانی کائنات (Galaxtic Univers) کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ اس کہکشاں (Galaxy) میں واقع ہے جو رات کو ہمیں آسمان پر دکھائی دیتی ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

اس نے کروڑوں کائناتیں پیدا کر رکھی ہیں۔ ہر ایک کائنات پورے نظام کے ساتھ ایک جامع قانون کے تحت ترقی و ارتقاء کی منزلیں طے کر رہی ہے۔ یہ کس طرح ممکن تھا کہ وہ کائنات عظمیٰ کی ایک اہم مخلوق' انسان کو بغیر کسی رہنمائی اور دستور حیات کے چھوڑ دیتا؟ بڑی کائنات میں ایک ایک ذرہ قانون کے تحت کام کر رہا ہے۔ ساری کائنات میں کامل آہنگی اور باقاعدگی پائی جاتی ہے۔1ؔ

کرۂ زمین پر ہر ایک نوع کی زندگی کے خاص قاعدے ہیں۔ وہی ان کی ''شریعت'' ہیں۔ اور وہ اس شریعت کے تحت چل رہی ہے۔ یہ شریعت اس نوع حیوان کی فطرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

یہ جزیرائی کائناتیں سحابوں (مادے کے روشن بادل)(Nebulac) کی شکل میں نظر آتی ہیں اور ہماری کہکشانی کائنات سے لاکھوں نوری سال 1ؔ کے فاصلے پر واقع ہیں۔ ہمارا نظام شمسی (Solar System) اس لمبے کہکشاں کے اندر ستاروں کے ایک جھرمٹ (Star Cluster) میں واقع ہے۔ جس میں ایک اندازے کے مطابق 47 ہزار ملین (ملین = دس لاکھ) اور دوسرے اندازے کے مطابق ایک لاکھ ملین ستارے (سورج) ہیں۔ Ctowther, J.G. An Outline of Universe Chapter I & II (مرتب)

(ذیلی حاشیہ)

1ؔ ایک نوری سال (Light Year) سے وہ فاصلہ مراد ہے جو روشنی کی کرن ایک لاکھ 86 ہزار میل فی ثانیہ (سیکنڈ) کی رفتار سے چلتی ہوئی ایک سال میں طے کرتی ہے۔ یہ پانچ کھرب اٹھاسی ارب میل سے زیادہ ہے۔ علم ہیئت میں ستاروں وغیرہ کے فاصلے اتنے لمبے شمار میں آتے ہیں کہ جلد ہی ہمارے ہندسے ختم ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ان فاصلوں کو میلوں میں ظاہر کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ان بے حد طویل فاصلوں کے ظاہر کرنے کے لیے نوری سال کو اکائی مان کر کہا جاتا ہے کہ فلاں ستارہ دس نوری سال یا دس ہزار نوری یا دس لاکھ نوری سال کے فاصلے پر واقع ہے۔ (مرتب)

1ؔ کائنات میں ہم آہنگی: قرآن حکیم کی سورت الملک میں آتا ہے کہ

مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝
ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝ (67:3-4)

یعنی کیا تجھے خدائے رحمٰن کی تخلیق میں کوئی فرق نظر آتا ہے؟ پھر دوبارہ نگاہ کر کہیں تجھے فتور دکھائی دیتا ہے پھر لوٹا لوٹا کر دو دفعہ نگاہ دوڑا' تیری نگاہ درماندہ ہو کر اور تھک ہار کر واپس آ جائے گی۔ اور کائنات میں کہیں کوئی فرق وفتور نہ پائے گی ان آیات کو بنیاد بنا کر ڈاکٹر صاحب (مشیر سائنس برائے صدر پاکستان) نے کراچی یونیورسٹی میں 12 فروری 1965ء کو ایک لیکچر دیا' جس کا عنوان مادے کے بنیادی ذرات (Fundamental Particles of Matter) تھا اس لیکچر میں ڈاکٹر صاحب نے اعلان کیا کہ ساری کائنات میں انتہا درجے کی یکسانیت اور موزونیت پائی جاتی ہے اور کہیں کوئی فرق یا بے قاعدگی دکھائی نہیں دیتی۔ (مرتب)

کے تقاضے پورے کرتی ہے۔ انسان کی بھی ایک فطرت ہے۔ اس کی رہنمائی کے لیے بھی ایک دستور حیات ہونا چاہیے۔ وہ قرآن حکیم ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ضابطے اور دستور کے ذریعے سے تمام اقوام کو ان کی اپنی انسانی فطرت کی تکمیل تک پہنچانا چاہتا ہے۔

آیت نمبر2: الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۲﴾

''جو نہایت مہربان انتہائی رحم والا ہے۔''

ان دونوں لفظوں کا مادہ رحم ہے' جسے سب جانتے ہیں یہ اس سلوک سے معلوم ہو سکتا ہے جو ماں باپ اپنی اولاد سے کرتے ہیں۔

''آنحضرتﷺ کے زمانے میں ایک عورت کسی غزوہ میں گرفتار ہو کر آئی' اس کا بچہ گم ہوگیا تھا۔ اس کے دل میں محبت کا یہ جوش تھا کہ جو بچہ مل جاتا' اسے سینے سے لگا لیتی اور دودھ پلاتی۔ آنحضرتﷺ نے دیکھا تو حاضرین سے فرمایا کہ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے؟ لوگوں نے عرض کیا' ہرگز نہیں۔ فرمایا: ''خدا کو اپنے بندوں سے اس سے کہیں زیادہ محبت ہے۔''

''ایک دفعہ ایک صحابی آنحضرتﷺ کے حضور میں ایک پرندہ مع اس کے بچوں کے چادر میں لپٹا ہوا لایا۔ اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! میں ایک جھاڑی میں سے یہ بچے اٹھا کر کپڑے میں لپیٹ لایا۔ ان کی ماں یہ دیکھ کر میرے سر پر منڈلانے لگی۔ میں نے ذرا کپڑا کھول دیا تو یہ فوراً بچوں پر گر پڑی۔ آنحضرتﷺ نے فرمایا کہ اپنے بچوں کے ساتھ ماں کی محبت پر تمہیں تعجب ہے؟ قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے' جو محبت اس ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ ہے' خدا تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ اس سے کہیں زیادہ محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ بدرجہا زیادہ رحمت کے ساتھ اپنے بندوں کو دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے ایک سو حصوں میں سے ایک حصہ دنیا میں نازل فرمایا ہے' جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ماں باپ کو اپنی اولاد سے محبت ہے۔ انسان کو انسان سے محبت ہے۔ حیوان کو حیوان سے محبت ہے۔

دنیا میں انسان کی تربیت ماں باپ کے ذریعے سے ہوتی ہے (دوسرے حیوانوں کی زندگی کا بھی عموماً یہی قاعدہ ہے)۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ ماں باپ کی ضرورت نہیں رہتی اور وہ خود کسی انسانی فرد کا ماں یا باپ بن جاتا ہے۔ اس وقت وہ اپنی اولاد

کے لیے ویسی ہی رحمت اور محبت اپنے اندر پاتا ہے' جیسی اس کے ماں باپ خود اس کے لیے ظاہر کرتے تھے۔

دنیا میں جتنے ''ماں باپ'' آج تک ہو چکے ہوں یا قیامت تک ہوں گے (انسانوں کے ہوں یا حیوانوں کے)' ان سب کی مہرپدری اور محبت مادری کو جمع کر کے اسے سو گنا کر لیا جائے' تو اللہ تعالیٰ کے رحم کا کچھ اندازہ لگ سکتا ہے (او کما قال)

رحمٰن اور رحیم

ذرا غور کیا جائے تو باپ اور ماں کی محبت میں ایک طبعی فرق نظر آتا ہے۔ باپ چاہتا ہے کہ اس کی اولاد کمال حاصل کر لے' خواہ اولاد کو کتنی ہی مشقت کیوں نہ اٹھانی پڑے۔

ماں کی مامتا چاہتی ہے کہ اس کی اولاد کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا جو پہلو باپ کی محبت سے مشابہ ہے وہ رحمانیت ہے اور جو ماں کی محبت کی مانند ہے وہ رحیمیت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمانیت چاہتی ہے کہ انسان مشقتیں اٹھا کر بھی کمال کے درجے طے کرتا رہے چنانچہ سورۃ رحمٰن میں آتا ہے۔

اَلرَّحۡمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ﴿۲﴾ (رحمٰن وہ ہے جس نے قرآن سکھایا) (55 :2-1)

اب قرآن حکیم پڑھنا' پڑھانا' اس کے اصول کی اشاعت کرنا' ان پر جماعت تیار کرنا' اس کے دستور کو دوسرے دستوروں پر غالب کرنا اور اس کی حفاظت کے لیے لڑنا مرنا' یہ سب رحمانیت کا تقاضا ہے۔

اس کی رحیمیت کا تقاضا ہے کہ اس کے محبوب بندے اپنے اعمال کے نتائج سے بہترین فائدے حاصل کریں اور ہر قسم کی تکلیف' غم اور خوف سے محفوظ رہیں۔

چنانچہ سورۃ الشعراء میں مومنوں اور کافروں کا تقابل کیا گیا ہے۔ کافروں کی نسبت بتایا گیا ہے کہ انہیں عذاب دیا جائے گا اور وہ مغلوب ہوں گے۔ اور مومن پر رحم کیا جائے گا وہاں اللہ تعالیٰ اپنی صفات کا ذکر فرماتا ہے یعنی وَ اِنَّ رَبَّکَ لَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۹﴾ (26:9) (تیرا رب ہی عزیز اور رحیم ہے)۔ گویا العزیز ہے بمقابلہ کفار' جنہوں نے

خدائے عزیز کی عزت کے خلاف کام کیا۔ یہ لوگ ضرور عذاب میں مبتلا ہونے چاہئیں۔ اور الرحیم ہے مومنوں کے ساتھ، اس لیے وہ انہیں جنت میں جگہ دے گا، جہاں انہیں کوئی تکلیف اور زحمت نہ ہوگی۔ پس قرآن حکیم میں جہاں کہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ذکر آئے گا، وہ ان دو معنوں میں سے کسی معنی میں آئے گا، اور اس کا مرجع یہ بنیادی آیت کریمہ ہوگی۔

بچہ ماں باپ کے بھروسے ہی پر ترقی کر سکتا ہے۔ جہاں ماں باپ کی قوتیں جواب دیتی جائیں اور ''اَلرَّحْمٰنِ'' اور ''اَلرَّحِیْمِ'' پر انسان کا بھروسہ بڑھتا جائے، وہ اپنی فطرت کے مطابق ترقی کرتا چلا جاتا ہے، اور اس کی انسانیت تکمیل کو پہنچ جاتی ہے۔ اور اس طرح انسانی فطرت کی طلب پوری ہو جاتی ہے۔

رحمت کی وسعت

اور ''اَلرَّحْمٰنِ'' اور ''اَلرَّحِیْمِ'' کی رحمت کی وسعت کا اندازہ لگانے کے لیے رَبُّ الْعٰلَمِیْن کی طاقت کا اندازہ لگاؤ۔ وہ تمام کائناتوں کو ارتقاء کی منزلوں سے گزار رہا ہے۔ وہ انسانی جماعتوں کے لیے ترقی کی راہیں کھولتا ہے۔ اور ان کی ہدایت اور رہنمائی کا سامان کرتا ہے۔ اگر انسان اتنی وسیع طاقت کے مالک رَبُّ الْعٰلَمِیْن پر بھروسہ کرنا سیکھ لے، جس کی محبت اور رحمت تمام دنیا کے ماں باپوں کی محبت سے سینکڑوں گنا وسیع ہے۔ اور جس کی طاقت (تجلّی) تمام کائناتوں کے گوشے گوشے تک پہنچتی ہے، تو انسان کی ترقی کی راہ میں کون سی چیز رکاوٹ بن سکتی ہے؟

تمام کائناتوں کا ظہور اللہ تعالیٰ کی رحمانیت ہی سے ہوا ہے۔ ان کائناتوں کے اندر ارتقاء کے جو قوانین جاری ہیں، اور اس کی رحیمیت نے انسان کی راحت کے لیے جو سامان اس زندگی کے لیے اور مرنے کے بعد کی زندگی کے لیے پیدا کر رکھے ہیں، ان کا جتنا علم انسان کو ہوتا جاتا ہے اتنا ہی وہ اس بات کا قائل ہوتا جاتا ہے کہ خدائے رحمٰن و رحیم کے تمام کام ہر لحاظ سے قابل تعریف اور لائق ستائش ہیں۔

نوٹ: اس سورۃ کا ''رب العٰلمین'' سورۃ الناس کے ''رب الناس'' ہی کا قائم مقام ہے۔

آیت نمبر 3: مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ﴿۴﴾

''جو انصاف کے دن کا مالک ہے۔''

نظام عدل کی ضرورت: جنگل کے درختوں اور پودوں کو ربوبیّت الٰہی غذا بہم پہنچاتی ہے تو وہ نشوونما پاتے ہیں۔ اور بڑھتے بڑھتے ان کی شاخیں آپس میں پھنس جاتی ہیں۔ اس وقت ضرورت ہوتی ہے کہ کوئی مالی ہو جو انہیں الگ الگ کر دے۔ اور ضرورت ہو تو چھانٹ ڈالے تاکہ وہ اپنے حلقے میں بڑھتے رہیں۔ یہ عدل و انصاف کا تقاضا ہے۔

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کی ربوبیت مختلف استعداد کے انسانوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور ان کی انفرادی فطرت کی تکمیل کرتی ہے تو طبعی طور پر ان میں اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں۔ جب یہ اختلافات بڑھتے ہیں تو معاشرے (Society) میں ایک فرد دوسرے فرد پر ظلم کرنے لگتا ہے۔ اب جو شخص اس معاشرے کو باہر سے دیکھے گا وہ فرشتوں کی طرح یہی کہے گا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ (بقرہ: 30) (کیا تو کرۂ زمین پر ایسی مخلوق پیدا کرنا چاہتا ہے جو اسے خراب کرے اور خون ریزی کرے)۔ لیکن جو شخص اسے اندر سے دیکھے گا اسے معلوم ہو جائے گا کہ انسان کے ہر فعل کا کوئی سبب ضرور ہوتا ہے اور یہ سلسلۂ اسباب مسلسل چلا جاتا ہے۔ انسانی معاشرے کے اندر سلسلۂ ظلم وطغیان بھی سلسلۂ اسباب سے خارج نہیں ہے۔ یہ انارکزم (Anarchism) نہیں ہے۔

انسانی معاشرے میں بعض اسباب کے زیر اثر ظلم وطغیان کا ظہور ہوا تو حکمت الٰہی نے اسے یونہی نہیں چھوڑ دیا کہ انسان کٹ کٹ کر فنا ہو جائیں۔ بلکہ اس نے نظام عدل پیدا کرنے کا اہتمام فرمایا۔ انسان اپنی ترقی کے لیے جس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت کا محتاج ہے جو اس کی ربوبیّت کی تفسیر ہے۔ اسی طرح عدلِ حق کا بھی محتاج ہے جو اللہ تعالیٰ کی مالکیّت اور ملوکیّت کا ترجمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ مالکیّت اور ملوکیّت سب سے زیادہ واضح شکل میں انسانی نظام ہی میں ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کی قدرت اور قہرمانی باقی تمام غیر ذی ارادہ اشیاء پر ان کے ارادے کے بغیر ہی قائم ہے۔ لیکن انسان خود اپنے ارادے اور فیصلے سے اللہ تعالیٰ کی حکومت اپنے اوپر تسلیم کرتا ہے۔ دونوں میں کتنا فرق ہے!! پس اس سورت کا مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ سورۃ الناس کا مَلِکِ

النَّاس ہی ہے۔ اسی سے ظاہر ہے کہ معاشرۂ انسانی کے قیام وقوام (بقا) اور ترقی کے لیے ایک نظام عدل کی ضرورت ہے۔ وہ بادشاہت کے ذریعے سے قائم ہو یا عوامیّت اور جمہوریت کے ذریعے سے قائم ہو۔ کسی طرح سے بھی ہو۔ 1

1 **امام ولی اللہ اور نظام عدل:** امام ولی اللہ دہلویؒ نظام عدل کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

(1) ارتفاق ثالث: اس کی حقیقت یہ ہے کہ اصول مذکورہ کے مطابق انسان کے لیے تمدنی زندگی لازم ہے۔ کیونکہ حقیقت میں شہر سے مراد فصیل، منڈی اور بلند عمارات نہیں ہیں۔ بلکہ اس سے مختلف انسانی جماعتوں کے مابین ارتباط مراد ہے۔ اور اصول مذکورہ کی رو سے مختلف جماعتوں میں ارتباط پیدا ہو جانا طبعی طور پر لازم ہے۔ یہ تمام انسانی جماعتیں آپس کے معاونات اور معاملات کی وجہ سے ایک شخصیت پیدا کر لیتی ہیں۔ لیکن یہ شخصیت معنوی ہوتی ہے۔ اور خارجی یا داخلی اسباب اس کی شخصیت میں صحت اور مرض کی حالت پیدا کرتے رہتے ہیں۔ لہٰذا شہر کے لیے ایسے طبیب کی ضرورت ہے جو حتی الامکان اس کی صحت قائم رکھے۔ اور اگر مرض کی کیفیت پیدا ہو جائے تو اس کا معالجہ بھی کر سکے۔ امام مع اپنے کارندوں کے تمدن کا طبیب ہوتا ہے۔ (البدور البازغہ ص 91 فصل فی مبحث ارتفاق الثالث)

(2) ایک اور جگہ مدینہ (شہر) کی تعریف بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ: اس میں (یعنی شہر میں) البتہ ایک وحدت ہوتی ہے تو اس وحدت کا صحت کے ساتھ قائم رکھنا لازم ہے۔ تاکہ تمدنی زندگی کے منافع کی تکمیل ہو سکے۔ تو وہ تدبیر (نظام) جس سے صحت قائم رہتی ہے اور تکمیل منافع ہوتی رہتی ہے وہی حقیقت میں امام ہے۔ **وَلَيْسَ الْإِمَامُ عِنْدَنَا هُوَ الشَّخْصُ الْوَاحِدُ الْإِنْسَانِيُّ فَقَطْ** (ہمارے نزدیک امام کوئی انسانی فرد نہیں ہوتا) البتہ اگر کوئی انسانی فرد شہر کا حاکم بن جائے اور وہ یہ نظام قائم کرنے کی استعداد بھی رکھتا ہو، گو وہ اپنی ذات سے آمر مطلق ہی کیوں نہ ہو، اور شہری زندگی (اس کے عمل سے) پوری صلاحیت سے چلے، تو اس لفظ کے ظاہری معنوں کے لحاظ سے وہ بھی امام کہلا سکے گا۔ (ایضاً ص 91)

(3) شہری زندگی کی تنظیمی ضروریات پر بحث کرنے کے بعد امام صاحب فرماتے ہیں: چونکہ مدینہ تامہ میں لوگوں کی کثیر تعداد جمع ہو جانے اور ان کی طبیعتوں اور غرضوں کے اختلافات کی وجہ سے آراء کے اختلاف کے باعث کسی نظام کا قیام مشکل ہو جاتا ہے، اس لیے ایک ایسے شخص کی ضرورت پڑتی ہے جو نظام قائم کر سکے۔ ایسا شخص جو مذکورہ بالا (پانچوں صفات) کا حامل ہو امام برحق ہوتا ہے۔ لیکن ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ اکثر اوقات امر واقع یہ ہوتا ہے کہ ایک صفت ایک شخص میں پائی گئی اور دوسری کسی اور میں، باقی کسی اور میں۔ مدینہ ناقصہ میں ہر ایک ضرورت کے لیے ایک رسم موجود ہوتی ہے جس پر سب کا اتفاق ہوتا ہے۔ یا ایک ایک پیشے کے لوگوں کا چوہدری ہوتا ہے جس کی رائے مانی جاتی ہے یا **اِجْتِمَاع** "**مِنْ عُقَلَآءِ الْقَوْمِ وُ مُبْرَزِيْهِمْ**" (قوم کے عقل مندوں اور سربرآوردہ لوگوں کا اجتماع) ہوتا ہے جو نظام قائم رکھتا ہے۔ (ایضاً ص 94) ایک اور جگہ (ایضاً ص 242) عقلاً کی جگہ "حکماً" بھی فرماتے ہیں۔

''انسانیت'' ذمہ داری کا نام ہے: انسان کی انسانیت میں اعلیٰ جوہر یہ ہے کہ وہ ایک بات سمجھ لے اور پھر اسے عمل میں لائے اور اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کا ذمہ اٹھائے۔ وہ اینٹ پتھر نہیں ہے کہ ہلایا تو ہل گیا ورنہ ساکن پڑا ہے۔

ہم اپنی روزانہ کی زندگی میں ''نوکر'' اور ''غلام'' کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ نوکر اور غلام خود سوچ کر اپنی ذمہ داری پر کوئی کام نہیں کر سکتے' اس لیے ان پر ''انسان'' کا لفظ پوری طرح صادق نہیں آتا۔ اصل میں انسان کا ترجمہ حر (آزاد) ہے۔ یعنی وہ خود سوچ کر اپنی ذمہ داری سے کام کرتا ہے۔

اس جوہر حریت کو ترقی دینے اور پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا ایک ہی ذریعہ ہے۔ اور وہ یہ کہ انسان کو یقین دلایا جائے کہ خدائے رحمٰن و رحیم نے اس کی ترقی کے تمام سامان پیدا کر دیئے ہیں۔ اگر وہ ان اسباب سے کام لے اور اپنے فرائض ادا کرے تو اس کی ترقی کے لیے وسیع میدان موجود ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے فرائض ادا کرنے میں کوتاہی کرے تو اسے سزا بھگتنی ہوگی' کیونکہ اس کے اعمال کے نتیجے پیدا کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے۔ ہر ایک انسان اپنے اعمال کے نتیجے میں گروی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب دنیا کا رجحان اس طرف ہے چنانچہ پی۔ اے سائز دکن ہاورڈ یونیورسٹی لکھتے ہیں کہ:

Three significant trends in the qulfications of the new governments are already observable.

The first of these trends manifests itself in the rapidly increasing role of scientists and expert in the planning, developing, controlling and executing of an ever-increasing part of the important governing activities and policies," (Sorokin P.A. The Basic Trends of Our Times. College and University Press. New Haven. Conn U.S.A. P. 55.

نئی حکومتوں کے اوصاف میں تین معنی خیز رجحانات نمودار ہوتے صاف دکھائی دینے لگے ہیں۔ پہلا رجحان حکومتوں کی انتظامی سرگرمیوں اور پالیسیوں کی منصوبہ بندی' تکمیل' نظم و نسق اور تعمیل و نفاذ میں حکماء (سائنسدانوں) اور (ہر شعبہ حیات کے) خصوصی ماہرین کی سرعت سے بڑھتی ہوئی اور زیادہ سے زیادہ حصہ داری کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

اور وہ اس نتیجے سے کسی صورت میں بھی بچ نہیں سکتا۔ دنیا کی کوئی طاقت اسے اس نتیجے سے آزاد نہیں کرسکتی۔

انسان میں یہ یقین جتنا زیادہ قوی ہوگا' وہ اتنا ہی اعلیٰ درجے کا نظام پیدا کر لے گا۔ اور اسے چلائے گا اور جتنے زیادہ انسانوں کو یہ یقین حاصل ہوگا' اتنی ہی انسانیت ترقی کرے گی۔ جتنا یقین کمزور ہوگا اتنی ہی انسان کی انسانیت کمزور ہوگی۔ وہ کام کرے گا لیکن اپنے آپ کو اپنے کاموں کے نتیجوں کا ذمہ دار نہیں سمجھے گا۔ ایسا شخص انسان نہیں نرا حیوان ہے۔ وہ جتنا ظلم کرے کرسکتا ہے۔

عمل اوراس کا نتیجہ

امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے فعل کی تکمیل سے پہلے اس کا نتیجہ مرتب نہیں ہوتا۔ جونہی اس کا فعل پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے' اس کا نتیجہ جزا یا سزا مرتب ہو جاتا ہے۔ گو کبھی کبھی وہ نتیجہ فی الفور ظاہر نہیں ہوتا۔ پس انسان اپنے تمام اعمال میں مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ کا محتاج ہے جو اس کے اعمال کے نتائج مرتب کرے۔

دین کے معنی ہیں جزاء۔ ہر ایک حرکت کا نتیجہ نکلنا ایک کائنات گیر قانون ہے۔ اس کے عمل کو نظام کلی (Universal) کہتے ہیں۔ اس نظام کلی کے تحت انسان کے عملوں کی جزاء (یا سزا) مرتب ہوتی ہے۔ اسے قانون مجازات کہتے ہیں۔

امام ولی اللہ دہلویؒ کے نزدیک انسان کو اس دنیا میں بھی جزاء اعمال ملتی ہے اور مرنے کے بعد بھی۔ چنانچہ انہوں نے حجتہ اللہ البالغہ (ج 1) میں ''مبحث کیفیتہ المجازاۃ فی الحیاۃ و بعد الممات'' کے عنوان سے ایک مستقل بحث لکھی ہے۔

بقول امام صاحب قانونِ مجازات کی اصل (Basic Application) حیوانات بلکہ نباتات میں بھی ہے چنانچہ اگر حیوان ضرورت سے زیادہ چارہ کھا لے تو اسے تخمہ (اپھارہ) ہو جاتا ہے۔ یا اگر زہریلی بوٹی کھا جائے تو سخت دردِ شکم میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی اگر درخت اپنی طبعی ضرورت سے زیادہ پانی جذب کر لے تو اس کا پھل خراب ہو جاتا ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ چونکہ انسان کو نہایت ذکی اور لطیف نفس دیا گیا ہے اس

لیے اس کے حق میں مجازات دو حصوں میں تقسیم ہوگئی ہے، یعنی:

قسم اول ان افعال کے بارے میں جن کا تعلق بدن انسانی کے ساتھ ہے۔ جیسے زیادہ کھا جانے سے تخمے (اپھارے) میں مبتلا ہو جانا۔ یا زہر کھا کر مر جانا۔ یہ افعال جان بوجھ کر کیئے جائیں یا غلطی سے سرزد ہوں۔ یا کسی کے جبرو اکراہ سے کرنے پڑیں۔ ان افعال کا اثر ضرور نکلتا ہے۔ ان افعال میں یہ شرط نہیں ہے کہ کرنے والے نے اپنے ارادے سے جان بوجھ کر کیئے ہوں۔

قسم دوم ان افعال کے بارے میں جو انسان کا نفس اپنے ارادے اور اختیار سے کرتا ہے اور اس کا نفس ناطقہ ان کا رنگ اپنے اندر لیتا ہے۔

امام صاحب جزاء کے چار موطن (Levels) قرار دیتے ہیں۔

(1) اس دنیا میں

(2) عالم برزخ میں

(3) عالم حشر میں اور

(4) مجازات اجتماعی یعنی نوع انسان کی کلی جزاء۔

اس موضوع پر امام صاحب نے تفہیمات الٰہیہ میں تفصیل سے لکھا ہے۔ اس کی طرف رجوع کرنا چاہیے (دیکھئے تفہیمات الٰہیہ' جلد 1، تفہیم 78، ص 331)

یوم الدین کی ضرورت

(1) اللہ تعالیٰ نے انسان کے عملوں کے نتائج مرتب کرنے اور اس کے کاموں کا بدلہ دینے کے مختلف قاعدے مقرر کر رکھے ہیں۔ اسے کسی نہ کسی قاعدے کے مطابق دنیا یا آخرت میں اس کے عمل کا اچھا یا بُرا بدلہ مل کر رہتا ہے۔ فرض کرو کہ بعض خاص حالات میں کسی شخص کو اپنے عمل یا عملوں کا بدلہ نہیں ملا (مثلاً سزا سے بچ گیا یا جزا پانے سے محروم رہ گیا) تو ضروری ہے کہ ایک دن ایسا ہو جب اسے اس کے عملوں کی پوری پوری جزا یا سزا ملے۔ اسے یوم الدین کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جس وسیع اور غیر محدود طاقت کے ساتھ تمام کائناتوں کا انتظام کرتا ہے اور تمام دنیا کی قوموں کی ترقی کے سامان بہم پہنچاتا ہے' اسی وسیع اور لامحدود

طاقت کے ساتھ ہر ایک انسان سے اس کے اعمال کی باز پرس بھی کرے گا۔ اس سے وہ **مالک یوم الدین** کہلاتا ہے۔1

(2) کسی انسان کا ایک فعل لمحوں اور ثانیوں میں تکمیل نہیں پاتا۔ اس لیے ممکن ہے کہ اس کے عمل کا نتیجہ دنوں، ہفتوں، یا برسوں میں نکلے۔ لیکن اگر کوئی بہت بڑا اجتماع کوئی عمل کر رہا ہو تو وہ صدیوں سے پہلے تکمیل نہیں پا سکتا۔ اس کا نتیجہ بھی صدیوں ہی میں مرتب ہوسکتا ہے۔ اجتماعیت عامہ میں، جس میں تمام اقوام اور ساری کی ساری انسانیت شریک ہو، جو عمل ہو رہا ہے وہ انسانیت کے ساتھ ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ وہ پایہ تکمیل تک پہنچ جائے اور کرۂ زمین سے انسانیت ختم ہو جائے۔ کیا انسانیت عامہ کے نوعی اجتماعی کام کی جانچ (Assessment) کے لیے کوئی وقت نہیں ہونا چاہیے؟ جس طرح افراد انسانی اور چھوٹے انسانی اجتماعات کے اعمال کی جانچ پڑتال ہوتی ہے، اسی طرح نوع انسانی کی اجماعی اور اجتماعی جانچ پڑتال بھی ہوگی۔ یہ کام اللہ تعالیٰ نے 'یوم الدین' پر اٹھا رکھا ہے۔2

(3) معاشرے میں بعض لوگ اس کام پر مقرر ہوتے ہیں کہ لوگوں کو ان کے اعمال کی جزاء دیں۔ لیکن یہ جزا دینے والے بھول چوک سے یا جان بوجھ کر غلطی کر جاتے ہیں۔ اس غلطی کا تدارک بعض اوقات اس دنیا میں ممکن نہیں ہوتا۔ اس لیے ضروری ہے کہ ایک 'یوم الدین' ہو جس میں حاکموں اور فیصلہ کرنے والوں کے غلط فیصلوں پر نظر ثانی کی جائے۔ اور لوگوں پر جو ظلم ہوا ہو، اس کا تدارک کیا جائے۔ یہ بھی 'یوم الدین' پر موقوف ہے۔

(4) خدائے رحمٰن و رحیم انسانوں کو جتنی نعمتیں عطا فرماتا ہے۔ اگر انسان ان کے متعلق یہ سمجھ لے کہ اسے ان سب نعمتوں کا حساب دینا ہوگا تو وہ ہر موقع پر سوچ سمجھ کر کام کرے گا۔ اور کسی نعمت کو ضائع نہیں کرے گا۔ قرآن حکیم فرماتا ہے کہ

---

1 تمام انبیاء اور آسمانی کتابیں یہی بات انسان کو سمجھانے کے لیے آئی ہیں۔ ہر چیز کبھی کسی نبی کے ذریعے سمجھائی گئی ہے کبھی اس کے قائم مقام کے ذریعے سے۔ جسے حکیم کہتے ہیں۔ (مولانا عبیداللہ سندھی)

2 سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ (ہم عنقریب تم دونوں گروہوں کے لیے فارغ ہو جائیں گے) (الرحمٰن 31:55) (مرتب)

لِلّٰهِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاِنْ تُبْدُوْا مَافِی اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ (284:2) ’’یعنی آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ کی ملکیت ہے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے وہ ظاہر کرو یا چھپائے رکھو ہر حالت میں اللہ تعالیٰ اس کا حساب لے گا۔‘‘

جملہ معترضہ: بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو بڑی مشکل بات ہے اور پھر آگے اس آیت کی تشریح میں تقریریں بناتے ہیں۔ کیا انہوں نے انسانیت اور اس کی ذمہ داری کو اتنا ہی آسان سمجھ لیا ہے؟ خدا تعالیٰ نے اتنی مخلوق پیدا کر کے انسان کو اپنا خلیفہ (نائب) کے طور پر ان سب پر حاکم بنایا ہے۔ کیا وہ ’’اَحْكَمُ الْحَاكِمِيْنَ‘‘ اپنے نائب سے حساب نہ لے گا؟ اگر انسان حساب دینے سے انکار کرتے ہیں تو گویا وہ انسان نہیں بننا چاہتے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَأْنَا (286:2) ’’اے ہمارے پروردگار اگر ہم سے بھول چوک ہو جائے تو اس پر گرفت نہ فرمائیے‘‘ آیت محاسبہ کی ناسخ ہے‘ حالانکہ وہ اس کی تکمیل کرتی ہے۔ اصل میں ان لوگوں کا کام ہی یہی ہے کہ تمام کام کی آیتوں کو بیکار بنا کر رکھ دیں۔ ہمارا فکر یہ ہے کہ ان لوگوں نے بچوں کو سکھانے کے لیے تفسیریں لکھیں تھیں (بڑی عمر کے لوگ تو زندگی کے تجربوں سے قرآن آسانی سے سیکھ لیتے ہیں)۔ ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن پر عمل کر کے دکھا دیا ہے۔ اب ناسخ ومنسوخ کا کوئی سوال ہی نہیں رہا۔ سارا قرآن اصل اور قابلِ عمل ہے۔ (جملہ معترضہ ختم ہوا)

حدیث شریف (مسلم) میں آیا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ہر ایک انسان سے الگ الگ سوال جواب کرے گا۔ اس میں یہ جملہ بھی آیا ہے کہ میں نے تجھے رزق دیا تو نے مجھے روٹی نہ دی۔ بندہ کہے گا یا اللہ! تُو تو بھوک پیاس سے پاک ہے‘ تجھے روٹی کیا دیتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ عاجز بھوکا انسان تیرے پاس آیا۔ تو نے اسے روٹی نہ دی۔ اگر اسے روٹی دے دیتا تو وہ مجھے پہنچ جاتی۔ پھر جماعت سے سوال ہوگا کہ تم نے اس نبی کی بات کیوں نہ مانی؟ الغرض زندگی کی تمام نعمتوں کا حساب اللہ تعالیٰ کے ہاں ہوگا۔

(الف) ایک نعمت ایک انسانی فرد کو دی گئی ہے اس کا حساب اسے دینا ہوگا۔

(ب) ایک نعمت ایک جماعت (قوم) کو دی گئی ہے' اس کا حساب اسے دینا ہوگا۔
(ج) جو نعمتیں انسانیت عامہ کو دی گئی ہیں ان کا حساب ساری انسانیت کو دینا ہوگا۔

اس غرض کے لیے ساری انسانیت کا میدان حشر میں جمع کیا جانا ضروری ہے تا کہ سب کا انفرادی اور اجتماعی حساب لیا جائے۔ یہ ''یَوْمُ الدِّیْن'' ہی کو ممکن ہے۔

انسان کو یہ بات کہ اسے خدا تعالیٰ کے روبرو جواب دینا ہوگا، اپنی زندگی کے تمام درجوں میں یاد رکھنی چاہیے۔

(د) اللہ تعالیٰ نے بے شمار مخلوق پیدا کر کے انسان کو اس کا حاکم بنا دیا ہے۔ وہ ان سے کام لیتا ہے اور فائدے اٹھاتا ہے۔ کیا ''اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْن'' اپنے نائب سے اس کی ذمہ داریوں کا حساب نہ لے گا؟ جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں وہ گویا انسان نہیں بننا چاہتے۔

مختصر یہ کہ انسانیت کی ترقی کے لیے ایک نظام عدل کی ضرورت ہے جس کے تحت قانونِ مکافات پوری طرح سے عمل کرے۔ لیکن اسے انسان کی موجودہ زندگی میں ایسے حالات اور قوانین کے تحت کام کرنا پڑتا ہے کہ ان قوانین کے طبعی تقاضوں کی وجہ سے قانونِ مکافات اپنا پورا عمل نہیں کرسکتا۔[1] اس لیے نہ افراد اور اقوام کے ظلموں کی پوری سزا مل سکتی ہے' نہ حاکموں کے ارادی اور غیر ارادی غلط فیصلوں کی اصلاح ہوسکتی ہے۔ نیز افراد' اقوام اور انسانیت عامہ کے کام جاری رہتے ہیں جن کا انجام اس وقت ہوگا جب نوع انسان کا خاتمہ ہوگا۔ ایسے ہی افراد اقوام اور انسانیت عامہ کو جو نعمتیں دی گئی ہیں ان کے استعمال کا حساب نوع انسان کے خاتمے ہی پر لیا جاسکتا ہے۔ یہ سب امور نوع انسانی کے اس دور کے خاتمہ پر ایک یوم الدین کا تقاضا کرتے ہیں جب پورا پورا حساب لیا جائے اور مکمل عدل کیا جائے۔ یہ دن ضرور آئے گا اور اس وقت اللہ تعالیٰ حساب لینے اور انصاف کرنے کے سوا اور کوئی کام نہ کرے گا۔

---

[1] امام ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں کہ ''جب ان اسباب میں جن پر فیصلے کا اجراء موقوف ہے طبعی طور پر تعارض پیدا ہو جائے اور اس فیصلے کے مطابق جو حالات پیدا ہونے چاہئیں ان کا کلی طور پر وجود میں لانا ممکن نہ ہو تو اس وقت حکمت الٰہی ان اشیاء کی رعایت کرتی ہے (یعنی ان اسباب کو کام کرنے دیتی ہے) جو خیر مطلق کے زیادہ قریب ہوں۔''

(حجتہ اللہ البالغہ ج 1 ' باب ذکر سنة اللّٰہ' ص 17-18) (مرتب)

یوم الدین پر ایمان کا فائدہ

جب انسان یوم جزا کی معرفت پر پورا یقین کر لیتا ہے تو وہ اس بات سے بے فکر ہو جاتا ہے کہ اس کا کوئی حق مارا جائے گا یا وہ معاشرے کی خدمت کے لیے جو کام کرے گا جزا سے محروم رہ جائے گا۔ وہ مطمئن ہو جاتا ہے کہ اگر اسے حکمت الٰہی کے تقاضے کے مطابق اس کے کسی عمل کی جزاء اسے دنیا میں نہیں مل سکی یا جو ظلم اس پر ہوا اس کی اصلاح نہیں ہو سکی تو ''یَوْمُ الدِّیْن'' پر اسے وہ جزا مل جائے گی' اور اس روز اس کی پوری دادرسی کی جائے گی۔ اس امر کے کامل یقین ہی سے انسانیت کی تنظیم کی قوت قاہرہ پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اگر انسان کو آخری یوم جزا کا یقین نہ ہو یا وہ اسے تسلیم نہ کرتا ہو تو وہ اپنے دل کی گہرائیوں میں اپنے آپ کو اپنے اعمال کا ذمہ دار نہیں سمجھتا اور ظلم کرنے سے نہیں جھجکتا۔ اس ذہنیت کے انسان کسی معاشرے میں اوپر آ جائیں تو وہ بے انتہا ظلم کر سکتے ہیں۔

غرض دنیا اور آخرت میں مُجَازَاۃ (اعمال کی جزا) کا جو سلسلہ کام کر رہا ہے[1] وہ ہر لحاظ سے قابل تعریف ہے اور اس تعریف کا اصل مستحق اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے یہ سلسلہ جاری کر رکھا ہے اور اسے اپنی حکمت اور قدرت کے ساتھ چلا رہا ہے۔

[1] دنیا و آخرت میں ''مَجَازَاۃ'' (اعمال کی جزا و سزا) کا سلسلہ کیوں اور کیسے جاری و ساری ہے۔ اس کی تفصیلات معلوم کرنے کے لیے حجۃ اللہ البالغہ کی اہم بحث ''مبحث المجازاۃ'' کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس مبحث میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس سلسلہ میں وارد ہونے والی آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ کا خلاصہ نہایت عمدہ انداز میں بیان فرمایا ہے۔ (آزاد)

آیت نمبر 4: اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝۴

''تیری ہی ہم بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں''

رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ، الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اور مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ نے اللہ تعالیٰ کی ذات کا تعارف بخوبی کرا دیا۔ ان تمام صفتوں کا مرجع ذات واحد ہے جسے اللہ کہا گیا ہے۔ساری کائنات پر اس کی ربوبیّت' رحمانیّت' رحیمیّت اور مالکیّت کے نقطۂ نگاہ سے نظر ڈالو اور فرد' خاندان' قوم' بین الاقوامی اجتماع اور انسانیت عامہ میں ان صفات کے ظہور و عمل پر غور کرو۔ اللہ تعالیٰ کے کسی فعل وعمل میں کوئی عیب نظر نہیں آتا اور ان ذات والا صفات کی ہر لحاظ سے تعریف کرنی پڑتی ہے۔

ان صفات کا تصور انسان میں ''اخبات'' کا گہرا جذبہ پیدا کر دیتا ہے۔ اور وہ بے اختیار کہہ اٹھتا ہے ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ''۔

جب انسانیت کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ معیّن ہوگیا۔ اور یہ معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ تمام اقوام کا رب (پروردگار) ہے۔ اور اس کی ربوبیّت انسانی معاشرے میں ماں باپ کی ربوبیّت جیسی لیکن اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ اور تمام جھگڑوں کو چکانے والا (مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ) وہی ہے اور وہی مظلوموں کے حقوق ظالموں سے لے کر دے سکتا ہے' تو انسانیت کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کس کی حکومت درکار ہے؟ اس حالت میں انسانیت فقط اللہ تعالیٰ ہی کی حکومت' حاکمیت' ملوکیت اور مالکیت کو قبول کر کے ترقی کر سکتی ہے۔

جب انسانیت اپنے آپ کو اللہ' ''رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ'' اور ''رَبُّ النَّاس'' کے ساتھ باندھ لے تو وہ کبھی حسرت میں مبتلا نہیں ہوسکتی۔ یہ معنی ہیں ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' کے۔ گویا ہم اعلان کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت کے سوا ہم کسی کے غلام نہیں ہیں۔ ہم اسی کی غلامی کرتے ہیں' اپنے سارے دل کے ساتھ' اپنی ساری عقل کی معرفت کے ساتھ اور اپنے اعضاء و جوارح کی پوری تابعداری کے ساتھ۔ اب کوئی غیر اللہ ہم سے اس قسم کی پیروی اطاعت اور فرمانبرداری کی امید نہ رکھے۔

(الف) ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'' ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں۔

ہم تیری ہی حکومت تسلیم کرتے ہیں۔ تیری کتابِ دستور ''قرآن حکیم'' کے کسی

حکم سے سرتابی نہیں کریں گے!

عبادت کیا ہے؟

جب کوئی شخص قرآن حکیم کو بطور کتاب الٰہی تسلیم کر لے تو اس کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اسے پڑھنے میں اتنی محنت کرے کہ اس کا اطمینان ہو جائے کہ میں نے اس کا مطلب ٹھیک ٹھیک سمجھ لیا ہے۔ اب وہ اس کتاب عظیم کے کسی حکم کی تاویل کر کے اسے منسوخ کہہ کر ٹال نہیں سکتا۔ وہ اس کے ہر ایک حکم کی خوشدلانہ تعمیل کرے گا یہی عبادت ہے۔

قرآن حکیم میں ایک جگہ آیا ہے اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ (17:75) امام ولی اللہ دہلویؒ کے نزدیک اس کے یہ معنی ہیں کہ صحابہ کرام نے جس طرح قرآن حکیم جمع کیا وہ گویا خداوند تعالیٰ نے جمع فرمایا ہے۔ آگے آتا ہے وَقُرْاٰنَهٗ (یعنی ہم پر اس کا پڑھانا بھی واجب ہے) اس سے مراد یہ ہے کہ ہر دور میں اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا فرماتا رہے گا جو قرآن کو سمجھ کر آگے لوگوں کو سمجھاتے رہیں گے۔ اگر الفاظ قرآن حکیم کے پڑھے جائیں اور مطلب اپنا لیا جائے تو یہ قرآن پڑھنا نہیں ہوگا۔ جب ہم قرآن حکیم کے کسی لفظ' کسی حرف یا کسی شوشے کو نہیں بدلتے تو اس کے معنی کو کیوں بدلیں؟

''اِخبَات اِلَی اللہ''

جب ساری کائنات میں ایک ہی اللہ کا قانون جاری ہے اور ہر ایک انسان اور ساری نوع انسانی اس کے آگے جوابدہ ہے' تو کامیاب سوسائٹی وہی ہوگی جس میں اللہ تعالیٰ اور صرف اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کیا جائے' اسی سے محبت کی جائے' اسی کے قانون کو تسلیم کیا جائے اور اس کی پابندی کی جائے۔ اسے ''اخبات'' کہتے ہیں۔

ہم اپنے ماں باپ' اپنے اساتذہ' روحانی مشائخ اور عادل حکام کی عزت کرتے ہیں اور ان کے لیے اپنے دلوں میں عزت' محبت اور اطاعت کا جذبہ رکھتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو ''رب' رحمن' رحیم اور مالک یوم الدین'' تسلیم کر لینے کے بعد اخبات کے وہ تمام جذبات جو ہم ماں باپ' اساتذہ مشائخ اور حکام کے لیے اپنے دل میں پاتے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ اب ہم ان سے جو محبت کرتے ہیں اور ان کی جو اطاعت کرتے ہیں وہ خدا کی محبت اور اس کی اطاعت کے نیچے آ جاتی ہے۔ ہم

ان سب سے محبت کریں گے۔ اور ان کی اطاعت کریں گے کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرتے اور کراتے ہیں۔ اب ہماری زندگی کا ایک ایک لمحہ صرف اس لیے ہوگا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے قانون کو عمل میں لائیں اور اس کے مقابلے میں اپنے نفس کی ہر ایک خواہش، ماں، باپ، عزیز و اقارب، دوست احباب کی ہر ایک خواہش استاد اور مرشد اور حاکم کے ہر ایک حکم کو ٹھکرا دیں جو اللہ تعالیٰ کے کسی حکم سے ٹکرائے، کیونکہ اب ہم اللہ تعالیٰ کے غلام، اس کے بندے اور اس کے ''عبد'' بن چکے ہیں۔

یہ وعدہ کہ میں ''تیری ہی بندگی کروں گا'' بڑا ذمہ داری کا وعدہ ہے۔ اس کا اقرار و اعلان کر دینے کے بعد انسان اپنا آپ اور اپنا سب کچھ اللہ تعالیٰ کو سونپ دیتا ہے اور اس کا بن چکنے کے بعد وہ کسی اور کا نہیں ہوسکتا۔

ہم خالص محبت کے ساتھ، دل کھول کر اور عقل کے ذریعے پوری معرفت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ پوری خوشی و خرمی کے ساتھ اپنے اعضاء و جوارح کو اس کے حکموں کی پیروی میں لگا دیتے ہیں اور غیر اللہ کو کسی معبودیت کا حقدار نہیں سمجھتے۔

گو عبودیت کے معنی واضح ہیں لیکن بعض اوقات اس لفظ کے مجازی استعمال سے شبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس کے معنی معین کر دیئے جائیں چنانچہ ان معنوں کی تعین اس آیت کے اگلے حصے میں کر دی گئی ہے۔

(ب) ''**اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ**'' ہم صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

ہم نے جو ذمہ داری قبول کی ہے اسے پورا کرنے کے لیے بہت سے سامان کی ضرورت ہوگی وہ ہم تجھ ہی سے حاصل کر سکتے ہیں۔ اس لیے تجھ ہی سے مانگیں گے۔ ہمارے پاس کام کرنے والی سوسائٹیوں کی تاریخ ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ انہوں نے خدا سے مانگا اور خدا نے انہیں دیا۔[1]

---

[1] چنانچہ امیر المومنین سید احمد (شہید) 1821ء میں حج کو جانے لگے تو آپ کے پاس صرف سو روپے کے قریب رقم تھی۔ روانگی کے وقت آپ نے وہ روپیہ بھی غریبوں اور مسکینوں میں بانٹ دیا اور خالی ہاتھ گھر سے نکلے۔ حالانکہ آپ کے ساتھ چار سو سے اوپر لوگ تھے، خدا کے بھروسے پر گھر سے نکلے۔ ایسے ہی کلکتے سے روانگی کے وقت آپ سارے بیڑے میں سے کمزور ترین جہاز میں سوار ہوئے اور فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے نئے اور پرانے سب یکساں ہیں۔ اگر وہ چاہے گا تو اس کو تیز کر دے گا'' اللہ کے فضل سے سارے بیڑے کے ساتھ آپ کا جہاز بھی وقت پر جدہ پہنچا۔ (سیرۃ سید احمد شہیدؒ از سید ابوالحسن علی ندوی جلد اول ص 277 اور ص 320)

غیر انقلابی کبھی مدد نہیں دیں گے

جب کوئی جماعت قرآن حکیم کے اصول پر معاشرہ (سوسائٹی) تعمیر کرنے کے لیے اٹھے گی تو جو شخص یا جماعت اس انقلاب کو پسند نہیں کرتی، وہ کبھی اس انقلابی جماعت کو آگے بڑھنے نہیں دے گی، مدد دینے کا تو کیا ذکر!! اس لیے قرآنی انقلابی جماعت کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے مدد مانگنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

برّعظیم (پاکستان و) ہند میں قرآنی اصول پر انقلاب لانے والی جماعت دو باتیں ہرگز قبول نہیں کرے گی۔

(1) علمی سرمایہ داری (Brahmanism) اور

(2) معاشی سرمایہ داری (Capitalism)

جو لوگ قرآنی اصول پر انقلاب برپا کرنے کے لیے اٹھیں، انہیں صرف خدا تعالیٰ پر بھروسہ کر کے کام کرنا ہوگا۔ یہ بھروسہ جتنا مضبوط ہوگا اتنا ہی خدا تعالیٰ کی طرف سے جلد اور زیادہ مدد حاصل ہوگی۔

توحید اور حرّیت

اگر کوئی شخص ہمیں اس انقلاب میں کچھ مدد دیتا ہے تو اس کی وجہ سے وہ اس بات کا حقدار نہیں بن جاتا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلے میں اس شخص کے حکم کی اطاعت کریں۔ ہم اس کی مدد کے لیے اس کا شکریہ ادا کرسکتے ہیں اور اس کی فیاضی کی تعریف بھی کرسکتے ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ کے حکم کے مقابلے میں اس کا کوئی حکم نہیں مان سکتے، اس لیے کہ اصل میں تمام چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ انہیں کسی ذریعے یا واسطے سے کسی دوسرے کو پہنچا دینا یہ حق پیدا نہیں کر دیتا کہ پہنچانے والے کی عبادت کی جائے۔ اگر وسائط کو ہماری بندگی کا حق حاصل ہو جائے تو انسانی معاشرے میں انارکی (نراج) پیدا ہو جائے۔ کیونکہ ہر ایک ''واسطہ'' ہماری اطاعت کا طلب گار بن جائے گا اور ہم کسی کو بھی مطمئن نہیں کرسکیں گے۔ جب انسان یہ بات اچھی طرح سے سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ اس کا خالق ہے اور وہی اس کی حاجتیں پوری کرنے والا ہے، تو وہ حاجت روائی کے لیے غیروں

کے دروازوں پر سر نہیں جھکاتا۔ توحید کا یہی مطلب ہے اور انسانی حرّیت قائم رکھنے کا یہی طریقہ ہوسکتا ہے۔ اگر ہم یوں سوچنے لگیں کہ ہماری کوئی حاجت غیر اللہ بھی پوری کرسکتا ہے تو ہمیں ہر ایک معطی کا بندہ بن کر رہنا ہوگا' اور ہماری فکر و عمل کی آزادی چھن جائے گی۔ گویا اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں) اصل میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ (ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں) کا طبعی نتیجہ اور اس کی تشریح ہے۔ پس کسی ترقی کُن معاشرے کی بنیاد صرف اس اصول پر ہوسکتی ہے کہ ہم اپنی حاجتیں پوری کرنے میں اللہ کے سوا کسی اور پر بھروسہ نہ کریں۔

جب انسان اپنی ذمہ داری پر اپنی سوسائٹی پیدا کرنے کا ارادہ کر لے گا' ایسی سوسائٹی جس میں صرف انسانیت کے طبعی تقاضوں کے مطابق ضابطہ اور دستور جاری کرے گا تو اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے مدد نہیں مل سکے گی (اور نہ اسے کسی اور سے مدد لینی ہی چاہیے) اس لیے کہ ایسی سوسائٹی چلانے میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی مدد قبول کی جائے گی تو لامحالہ وہ اس کی قیمت وصول کرے گا اور اپنی غلامی کرائے گا' جس سے انقلاب ختم ہو جائے گا اور رجعت پسندی پیدا ہو جائے گی۔

آیات نمبر 1 تا نمبر 4 میں انسان اور اس کے خالق کی نسبت معین ہوگئی' یعنی یہ کہ:

(الف) اللہ تعالیٰ ہی تمام اقوام کا رب ہے (رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ)۔

(ب) اس کی ربوبیت ان میں اسی طرح سے عمل کرتی ہے جس طرح سے باپ اور ماں کی محبت اور شفقت اولاد پر عمل کرتی ہے (الرحمٰن الرحیم)۔

(ج) وہی رب ان کے تمام جھگڑوں کا آخری فیصلہ کرنے والا اور ان کے حقوق دلانے والا ہے (مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْن)۔

(د) اب انسانیت کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کس حاکم یا مالک کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ (اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ)

یہاں سورۂ فاتحہ کا نصف حصہ ختم ہوگیا۔ اس کے بعد کی آیات میں جامع دعا سکھائی جاتی ہے' جو انسانیت عامہ کی سب سے بڑی اور جامع ضرورت پوری کرنے کے لیے ہے۔

آیت نمبر 5: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝

''ہمیں سیدھی راہ پر چلا۔''

یہ دعا ہے۔ اِھْدِ : یہ ھدایۃ سے ہے' جس کے معنی ہیں رہنمائی کرنا یعنی جہاں پہنچنا ہے اس منزل کی راہ بتانا اور چلانا۔

دعاء کی حقیقت

انسان کے ظاہری اعضاء میں علیحدہ علیحدہ قوتیں پوشیدہ ہیں۔ ان قوتوں کو استعمال کرنا انسان کے لیے طبعی بات ہے۔ ان سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ انسان کی فطرت کا تقاضا ہے' وہ اس کے لیے کوئی اجنبی چیز نہیں ہے مثلاً جس شخص کی آنکھیں صحیح سالم موجود ہیں' اس کے لیے روشنی سے فائدہ اٹھانا کوئی تعجب کی چیز نہیں ہے' یہ اس کی شخصیت کا جز ہے۔ اسی طرح انسان اپنے ہر ایک عضو کی خاص قوت کو سوچ کر اپنے ''اَنَا'' کا تصور بناتا ہے' چنانچہ جب انسان مَیں (انا) کہتا ہے تو اس میں چلنے' پکڑنے' سننے' دیکھنے وغیرہ کی سب طاقتیں آجاتی ہیں۔ اسے کوئی تردد نہیں ہوتا کہ انسان سن نہیں سکتا یا پکڑ نہیں سکتا' کیونکہ وہ سب کیفیات اپنے اندر ہر وقت موجود پاتا ہے۔ جس شخص میں کوئی طاقت نہیں ہے وہ اپنی شخصیت کو اس طاقت کے فوائد سے وابستہ نہیں کرسکتا۔ اس لیے اوروں میں اس طاقت کا ظہور وعمل اس کے لیے موجب حیرت ہوتا ہے۔ دماغی طور پر ترقی یافتہ انسان اپنے دماغی عمل سے ایسے نتائج نکالتے ہیں کہ دنیا انہیں دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ لیکن ان کے لیے وہ اعمال فطرت انسانی سے باہر کی چیز نہیں ہوتے۔ وہ انہیں اپنے انا میں مستور پاتے ہیں۔[1]

1۔ مثلاً مارکونی اطالوی نے بغیر تار کے پیغامات بھیجنے کا سلسلہ ایجاد کیا اور آئن سٹائن نے نظریہ اضافت پیش کیا جسے ابھی تک بہت کم حکماء پوری طرح سمجھ سکے ہیں۔ اس کے باوجود نظریہ اضافت سے مادے کے خواص کے متعلق جو نتائج نکلتے ہیں وہ تجربات سے صحیح نکلتے ہیں جیسے سورج گرہن کے وقت دور سے آنے والی روشنی کی کرنوں کا سورج کے اثر سے انحراف وغیرہ (مرتب)

انسان میں ایک قوت ہے جسے ''ارادہ'' کہتے ہیں۔ اس کے استعمال سے خاص نتائج پیدا ہوتے ہیں جو آنکھ یا کان کی قوت سے نہیں ہوسکتے۔ جب بدن کی طاقتیں ارادے سے متاثر ہوکر کام پر آمادہ ہو جاتی ہیں تو اسے ''ہمّت'' کہتے ہیں، یہ ارادہ اور ہمّت [1] جس میں زیادہ ہوتے ہیں وہ بڑے بڑے کام کرسکتا ہے۔ اور جس میں نہیں ہوتے وہ ان کاموں کو انسانیت سے اجنبی چیز سمجھے تو تعجب نہیں۔

دعا کی پہلی اساس

دعا سے مراد اس ارادے کا اظہار ہے جو ہم اپنے دل میں بناتے ہیں۔ یعنی یہ کہ ہم عمل کریں گے۔ ہم اس راہ میں اپنی تمام قوتیں صرف کردیں گے لیکن ہم جانتے ہیں کہ اس راہ میں رکاوٹیں پیش آئیں گی۔ اس وقت ہم اپنے اللہ سے جو ربّ، رحمٰن، رحیم اور مالک و قادر ہے درخواست کریں گے کہ وہ ان رکاوٹوں کو ہمارے راستے سے دور فرمانے میں ہماری مدد کرے یہاں تک کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں۔

انسانی ارادہ کیسے کام کرتا ہے؟ اس کے عمل کا اصل منبع اور خزانہ حظیرۃ القدس ہے۔ اس سے ہر ایک انسان کا براہ راست تعلق ہے۔ جب انسانی ہمت حظیرۃ القدس تک پہنچ جاتی ہے تو وہ جو خیال بناتا ہے وہ خارج میں ظہور میں آجاتا ہے۔ انسانی ہمت کے حظیرۃ القدس تک پہنچ جانے کو شرعی اصطلاح میں ''دعاء'' کہتے ہیں۔ اور اس کے نتیجے کے نکلنے کا نام ''استجابت'' ہے۔ اور حظیرۃ القدس کے ساتھ تعلق کو ''تعلق باللہ'' کہتے ہیں۔

دعا کے لیے دو ضرورتیں

حظیرہ القدس سے تعلق رکھنے اور اپنا راستہ زیادہ صاف کرنے کے لیے دو چیزیں کام دیتی ہیں۔

(1) دماغ میں اس منظر کا ہر وقت اپنے سامنے رکھنا۔ یعنی دماغ کا ہر وقت حظیرۃ القدس کی طرف متوجہ رہنا۔ اس توجہ سے ایسی قوت پیدا ہوتی ہے جیسے آسمان کی طرف

[1] امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں: وَاعْلَمْ اَنَّ هٰذِهِ الْاَ عْمَالَ كُلَّهَا اَشْبَاحٌ' وَاَرْوَاحُهَا هِمَّةُ الدَّاعِي وَالصِّفَةُ الْجَذَّابَةُ لِلْمَلٰئِكَةِ یعنی دعا مانگنے کے جتنے بھی اعمال ہیں وہ صرف صورتیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی روح دعا مانگنے والے کی ہمت اور وہ صفت کہ جو ملائکہ کی توجہ اپنی طرف کھینچ لے۔ (تفہیمات الٰہیہ ج 1، تفہیم نمبر 36، ص 132) (مرتب)

دیکھنے سے سورج نظر آتا ہے۔ کسی انسان کی جس قدر توجہ زیادہ ہوتی ہے جو دماغ کی محنت کا نتیجہ ہوتی ہے اسی قدر اس کی دعا جلد قبول ہوتی ہے۔ یعنی اس کی توجہ کا نتیجہ جلد نکلتا ہے۔

(2) انسان کے بدن کا حیوانی نجاستوں سے صاف ہونا اور لباس اور جگہ کا پاک ہونا' اور فکر اور ارادے میں کسی چھوٹی چیز کا دیر تک نہ ٹھہرنا' مثلاً بھوک لگی' کھانے کی خواہش پیدا ہوئی جو میسر آیا کھا لیا۔ اس کے بعد اپنی بھوک کا تصور بھی نہ رہا۔ یہ ایک چھوٹی سی بات تھی لیکن بہت ضروری تھی پوری ہوگئی اور اس کا تصور اور خیال جاتا رہا۔ لیکن چند بھوکے انسان ہیں ان کے لیے روٹی کا انتظام نہیں ہے۔ ان کے لیے ایک دن کا انتظام کر دینے سے ان کی بھوک کا مسئلہ حل نہیں ہوسکتا۔ اس کا انتظام سوچنے کے لیے کافی وقت اور توجہ کی ضرورت رہے گی۔ یہ ہے بڑا فکر جو جب تک پورا نہ ہو جائے' سامنے رہنا چاہیے۔

جس شخص کا تعلق حظیرۃ القدس کے ساتھ قائم ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ اپنے ساتھ پاتا ہے۔ شرعی زبان میں اسے کہتے ہیں کہ اس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے۔ حظیرۃ القدس کا سمجھنا تو اہل علم کا کام ہے۔ عام زبان میں یہ کہہ دینا کافی ہے کہ اٰمَنَ بِاللّٰہِ (وہ اللہ پر ایمان لے آیا)۔ جن لوگوں میں یہ طاقت نہیں ہے وہ اس طاقت کے نتائج کو انسانی فطرت سے اجنبی چیز سمجھتے ہیں۔ کبھی اسے کرامت کہہ دیتے ہیں' کبھی معجزہ قرار دیتے ہیں۔ یہ فاقدالبصیرۃ (گمشدہ بصیرۃ والے) لوگوں کی اصطلاحیں ہیں۔ ورنہ تمام نتائج جو انسان کی ہمت سے پیدا ہوتے ہیں وہ سب انسان کی فطرت کا جز ہیں۔ اس سے باہر کی چیز نہیں ہیں۔[1]

[1] امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ معلوم رہے کہ اس فقیر کو آگاہ کیا گیا ہے کہ خوارق عادات اپنی ذات کی حد کے اندر امور عادیہ ہی ہیں' بایں معنی کہ سنت اللہ یوں جاری ہے کہ جب نفس ناطقہ کسب یا جبلت سے اس درجے پر پہنچ جاتا ہے کہ غیب کی باتیں اس پر کھل جاتی ہیں اور اس کی دعا قبول ہونے لگتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایسے یہ ہی سنت اللہ بھی جاری ہے کہ کوئی شخص جب تریاق کھالے' اس پر سے زہر کا اثر جاتا رہتا ہے' یا گوشت اور چربی خوب کھالے تو وہ موٹا ہو جاتا ہے۔ لیکن جو چیز جس طرح ہوتی نظر آتی ہے اس کے خلاف واقع ہو جانا خارق عادت کہلاتا ہے۔

نیز یہ بھی اس فقیر کو اطلاع دی گئی ہے کہ خوارق کی ہر ایک نوع ایک کسب ہے۔ جب کوئی شخص اس کسب سے تمسک (اختیار) کرتا ہے تو وہ خارق اس سے صادر ہونے لگتا ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

اجتماع مبعوث من اللہ ہوتا ہے

اگر ایک آدمی قوت قلب کے ساتھ دعا مانگے تو اس کی کچھ قیمت (تاثیر کی مقدار) مقرر کرلی جائے۔ اگر دوسرا شخص اسی ہمت کا شریکِ دعا ہو جائے تو ظاہر ہے کہ اس کی تاثیر یا قیمت بڑھتی جائے گی۔ اس طرح بڑھتے بڑھتے جب ایک جماعت پیدا ہو جاتی ہے تو حظیرۃ القدس اسے اپنا نمائندہ بنالیتا ہے۔ اب یہ کیفیت ہوتی ہے کہ ان کے دل میں کوئی فکر آیا اور وہ کام ہوا۔ ان کی زبان سے دعا نکلی اور وہ قبول ہوئی۔

دینی اور لادینی جماعتیں

دنیا میں جتنے بڑے بڑے کام ہوئے ہیں وہ انسانوں کی جماعت کے مل کر کرنے ہی سے ہوئے ہیں۔ ان جماعتوں کی پہلی تقسیم یہ ہوگی۔

(1) حظیرۃ القدس کو ماننے والے' اور

(2) حظیرۃ القدس سے غافل

ان میں سے پہلی جماعت کی دعوت کتبِ الٰہیّہ دیتی ہیں اور دوسری جماعت میں وہ لوگ ہیں جنہیں ہم لادینی کہتے ہیں۔ اس آخرالذکر جماعت کے کام بھی ہوتے تو حظیرۃ القدس ہی کی طاقت سے ہیں لیکن دماغی کمزوری کے باعث وہ اس مسئلے کو صحیح طور پر سمجھ نہیں سکے۔ اس لیے انہیں غافلین' قرار دیا جاتا ہے۔ ہم نے لادینی لوگوں کی بہت سی جماعتوں کو بڑے بڑے کاموں میں کامیاب ہوتے دیکھا ہے' ان کے عمل کا تجزیہ کرنے سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ لوگ کچھ غفلت برتتے ہیں۔ جو لوگ اپنے آپ کو خدا پرست مذہبوں کے پابند' حظیرہ القدس میں فنا حاصل کرنے کے مدعی ظاہر

(بقیہ حاشیہ) آگے چل کر فرماتے ہیں کہ اہل غرض..... جب کسی وجہ سے اپنی ہمتوں کو حظیرۃ القدس تک پہنچا دیتے ہیں' جیسے نماز استسقاء کے لیے لوگوں کے اجتماع عظیم سے' یا عرفات کے میدان میں رحمت کے نزول کی طلب کے لیے دعا' تو یہ نظام عالم میں اثر انداز ہوتا ہے۔

پس جب قوی عزم والا شخص جو جبلّت یا کسب کے ذریعے سے (حظیرۃ القدس کی) کی قوت متفرقہ کے ساتھ مناسبت رکھتا ہو کسی کام کی طرف توجہ کرتا ہے تو یہ عزیمت حظیرۃ القدس تک پہنچتی ہے اور وہاں کسی نہ کسی شکل میں تاثیر کرتی ہے جو اس ہمت اور اسباب موجودہ کے بقدر عالم مادی میں اثر کرتی ہے۔ (ہمعات' ہمعہ نمبر2) (مرتب)

کرتے ہیں ان کی ہمّت ان لادینی لوگوں کے مقابلے میں بہت کمزور ہے۔ اس لیے خدا پرست لوگ ناکام ہورہے ہیں اور ان کے مقابلے میں لادینی لوگوں کی ہمّت چونکہ ایک صحیح کام پر متوجہ ہوگئی ہے اس لیے وہ کامیاب ہوگئے ہیں۔ ہمّت کی تاثیر کے لیے جو شرطیں ہیں وہ دونوں کے لیے یکساں ہیں۔ ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ جب تک ایک انسان اپنے مقصد پر اپنی جان و مال دینا منظور نہ کرے، ہمّت کا وہ نصاب پورا نہیں ہوتا جو حظیرۃ القدس تک پہنچ کر وہاں کی قوتوں کو حرکت میں لاسکتا ہے۔

دعا کی دوسری اساس

دعا کا مطلب یہ بھی ہے کہ ہم یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے جو چیز مانگی جائے وہ ضرور ملتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ حکمت الٰہی کے مطابق جس چیز کی جہاں ضرورت ہوتی ہے وہاں وہ ضرور پیدا کر دی جاتی ہے۔ لیکن اس امر کا اظہار کہ کس چیز کی ضرورت ہے ہم اپنے فیصلے (دعاء) سے خود کرتے ہیں۔ کبھی کبھی ہمارے فیصلے میں غلطی ہو جاتی ہے۔ اس لیے ہماری طلب کردہ چیز پیدا نہیں کی جاتی۔ لیکن ہماری ذمہ شناسی کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اپنے فیصلے سے اچھی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگیں۔ اس میں یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر وہ چیز پیدا کرنا مناسب نہیں ہوتا تو آگے چل کر ہمیں بتا دیا جاتا ہے کہ اس چیز کا پیدا کرنا مناسب نہیں تھا۔ لیکن یہ اصول بہرکیف اپنی جگہ قائم رہے گا کہ ہم کوئی چیز اپنے ارادے اور فیصلے کے اظہار (دعاء) کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے مانگیں تو وہ ہماری طلب اور ضرورت کے مطابق عطا فرما دیتا ہے۔

سورۂ فاتحہ کی دعا کا مطلب

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْم کے سلسلے میں دعا کی ان دونوں بنیادوں کو ماننے کا مطلب یہ ہے کہ ہم فیصلہ کرتے ہیں کہ ہم سیدھے راستے پر چلیں گے۔ ٹیڑھے اور غلط راستے پر نہیں چلیں گے۔ یہ فیصلہ کر لینا انسان کا بہت بڑا شرف ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں غلطی ہوگی ہم اسے چھوڑتے جائیں گے۔ انسانیت کی ترقی کا یہی راستہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس فیصلے کا اثر یہ بھی ہونا چاہیے کہ اپنی فطرت کو اپنے اوپر حاکم بنائیں۔ جو چیز اس کے خلاف ہمیں سکھائی جائے' اس کا انکار کر دیں۔

فائدہ: جب ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ ''رب العٰلمین'' ہماری تائید میں ہے' جو چیز ہم مانگتے ہیں وہ ضرور عطا فرما دیتا ہے' تو ہم کسی مخالف طاقت سے نہیں ڈرتے۔ مخالف طاقت کا ڈر دماغ سے نکال دینا ہی کامیابی کا گُر ہے۔ جب ہم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کرلی تو ہمیں اطمینان ہوگیا کہ ہمارا مخالف کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اس سے ہماری طبیعت میں اول درجے کی ہمّت اور شجاعت پیدا ہوتی رہے گی اور جو چیز مانگتے ہیں اس کا عطا کرنا بھی مناسب ہے تو وہ چیز پیدا بھی کر دی جائے گی۔

دعا کا فائدہ: جب انسان کے دل میں یہ خطرہ موجود ہو کہ مطلوب حاصل کرنے میں موانع (رکاوٹیں) ہیں تو قوت عملی نشاط کھو بیٹھتی ہے۔ اور قوت ارادی پورے زور کے ساتھ عمل نہیں کرتی اور نتیجہ پوری طرح ظاہر نہیں ہوتا۔ لیکن جب انسان اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ کر اطمینان حاصل کر لیتے ہیں تو ان کی قوّتِ ارادی تمام مظاہرِ عمل میں ابھرنے لگتی ہے۔

انبیاء کرام کی تعلیمات میں تحریف کرنے والوں اور فطرت انسانی کو مسخ کرنے والوں نے دعاء کے اس مفہوم کو بدل ڈالا ہے۔ فطرت سلیمہ ان کا انکار کرتی ہے۔ ہم اپنی حکمت عملی میں دعا کو علّت تامّہ کا ایک جزو مانتے ہیں۔ ہمارے خیال میں کسی عمل کے بروئے کار آنے میں انسانی ارادے کو بھی دخل ہے۔

صراط مستقیم: یہ دو طرح سے سمجھا جاسکتا ہے:

(1) عقل و نظر کی روشنی میں' اور

(2) تاریخ و تجربے کی روشنی میں

(1) صراط مستقیم عقل کی روشنی میں:

عقل و نظر کی روشنی میں صراط مستقیم سے مراد ہے فطرت انسانی پر چلنا اور اس کے طبعی تقاضے پورے کرنا۔

جب انسان کو ایسی تعلیم دی جاتی ہے جو اس کے طبعی تقاضوں کے مطابق ہے تو وہ ایسا محسوس کرتا ہے' گویا اسے ایک بھولی بسری چیز یاد دلائی گئی ہے۔ اس لیے جو علم انسان کو دیا جائے' جو اخلاق انسان کو سکھائے جائیں اور سوسائٹی کا جو نظام اسے بتایا

جائے وہ ایسا ہونا چاہیے کہ فطرت انسانی پکار اٹھے کہ یہ میری ہی چیز ہے، جو مجھے بھولی ہوئی تھی۔

جب انسان کی فطرت سلیم ہو (یعنی بیمار نہ ہو) تو وہ اس تعلیم کی خوبیاں آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ اس کی صحت اور بیماری کا اندازہ عام لوگوں کی حالت سے مقابلہ کر کے لگایا جاسکتا ہے۔ مثلاً ایک انسان ایک چیز سے نفرت کرتا ہے لیکن عام لوگوں کو دیکھیں تو وہ اس سے نفرت نہیں کرتے' تو یقیناً یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ شخص بیمار ہے۔ اس لیے قرآن حکیم کی اصطلاح میں صراط مستقیم کی ہر چیز کو ''معروف'' کہا گیا ہے۔ یعنی سب کی جانی پہچانی ہوئی چیز۔ اس کے برخلاف جس چیز کو انسان کی فطرت سلیمہ قبول کرنے سے انکار کر دے قرآن حکیم اسے ''منکر'' کہتا ہے۔ یعنی وہ چیز جسے انسانی فطرت نہیں پہچانتی کہ یہ اس کی ہے۔

جو سوسائٹی انسانی فطرت سلیمہ پر قائم کی جائے گی وہ لامحالہ ''معروف'' کا حکم دے گی اور ''منکر'' سے روکے گی۔ اس تعلیم کو صراط مستقیم کہتے ہیں۔

جب ہماری طبیعت مخلوقات میں سے کسی مخلوق کی پابند نہ رہے اور ہم اپنی پوری ہمّت کے ساتھ فقط اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے لگیں اور یہ بھروسہ اس بھروسے سے زیادہ ہو جو آغاز طفولیّت میں اولاد کو اپنے ماں باپ پر ہوتا ہے تو ہم اپنی فطرت کی تکمیل کے سوا کوئی بات نہیں سوچتے۔ اس وقت ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں اور دعا بھی فقط یہ کہ **اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ** (ہمیں سیدھی راہ' فطرت انسانی پر قائم رکھ)[1]

---

[1] امام ولی اللہ دہلویؒ انسان کی فطری ترقی کو چار منازل میں تقسیم کرتے ہیں۔

(1) ارتفاق اول: یعنی انسان کی وہ زندگی جب وہ چھوٹے چھوٹے دیہات بسا کر رہتا تھا۔

(2) ارتفاق دوم: جب اس نے قصبے بسا کر رہنا شروع کیا۔

(3) ارتفاق سوم: جب اس نے حکومت کا قومی نظام قائم کرلیا۔

(4) اتفاق چہارم: جب مختلف قومیں مل کر ایک بین الاقوامی نظام قائم کرلیں۔

یہ ارتفاقات' تہذیبِ نفس' تدبیرِ منزل' سیاستِ مدنیّہ اور خلافت کُبریٰ (انٹرنیشنل سٹیٹ) پر مشتمل ہیں۔ یہ انسان کی فطرت کے تقاضے ہیں اور ان کی صحیح شکل صراط مستقیم ہے' (مرتب)

اس دعا کا اجتماعی پہلو

سیدھے راستے پر چلنا انسانیّت کا تقاضا ہے لیکن اِھْدِنِیْ (مجھے چلا) کی جگہ اِھْدِنَا (ہمیں چلا) کہنا ظاہر کرتا ہے کہ ایک فرد انسانی اپنے طبعی تقاضے پورے نہیں کرسکتا۔ یہ تقاضے اعلیٰ درجے کے انسانوں کی سوسائٹی ہی میں پورے ہوسکتے ہیں۔

طلب ہدایت کی ضرورت

ایک بچہ مدرسے میں داخل ہوتا ہے' اس کا طبّی معائنہ ہوتا ہے اور تندرست پایا جاتا ہے۔ اب یہ کہا جائے گا کہ یہ بچہ مدرسے کی تکمیل کرنے کے قابل ہے۔ یہ حالت انسان کے طبعی تقاضوں کی سلامتی کی مانند ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ایک سو لڑکوں میں سے جو تندرستی کی حالت میں پہلی جماعت میں داخل ہوتے ہیں' کتنے ہوتے ہیں جو کالج کی انتہائی جماعت تک پہنچ جاتے ہیں؟ جو وہاں تک نہیں پہنچ پاتے وہ کیوں پیچھے رہ جاتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بچوں کے اردگرد جو قوتیں ان کے طبعی تقاضوں کے خلاف کام کر رہی ہیں' ان سے دب کر وہ پیچھے رہ جاتے ہیں اور تکمیل کی انتہا کو نہیں پہنچ پاتے۔

کائنات میں انسان تنہا نہیں ہے بلکہ اس کے گرد بہت سی چیزیں اور قوتیں ہیں مثلاً جمادات' نباتات' حیوانات' جن' فرشتے وغیرہ' انسان کو ان کے درمیان رہنا پڑتا ہے۔ اس کی طبیعت اپنے ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔[1]

عام مشاہدہ یہ ہے کہ انسان ہر وقت اپنے عقلی تقاضوں ہی سے اثر نہیں لیتا رہتا کبھی اس پر اس کے حیوانی جذبات بھی غالب آجاتے ہیں۔ جو غذا وہ کھاتا ہے اور جس سوسائٹی میں وہ رہتا اور کام کرتا ہے' اس سے بھی اس کی طبیعت اثر لیتی ہے۔ اس لیے اسے تعلیم کی ضرورت ہے لیکن تعلیم میں جبر کا دخل نہیں ہوتا۔ وہ صرف یہ بتا سکتی ہے کہ انسانی فطرت کا تقاضا کیا ہے جس کے مطابق اسے کام کرنا چاہیے۔ دعا کے نتیجے کے طور پر یہ رہنمائی انسان کو ملتی رہتی ہے۔ قرآن حکیم پر عمل کرنے والوں کو یہ رہنمائی کسی نہ کسی شکل میں ملتی رہے گی۔ اور جو لوگ قرآنی انقلاب کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں گے' ان کی رہنمائی ہوتی رہے گی۔

---

[1] امام ولی اللہ دہلویؒ حجتہ اللہ البالغہ جلد اول باب فی اسباب الخواطر الباعثة علی الاعمال میں ان اسباب کا ذکر کرتے ہیں جو انسان کے اعمال پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان میں طبعی ماحول' ملاء اعلیٰ اور شیاطین کے اثرات وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں۔ طبعی ماحول سے مراد معاشی و معاشرتی ماحول ہے۔ (مرتب)

آیت نمبر 6 : صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

"ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا"

ہم نے جو سیدھا راستہ مانگا ہے یہ اس کی مزید تشریح ہے۔

صراط مستقیم تاریخ کی روشنی میں : پچھلی آیت میں صراط مستقیم کی جو طلب نظریے کی شکل میں تھی وہ اس آیت میں تاریخ اور تجربے کی روشنی میں معیّن کر دی گئی ہے۔

مُنۡعَمۡ علیہ سوسائٹی : انسان مدنی الطبع ہے۔ وہ تنہا زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ اس کے فطری قُوٰی کی تکمیل سوسائٹی کے اندر رہ کر ہو سکتی ہے' کیونکہ ہر شخص کے قویٰ کی تکمیل کے لیے نمونہ سوسائٹی ہی میں مل سکتا ہے۔ اور اس کا نظام نظریّات (Ideology) اجتماع میں شامل ہوئے بغیر جائے گیر نہیں ہوسکتا، ایسے ہی اس کی ارتقائی زندگی اجتماع کے بغیر ترقی نہیں کرسکتی۔ چنانچہ اس آیت میں ایک سوسائٹی کی درخواست کی گئی ہے جو اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ (انعام یافتہ لوگوں) کی ہے۔ جس اجتماع کے افراد کے فطری قُویٰ کی ترقی کا سامان اللہ تعالیٰ بہم پہنچا دے وہ انعام یافتہ معاشرہ ہوتا ہے۔ اس کی بنیاد مضبوط ہوتی ہے۔ جو شخص اس جماعت میں منسلک ہو جائے' وہی صراط مستقیم پر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صراط مستقیم کی تعیین اور سوسائٹی کی طلب انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ اگر وہ اس میں کوتاہی کرے تو وہ خود لائق ملامت ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیے کہ ایک آدمی کو بھوک یا پیاس لگتی ہے وہ خوراک یا پانی تلاش نہیں کرتا اور مر جاتا ہے تو اس کی ذمہ داری خود اس پر آتی ہے اور وہ خود ہی لائق ملامت ہے۔

خدا تعالیٰ کا بہترین انعام یہ ہے کہ کسی سوسائٹی میں اپنا علم ہو اور وہی اس سوسائٹی پر حکومت کرتا ہو۔ انسانی حریت انھی حالات میں قائم رہ سکتی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں ایسی سوسائٹی دی جائے جو اعلیٰ درجے کے انعام یافتہ لوگوں پر مشتمل ہو۔ [1]

---

[1] امام ولی اللہ دہلویؒ انسانی معاشرے کی ترقی کی مختلف منزلوں کا ذکر کرتے ہوئے ارتفاق رابع (بین الاقوامی نظام یا خلافت کُبریٰ) کا ذکر کرتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ "جب (بین الاقوامی سطح پر) حکمران وجود میں آ جاتا ہے اور ملک کا نظام نہایت اعلیٰ پیمانے پر درست کر لیتا ہے جابر سے جابر حاکم اس کے آگے سر جھکا دیتے ہیں اور بادشاہ اس کے مطیع ہو جاتے ہیں تو "تمت النعمة"، نعمت الٰہی کامل ہو جاتی ہے۔" گویا امام صاحبؒ کے نزدیک بین الاقوامی حکومت بلند ترین نعمت ہے جو کسی انسانی معاشرے کو مل سکتی ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ منیریہ مصر ج 1 ' باب الارتفاق الرابع ' ص 47)

ترقی کن سوسائٹی کے چار اجزاء

قرآن حکیم نے انعام یافتہ سوسائٹی کی تشریح اس آیت میں کی ہے اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ (69:4)(منعم علیہ یعنی انعام یافتہ نبی، صدیق، شہید اور صالح ہوتے ہیں)۔ اس آیت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان میں دو قسم کی قوتیں پائی جاتی ہیں۔

(1) علمی اور (2) عملی

اگر انسان کی فطرت سلیم ہو تو علم اور عمل میں تفریق نہیں ہوسکتی۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ کسی انسان میں ایک قوت زیادہ ہو، کسی میں دوسری۔ اسی وجہ سے انسان ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں اور انہیں ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ اس کمی بیشی کے لحاظ سے انسان کی علمی اور عملی قوتوں کے دو درجے ہوسکتے ہیں۔

(1) فاعلی اور (2) انفعالی

(الف) انبیاء

جس انسان میں علمی اور عملی قوتیں فعالیّت کے بہت بلند درجے پر ہوں وہ منبع علم[1] سے براہ راست علم حاصل کرسکتا ہے اسے نبی کہتے ہیں یہ صدیقین، شہداء اور صالحین پیدا کرنے والے اساتذہ ہیں۔

(ب) صدیقین

جس شخص میں علمی قوت انفعالی لحاظ سے بلند درجے کی ہو، وہ منبع علم سے براہ راست تو علم حاصل نہیں کرسکتا، لیکن اگر اس میں عملی قوت بہت بلند درجے کی ہو تو اسے صدیق کہتے ہیں۔

---

[1] امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے بعض فرشتے مقرب ہیں۔ وہ خدا اور انسان کے درمیان پیام رسانی کا واسطہ (Medium) ہیں ان کے اجتماعات بھی ہوتے ہیں جنہیں ملاء اعلیٰ کہتے ہیں۔ انسانی اجتماع کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایات پہلے اس ملاء اعلیٰ میں نازل ہوتی ہیں۔ ان کا اجتماع روح اعظم کے پاس ہوتا ہے تو ان کے انوار آپس میں مل جاتے ہیں اسے حظیرۃ القدس کہتے ہیں۔ اس اجتماع میں بنی آدم کے لیے پروگرام طے ہوتے ہیں جن کا علم اس سارے زمانے کے سب سے پاک دل انسان کو بذریعہ الہام دیا جاتا ہے۔ (حجتہ اللہ البالغہ ج 1، باب ذکر الملاء الاعلیٰ، ص 15،16 ملخصاً) (مرتب)

(ج) شہداء

جو لوگ قوت عملی میں بلند درجہ کے مالک ہوتے ہیں لیکن صدّیق سے کم درجے کے ہوتے ہیں اور علم میں بھی اس سے کم درجے کے ہوتے ہیں، لیکن وہ جس چیز کو حق سمجھتے ہیں اسے کامیابی سے چلا نہ سکیں تو اس کوشش میں جان تک لڑا دیتے ہیں۔ وہ شہید کہلاتے ہیں۔

(د) صالحین

جو لوگ علم و عمل میں نچلے درجے کے ہوتے ہیں لیکن صدّیقوں اور شہیدوں کے ساتھ مل کر کام کرسکتے ہیں اور عمر بھر امرِ حق میں کوشش کرتے رہتے ہیں، وہ صالح کہلاتے ہیں۔

ایک ترقی کُن سوسائٹی میں اِن چار طاقتوں کے علاوہ اور کیا چاہیے؟ ایسی سوسائٹی میں نبی بطور معلم کام کرتا ہے۔ وہ صدّیق اور شہید پیدا کرتا ہے اور صالحین کو جمع کرتا ہے۔ یہ فیصلہ کر لینے کے بعد کہ ہم صراطِ مستقیم پر چلیں گے، ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ایسی سوسائٹی دے جس میں مذکورہ بالا چاروں قسم کے انعام یافتہ لوگ ہوں۔ اس سے ہماری یہی مراد ہے کہ ہم خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی پیدا کردہ سوسائٹی کے نمونے پر ایسی سوسائٹی پیدا کرنی چاہتے ہیں:

(الف) جس میں نبی اپنی زندہ تعلیم کے ساتھ تو موجود ہی ہے۔

(ب) اس میں صدّیق ہوں جن کی فطرت کے مطابق قرآن حکیم کی تعلیم ہے۔ وہ اس تعلیم کو پوری طرح سے سمجھتے ہیں اور اس پر اپنا جان و مال قربان کرسکتے ہیں۔

(ج) جس میں شہید ہوں جو قرآن حکیم کے پروگرام کو چھوڑنا برداشت نہ کریں خواہ انہیں جان دینی پڑے۔

(د) جس میں صالحین ہوں جن کی ہر ایک کام کرنے والے کو ضرورت ہوتی ہے۔[1]

---

[1] خیر القرون کی تشریح بقول امام ولی اللہؒ: تاریخی طور پر اس قسم کی مکمل سوسائٹی وہ ہے جو حضرت نبی اکرم ﷺ نے پیدا کی اس سوسائٹی کی نسبت خود آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ (بہترین دور میرا دور ہے اس کے بعد ان لوگوں کا دور جو اس دور کے بعد آئیں گے پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد آئیں گے)۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آیت نمبر 7 : غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّينَ

''نہ ان لوگوں کا راستہ جن پر غضب نازل کیا گیا اور نہ ان کا جو گمراہ ہوئے''

(الف) اَلْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ

''مَغْضُوْب عَلَيْهِمْ'' کون ہیں؟ :

انسانی زندگی تقسیم نہیں ہوسکتی۔ یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک شخص میں صرف علم ہی علم ہو اور دوسرے میں فقط عمل ہی عمل۔ عام طور پر یہی دیکھنے میں آتا ہے کہ علم اور عمل ایک نہ ایک حد تک ہر ایک انسان میں پائے جاتے ہیں۔ جس شخص نے اپنا علم تو بڑھا لیا اور عملی قوتوں کو ترقی نہ دی وہ ''مغضوب علیہم'' ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حق کو پہنچانتے ہیں۔ اور یہ بھی انہیں معلوم ہے کہ صراط مستقیم کیا ہے اور اس کے تقاضے کیا ہیں۔ اس کے باوجود وہ عمل کے لیے نہیں اٹھتے۔ انعام یافتہ لوگ ایسے نہیں ہوسکتے، ہم ان سے پناہ مانگتے ہیں۔ وہ لفاظی کے ذریعے سے لمبے لمبے خواب سنائیں گے اور طرح طرح کے سنہرے باغ دکھائیں گے۔ سادہ مزاج انسان ان کی صحت اور غلطی کا فیصلہ نہیں کرسکیں گے۔ ہم ایسے لوگوں کا ساتھ نہیں دینا چاہتے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) امام ولی اللہ دہلویؒ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ قرن اول زمان آنحضرت ﷺ بود از ہجرت تا وفات' وقرن ثانی زمان شیخین وقرن ثالث زمان ذی النورین' بعد ازاں اختلاف ہا پدید آمد و فتنہا ظاہر گردید (ازالتہ الخفاء عن خلافتہ الخلفاء مقصد اول، ص:445۔ طبع: قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی ''خیرالقرون کا پہلا درجہ حضرت محمد ﷺ کا زمانہ ہے' جو ہجرت سے وفات تک کا ہے۔ اس کا دوسرا درجہ سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا فاروق اعظمؓ کا دور ہے اور تیسرا درجہ سیدنا عثمانؓ کی شہادت تک کا زمانہ ہے۔☆ اس کے بعد اختلافات پیدا ہوئے اور فتنوں نے سر اٹھایا۔''

یہ خیرالقرون (اپنے تینوں درجوں میں) رہتی دنیا تک ہر ایک ترقی کن معاشرے کے لیے نمونہ رہے گا۔ اس مکمل سوسائٹی کو قرآن حکیم وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ (100:9) (سب سے پہلے ایمان لانے والے مہاجرین اور انصار میں سے ہیں) کی اصطلاح سے ظاہر کرتا ہے اور مُحَمَّد'' رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَه' (29:48) (محمد رسول اللہ اور آپ کے ساتھی) میں مَعَه' (اس کے ساتھ والے) میں اس جماعت مہاجرین و انصار کی طرف اشارہ ہے۔ مہاجرین اور انصار کے دور کے بعد جو لوگ ان کی پیروی کر کے ہر زمانے میں ایسے ہی معاشرے پیدا کرتے رہیں گے۔ وہ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ (100:9) میں داخل ہوں گے اور وہ بھی مَـعَـه' میں شامل ہوں گے۔ ان کے لیے خیرالقرون نمونہ ہوگا اور وہ خود اپنے زمانے کے لیے نمونہ ہوں گے اور اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کا مصداق قرار پائیں گے۔

☆ مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا کہنا ہے کہ پہلا درجہ حضرت نبی اکرم ﷺ اور سیدنا ابوبکرؓ کا زمانہ ہے اور دوسرا درجہ سیدنا فاروق اعظمؓ کا دور ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سیدنا صدیق اکبرؓ نے کوئی نیا کام نہیں کیا چنانچہ:

(1) خلافت کے نظم ونسق میں خلل آیا یعنی زکوٰۃ دینے والوں نے زکوٰۃ مرکزی حکومت کو ادا کرنے سے انکار کر دیا تو جبراً انہیں مرکزی حکومت کے تحت لے آئے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں ''مغضوب علیہم'' کی مثال یہودیوں سے دی جاتی تھی۔1 جب اسلامی نظام موجود ہو تو جو لوگ جہاد سے گھبرائیں وہ اس حد میں آتے ہیں اور جب اسلامی نظام ٹوٹ گیا ہو اور جہاد کے لیے جس نظام کی ضرورت ہے وہ نہ رہے تو جو لوگ انقلاب کے ذریعے اس نظام کو دوبارہ پیدا کرنے کی ہمّت نہ بنائیں وہ بھی اسی حد میں داخل ہیں۔ جو علماء کہلا کر جہاد اور انقلاب سے بچنے کی کوشش کریں۔ وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

(2) جو مہم حضرت نبی اکرم ﷺ حضرت اسامہ بن زیدؓ کی قیادت میں بھیجنے کا اہتمام فرما رہے تھے اور آنحضرت ﷺ کی وفات کی وجہ سے رک گئی تھی' وہ روانہ کر دی۔

(3) نبوت کے مدعیوں کا قلع قمع کیا۔

(4) تقسیم معاش کا وہی اصول رکھا جو نبی اکرم ﷺ نے قائم فرمایا تھا یعنی ہر ایک خاندان کو بقدرِ ضرورت دینا اور مناصب اور اسلامی خدمات کی وجہ سے کمی بیشی نہ کرنا۔

(5) جو وظیفہ اپنی ضروریات کے لیے بیت المال سے لیا تھا وہ وفات کے وقت واپس کر دیا یہ اول درجے کا دور ہے۔

سیدنا فاروق اعظمؓ نے آگے چل کر اسلامی خدمات اور قرابت نبی اکرم ﷺ کی بنا پر وظائف میں کمی بیشی کر دی۔ لیکن اول تو انہوں نے اس تقسیم میں بھی عدل سے کام لیا اور جسے حساب کی رو سے جتنا حق پہنچتا تھا اتنا دے دیا۔ اس میں کسی وجہ سے رو رعایت نہیں کی۔ دوسرے' بعد میں اس کمی بیشی کے اصول کو جاری کرنے پر افسوس کیا اور فرمایا کہ اگر میں اگلے سال انہی ایام میں زندہ رہ گیا تو یہ نیا قاعدہ بدل کر سیدنا ابوبکرؓ کا اصول عمل میں لاؤں گا لیکن وہ اپنی شہادت کی وجہ سے یہ اصول نہ بدل سکے۔ یہ دوسرے درجے کا بہترین دور ہے۔

سیدنا عثمان غنیؓ کا دور تیسرے درجے کا بہترین دور ہے۔ کیونکہ انہوں نے بیت المال سے اپنا حق پورا لینا شروع کر دیا تھا اگرچہ وہ اسے بھی اپنے حاجت مند عزیز و اقارب میں تقسیم کر دیتے تھے۔

اول درجے کے لوگ اسلامی حکومت پیدا کریں گے تو ان کے لیے نبی اکرم ﷺ اور سیدنا ابوبکرؓ کا دور نمونہ ہوگا لیکن عام لوگ کثرت سے شامل ہوں گے تو سیدنا فاروق اعظمؓ کا دور نمونہ ہوگا یا سیدنا عثمان غنیؓ کا دور قابل قبول ہوگا اس سے کم درجے کی کوئی حکومت نبوی طریق کی اسلامی حکومت نہیں کہلا سکتی۔ (مرتب)

1 امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں: ''دہلی کے اکثر علماء'' اس کی مثال تھے۔ (الفوز الکبیر۔ الباب الاوّل) مولانا شیخ الہند محمود حسنؒ کے زمانے میں جو لوگ جہاد کے نام سے گھبراتے تھے۔ وہ اسی ذیل میں آتے ہیں۔ آج جو لوگ انقلاب کے نام سے گھبراتے ہیں وہ بھی اس مدّ میں داخل سمجھنے چاہئیں۔ یہ لوگ نہ مسلمانوں کی سوسائٹی کے معزز ممبر ہیں نہ امام ولی اللہ کی سوسائٹی کے آدمی ہیں۔ نہ مولانا شیخ الہند کے آدمی ہیں اور نہ ہم انہیں اپنے ساتھ رکھنا پسند کرتے ہیں۔ (عبیداللہ سندھی)

سب سے زیادہ اس شق میں شامل ہیں۔ ایسے نام نہاد علماء کے غلط نظریات اور رویوں کو ختم کر دینا چاہیے جب تک کسی انقلابی جماعت میں یہ بات نہیں آتی وہ قرآن کی حکومت پیدا نہیں کرسکتی۔

(ب) اَلضَّآلِّیْنَ

ضالین کون ہیں:

یہ وہ لوگ ہیں جن میں صحیح علم نہیں ہے یا بہت ہی کم ہے لیکن عملی قوّت بہت زیادہ ہے۔

ان کی مثال رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں نصاریٰ[1] تھے۔ وہ مسیحؑ کو "ابن اللہ" مانتے ہیں۔ لیکن رومی سلطنت جیسی وسیع سلطنت بھی چلاتے ہیں۔ انہیں مسیحؑ کو ابن اللہ ماننے کا نقصان یہ پہنچا کہ مسیح کے درجے کے جو خدام انسانیت پیدا ہوئے ان کا انکار کر بیٹھتے ہیں۔ اس طرح وہ انسانیت میں گمراہی پھیلاتے ہیں۔ حالانکہ حضرت مسیحؑ اس سے زیادہ کیا تھے کہ اللہ تعالیٰ کے "مُنعَمُ عَلَیہ" بندے تھے۔ اور اس لیے "اَنعَمتَ عَلَیہِم" سے باہر نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے سوا اور لوگوں پر بھی انعام کیئے ہیں ان کا انکار کیوں؟ یہ ان لوگوں کی گمراہی ہے۔

ہمارے زمانے میں جو علماء قرآنی سیاست کو چھوڑ کر سیاست میں کسی قوم کی تقلید کرتے ہیں وہ "مغضوب علیہم" کی زد میں آتے ہیں۔ اور جو انگریزی دان دوسری قوم کی سیاست کی تقلید کرتے ہیں وہ "الضّالین" کی شق میں شامل ہیں۔ جو بات تم خود نہیں سمجھتے اور اس کی ذمہ داری نہیں لے سکتے، اس کی ذمہ داری مت لو، سمجھ بوجھ کر جو سیاسی کام کر سکتے ہو، وہ کرو، ورنہ خاموش بیٹھو۔

ایسے ہی جو لوگ کہتے ہیں کہ اس زمانے میں کوئی شخص قرآن حکیم کو نہیں سمجھ سکتا وہ بھی "ضالین" میں سے ہیں۔ امام ولی اللہ دہلویؒ نے ہمارے زمانے کے لوگوں کے لیے قرآن سمجھنے کی تمام لفظی و معنوی دقتیں دور کر دی ہیں۔ اب اس کتاب عظیم کا سمجھنا

---

[1] امام ولی اللہ دہلویؒ کے زمانے کے بعض مشائخ طریقت اور مولانا شیخ الہند کے زمانے میں جہاد کے مخالف یا اس کی اہمیت نہ سمجھنے والے "ضالین" میں داخل ہیں۔ ہمارے جو ساتھی انقلاب کو نہیں جانتے یا اسے جاننے کی کوشش نہیں کرتے وہ ہمارے ساتھی نہیں ہیں ہم جس انقلاب کے داعی ہیں اس کے اصول وہی ہیں جو امام ولی اللہ دہلویؒ نے "خیر القرون" سے لے کر مدّون کیئے ہیں۔ (عبیداللہ سندھیؒ)

نہایت آسان ہوگیا ہے۔ اب بھی یہ کہنا کہ قرآن حکیم سمجھ میں نہیں آ سکتا پر لے درجے کی گمراہی (ضلالت) ہے (نعوذ باللہ من ذلک)۔

اٰمین

اس دعا کے معنی یہ ہیں کہ خدایا! کرۂ زمین پر صالح سوسائٹی موجود ہے تو ہمیں اس کے ساتھ ملنے کی توفیق فرما۔ اگر نہیں ہے تو یہ توفیق عطا فرما کہ ہم ایسی سوسائٹی خود پیدا کریں۔

اس میں شک نہیں کہ یہ بات بہت مشکل ہے۔ لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ اس ارادے کے بغیر صراطِ مستقیم کی تعمیل ہو بھی نہیں سکتی۔

قرآن کا مقصد

قرآن حکیم کا مقصد صرف یہ ہے کہ ایسی سوسائٹی پیدا کی جائے جو صراطِ مستقیم پر چلتی ہو۔ اس لیے وہ ہر شخص سے سورۂ فاتحہ کا اقرار کرانا چاہتا ہے' تا کہ یہ ہر وقت اس کے ذہن میں رہے۔ اور وہ اس امر کو ہر دم ملحوظ خاطر رکھے کہ اس کی زندگی کا مقصد اس قسم کی سوسائٹی پیدا کرنا ہے اور کچھ نہیں۔

بین الاقوامی دعا

قرآن حکیم عالمگیر اجتماعی تحریک کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اس دعا میں جو عالمگیر اجتماعی تحریک کا عنوان ہے' قومی مقتضیات کا تعین نہیں کیا گیا۔

عقلی نظریات کے اعتبار سے لوگ مختلف طبقات کے ہوتے ہیں' گو سب کا مقصد ایک ہی ہوتا ہے۔ اس لیے صراطِ مستقیم ایک قوم کے ذہن میں کسی شکل میں آتی ہے اور دوسری قوم کے ذہن میں کسی اور صورت میں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو جو دعا الہام فرمائی ہے وہ ان تمام تشخّصات سے پاک ہے جو قومی اثرات سے پیدا ہوتے ہیں۔ جو شخص اپنی انسانی فطرت کے مطابق خدا تعالیٰ پر

بھروسہ کر لیتا ہے اس کے لیے صراطِ مستقیم کی دعا کیا مشکل ہے؟ کسی سلیم الفطرت انسان کے لیے صراطِ مستقیم پر پیدا ہونے والے اجتماع کی دعا کرنا مشکل نہیں ہے۔

ایسے ہی صراطِ مستقیم کے عملی پہلو کی تعیین اور **صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ** کے ذریعے سے اس کی تفصیل میں کسی قوم کے بڑے آدمی کا نام نہیں لیا گیا۔ جو شخص سلامتیٔ فطرت کے ساتھ اپنے ''رب'' پر اعتماد کر لیتا ہے' کیا وہ ان لوگوں کے اجتماع سے الگ رہ سکتا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا؟

ہم نے انبیاء کرام کی کتابوں میں سے کسی نبی کی کتاب میں ایسی دعا نہیں دیکھی جو شخصی' قومی' جغرافیائی اور نسلی اثرات سے پاک ہو۔ صرف سورۂ فاتحہ کی اجتماعی انقلابی دعا ہی ایسی دعا ہے جو ان تمام اثرات سے پاک ہے۔ اس پر تمام اقوام جمع ہو کر آمین کہہ سکتی ہیں۔

صلوٰۃ کیا ہے؟

صلوٰۃ (نماز) اصل میں اس بات کا نام ہے کہ انسان اپنے پورے ارادے اور اپنی ہمّت کے ساتھ ملاءِ اعلیٰ کے ساتھ اتصال پیدا کرے اور وہاں سے آنے والی تجلّیٔ الٰہی سے قلبی رابطہ قائم کرے۔ اس اتصال اور رابطے کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ جو چیز طلب کرے گا حسبِ حالات اسے دی جائے گی۔ اور سب سے بڑی اور سب سے اہم چیز جو انسان اللہ تعالیٰ سے طلب کر سکتا ہے' وہ اپنی فطرتِ سلیمہ کے تقاضہ کے مطابق زندگی بسر کرنے کی توفیق ہے۔ انسان کی فطرتِ سلیمہ کے تقاضے ہی صراطِ مستقیم ہیں۔ اس لیے ملاءِ اعلیٰ میں تجلّیٔ الٰہی کے ساتھ رابطہ قائم کر کے وہ دعا کرتا ہے کہ **اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ○ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ**۔ یہ اصل چیز ہے جو انسان کو ترقی کی راہ پر لگاتی ہے۔ اس لیے نماز گویا یہ دعا مانگنے یا سورۂ فاتحہ پڑھنے کا نام ہے۔ طہارت اور قبلے کی طرف منہ کرنا اس صلوٰۃ کے مبادی ہیں۔ اور رکوع و سجود اس کے

مکملات ہیں۔اس کی روح یہ ہے کہ انسان یہ سمجھے کہ وہ اپنے ''رب'' کے حضور میں کھڑا ہے اور اپنی احتیاج پیش کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ صراط مستقیم کی ہدایت عطا فرمائے۔اس کے ساتھ جو آیات یا سورت پڑھی جاتی ہے وہ گویا اس دعا کا جواب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ ہدایت یہی قرآن ہے تم جتنا آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھو تو ہدایت یاب رہو گے۔اس کے بعد رکوع وسجود اس دعا کے قبول ہونے کے لیے شکریے کے اظہار کے طور پر ہیں۔1ے

اب جو مسلمان صلوٰۃ ادا کرے وہ جماعت کے ساتھ ادا کرے کیونکہ **اِھْدِنَا** کا یہی تقاضا ہے۔2ے

1ے نماز کا یہ مفہوم مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے معیّن فرمایا ہے۔(عبیداللہ سندھی)

2ے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز میں بندہ سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ **قُسِمَتِ الصَّلٰوۃُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِیْ نِصْفَیْنِ** (یہ نماز میرے اور میرے بندے کے درمیان آدھی آدھی تقسیم ہوگئی ہے)۔

جب بندہ کہتا ہے۔**اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ** تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ** (میرے بندے نے میری ستائش وتعریف کی)۔ پھر جب بندہ کہتا ہے: **الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ○** تو اللہ تعالی فرماتا ہے: **مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ** (میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی)۔اور جب بندہ عرض کرتا ہے: **اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ** تو اللہ تعالی فرماتا ہے: **ھٰذَا بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِیْ** (یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے)۔اور جب بندہ کہتا ہے: **اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ○غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ○** تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **ھٰذَا لِعَبْدِیْ وَلِعَبْدِیْ مَا سَأَلَ** (یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو اس نے مانگا ہے) (مرتب)

قرآنی جنگِ انقلاب

سورت محمد کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

قرآنی انقلاب کا مقصد

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

(پس تو جان لے کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔ اور معافی مانگ اپنے گناہ کے واسطے اور ایماندار مردوں اور عورتوں کے لیے۔)

یہ انقلاب اللہ کی حکومت قائم کرنے کے لیے آیا ہے۔ نہ کہ کسی خاص شخص یا خاندان کی۔ چاہے وہ شخص نبی اکرم ﷺ ہی کیوں نہ ہوں۔ اور وہ خاندان بنی ہاشم ہی کا خاندان کیوں نہ ہو۔ یہ انقلاب بادشاہوں اور عام سیاسی لوگوں کے تجویز کیے ہوئے انقلابوں جیسا نہیں ہے۔ کیونکہ ان انقلابوں میں وہ لوگ اپنی اپنی غرض حاصل کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ اور یہ انقلاب عوام پر ہونے والے ظلموں کو دور کرنا چاہتا ہے۔

جو لوگ اس قرآنی انقلاب میں حصہ لے رہے ہیں ان کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ جو چاہیں کر گزریں۔ وہ تو اللہ کے غلام ہیں۔ ان سے حساب لیا جائے گا۔ البتہ ان سے جو غلطیاں ہوئی ہیں، وہ انہیں معاف کر دی جائیں گی اور ان کی نیکیوں کا اجر اللہ اپنے پاس سے دے گا۔ وہ دنیاوی اجر کی خاطر کام نہیں کر رہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مقدمہ

حیوانی اور انسانی زندگی کے اصول

دنیا میں جب مادہ ترقی کرتے کرتے شعور کا تھوڑا سا اظہار کرنے لگتا ہے تو اس میں زندگی کی کھینچا تانی یا کشمکش (Struggle for Existence) شروع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جانداروں کی سب سے نچلے درجے کی شکل امیبا (Amoeba) ہے جو ایک خلیے کا جاندار (Monocellular Organism) ہے۔ اسے بھی اپنی خوراک حاصل کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ حرکت اور کوشش کرنی ہی پڑتی ہے۔ جانداروں میں جوں جوں جسمانی بناوٹ کی پیچیدگی بڑھتی جاتی ہے' خوراک کی ضرورت بھی بڑھتی جاتی ہے اور زندگی کی کشمکش زیادہ شدید ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ شیر بڑے بڑے جانوروں کو پھاڑ کھانے کو اور وہیل مچھلی بڑی بڑی مچھلیوں کو نگل جانے کو لپکتی ہے۔

ان حیوانوں میں جہاں تک اپنی حیوانی ضرورتیں حاصل کرنے لیے لڑنے اور مارنے کا تعلق ہے' رحم یا انصاف کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا کیونکہ فطرت نے انہیں ان باتوں کے سوچنے کے لیے پیدا ہی نہیں کیا۔ لیکن جوں ہی حیات (زندگی) حیوانیت سے ذرا اوپر اٹھتی ہے اور اس میں تعقل کا نور روشن ہوتا ہے۔ زندگی کی کھینچا تانی صرف حیوانی اصول پر کام کرنے کی جگہ عقل کے نیچے آجاتی ہے۔ اور اب انصاف اور رحم کا تصور بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر بے عقل حیوانی طبقے میں بقاء اصلح (Survival of the fittest) کا قانون جاری تھا تو حیوانوں کے عقلمند طبقے یعنی انسانوں میں بقاء اتقی یا انفع (Survival of the best) کا قانون اس کی جگہ لے لیتا ہے۔

اسی بات کو ذرا کھول کر بیان کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حیوانوں میں زندگی کی جو کشمکش جاری ہے' اس میں فقط وہی حیوان زندہ بچتے ہیں جو اپنے اردگرد کے حالات

سے زیادہ مناسبت رکھتے ہوں۔ جسمانی طاقت اور دشمن سے بچنے کے ذریعوں کے مالک ہوں۔ روزمرہ کی زندگی میں چالاکی، پھرتی اور ہوشیاری سے رہنے کے لائق ہوں اور بھوک سہنے کے لحاظ سے دوسرے جانوروں سے بہتر ہوں۔

لیکن انسانی سوسائٹی میں زندگی کی کھینچا تانی صرف اوپر بتائی ہوئی چیزوں میں گھری ہوئی نہ رہی بلکہ عام لوگوں کی بھلائی کی خاطر کام کرنے اور انصاف قائم کرنے، خوبصورتی سے محبت اور اپنے آپ کو بری عادتوں سے پاک کرنے کا خیال بھی اس کھینچا تانی میں داخل ہوگیا اس لیے اب یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ حیوانی زندگی کی کھینچا تانی انسانی اصول کے نیچے آ گئی۔ اس لیے انسانی جماعتوں میں سے وہ جماعت انسانی حیثیت سے..... حیوانی حیثیت سے نہیں، بلکہ انسانی حیثیت سے..... زیادہ دیر تک زندہ رہے گی جس میں:

(الف) عام انسانوں کی بھلائی اور خدا کے سامنے جوابدہی کے ڈر سے انصاف کرنے کا جذبہ۔

(ب) خوبصورتی سے محبت۔

(ج) اور اپنے نفس کو برائیوں سے پاک کرنے کا خیال زیادہ ہوگا اور جس میں ان باتوں پر زیادہ زور سے، اور زیادہ سے زیادہ پھیلاؤ کے ساتھ، کام ہوتا ہوگا۔ ایسی قوم زیادہ متقی..... اتقی..... کہلائے گی۔ [1]

انسانی سوسائٹی میں انقلاب کی ضرورت

جب کوئی انسانی سوسائٹی کشمکش کے فقط حیوانی اصول پر اتر آتی ہے، وہ انسانیت کے اونچے درجے سے گر جاتی ہے۔ اور بہتر انسانی اصول پر کام کرنے والی جماعت (جماعت اتقی) یا تو اسے بالکل فنا کر دیتی ہے یا اسے اپنے اندر ہضم کر لیتی ہے۔ چنانچہ جب کسی انسانی سوسائٹی میں زندگی کی ضرورتیں تمام افراد کو انصاف کے ساتھ بہم

[1] قرآن حکیم کی اس آیت ان اکرمکم عنداللّٰہ اتقکم (13.29) (خدا کے نزدیک تم سب میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو اللہ سے زیادہ ڈر کر عدل کے قانون کی زیادہ پیروی کرتا ہے) میں اسی اصول کی طرف اشارہ ہے۔ سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ تقویٰ کے معنی میں یہ آیت پیش فرماتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَائِ ذِی الْقُرْبٰی الایہ (9-16) پس عدل قائم کرنا تقویٰ کا سب سے ضروری نتیجہ ہے۔ (مرتب)

پہنچائی جانے کی جگہ سمٹ کر ایک چھوٹے طبقے کے قبضے میں چلی جاتی ہیں اور وہ طبقہ (انسانیت کے) بڑے طبقے کو ان سے محروم کر دیتا ہے۔ اس سوسائٹی میں انقلاب (Revolution) آ جاتا ہے۔ پھر یہ نہیں ہوتا کہ وہ جماعت جس کے پاس زندگی کے سامانوں کی کثرت ہے' باقی رہے۔ بلکہ یہ جماعت انقلابی قوتوں (Revolutionary forces) کے مقابلے میں آ کر فنا ہو جاتی ہے۔ اور وہ بے بس اور بے کس لوگ (Have-notes) غالب آ جاتے ہیں جن کے پاس زندگی گزارنے کے اسباب گو کم ہوتے ہیں لیکن وہ انہیں آپس میں انصاف کے ساتھ بانٹ کر کھاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان میں وہ اچھی باتیں بھی پیدا ہو جاتی ہیں جن کا ہم اوپر ذکر چکے ہیں۔

قیصر وکسریٰ اور عرب کشمکش کا جائزہ

ساتویں صدی عیسوی میں قیصر روم اور کسریٰ ایران کے ساتھ عربوں کی جو جنگیں ہوئیں وہ اس نکتے کی بہت اچھی مثال ہیں۔

ان جنگوں میں ایک طرف قیصر روم اور کسریٰ ایران تھے۔ یہ ہر قسم کے دنیاوی سامان کے مالک تھے۔ لیکن عدل اور انصاف نہیں کرتے تھے بلکہ غریبوں کا خون چوس کر عیش کرتے تھے۔ دوسری طرف عرب تھے۔ ان کے پاس جنگی سامان تو ایک طرف' کھانے پینے کی عام چیزوں کی بھی کمی تھی۔ لیکن یہ لوگ قرآن حکیم کی وہ تعلیم لے کر اٹھے تھے جس میں عوام کی بھلائی' خدا کے سامنے حاضر ہونے کا یقین' انصاف' حُبِّ جمال اور تہذیب نفس کے بہت اچھے قاعدے تھے۔ عرب کے لوگ ان پر عمل بھی کرتے تھے۔ نتیجے کی تاریخ گواہ ہے کہ اس کشمکش میں اونچے درجے کے اصول محض مادی سامان کی زیادتی پر غالب آئے کہ یہی انسانیت کا تقاضا ہے۔

قرآن حکیم کی اجتماعی انقلابی تعلیم

قرآن حکیم کی تعلیم اجتماعی انقلابی تعلیم ہے۔ اس کا فائدہ انسانیت کے کسی خاص طبقے کو نہیں پہنچتا' بلکہ اس کا فائدہ ساری انسانیت کو ایک جیسا پہنچتا ہے۔ اس لیے اس کے اصول پر ہر ایک قوم میں انقلاب کا آنا ضروری ہے۔ وہ خدا پرستی کو انسانیت کا ایک لازم جز ٹھہراتی ہے۔ لیکن اس کے لیے کسی پروہت طبقے (Priesthood) کی ضرورت نہیں سمجھتی۔ وہ معاشیات کی عادلانہ تقسیم کی مدعی ہے۔ جس کا عام لفظوں میں

یہ مطلب ہے کہ انسان کی طبعی ضرورتیں کھانا پینا' کپڑا' لتہ' مکان' تعلیم اور صحت کے انتظامات تمام انسانوں کے لیے ایک جیسے ہوں۔

قرآن حکیم کی جماعت کا سیاسی غلبہ

جس سوسائٹی پر قرآن حکیم حکمران ہوگا اس میں کوئی شخص بھوکا نہیں سوئے گا' کوئی شخص ننگا اور بے گھر بے در نہ ہوگا اور نہ جاہل اور بے عمل رہے گا۔ ایسے ہی کوئی شخص دوا نہ ملنے کی وجہ سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر نہ مرے گا۔ غرض جہاں وہ خدا کو پہچاننے اور اس کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کے مواقع ہر ایک انسان کو بہم پہنچاتی ہے' وہاں وہ ایک انسان کی طبعی حیوانی ضرورتیں فراہم کرنا سب انسانوں کا فرض قرار دیتی ہے۔ اور اسے خدا کی محبت کا ایک جز بناتی ہے۔ جو شخص خدا کے ساتھ اپنا تعلق ظاہر کرتا ہے' لیکن اس کی محبت کا دم بھرنے کے بعد اس کے بندوں کے ساتھ انصاف کرنے اور کمزور انسانوں کی مدد کرنے میں سستی' کاہلی' غفلت یا بے رخی دکھاتا ہے' وہ قرآن حکیم کی نگاہ میں مجرم اور خدا کے سامنے گنہگار ہے۔ اس سے دنیا میں قرآنی حکومت جواب طلبی کرے گی۔ اور مرنے کے بعد کی زندگی میں اللہ تعالیٰ خود ایک دن مقرر کر کے جواب طلبی کرے گا۔ یہ ہیں وہ باتیں جنہیں دنیا میں چلانے کے لیے قرآن حکیم اپنی جماعت کا سیاسی غلبہ چاہتا ہے۔

دین اور سیاست کا باہمی تعلق

انسانی تاریخ کا یہ سب سے المناک حادثہ (Tragedy) ہے کہ وہ اونچے درجے کے اصول' جنہیں قائم کرنے کے لیے حجاز کا پہلا بڑا انقلاب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رہنمائی میں ہوا' ہوتے ہوتے بادشاہوں کا کھلونا بن کر رہ گئے۔ چنانچہ ان بادشاہوں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ دین کو سیاست سے الگ کر دیا۔ قرآن کریم کی آیت مبارکہ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (سورہ جاثیہ 23:45) (کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا پروردگار بنالیا) میں ذہنیت کی اسی خرابی کی طرف اشارہ ہے۔ ان بادشاہوں اور امیروں کے نزدیک دین کیا تھا؟ یہی نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ وغیرہ کے مسئلے۔ باقی رہی حکومت اور اس کے متعلق چیزیں۔ جیسے ٹیکس وصول کرنا' جزیہ جمع کرنا' فوجداری اور دیوانی انتظام کرنا' مخالفوں کے ساتھ جنگ یا صلح کرنا

اور معاہدے کرنا۔ یہ سب سیاست کی باتیں ہیں۔ ان میں بادشاہ اور امراء اپنی مرضی کے مطابق چلتے تھے اور صرف اسی مصلحت کا خیال رکھتے تھے جس کا تعلق ان کی ذات یا خاندان کی حکومت کے ساتھ ہوتا تھا۔ اس لیے یہی لوگ ہیں جن کی نسبت کہا گیا ہے کہ ''انہوں نے اپنی خواہش کو اپنا پروردگار بنالیا۔''

حضرت نبی کریم ﷺ ساری عمر جہاد اور عدل قائم کرنے میں لگے رہے [1]۔ نماز' روزہ' وغیرہ فرض ادا کرنے کے بعد آپ ﷺ کی زندگی کا زیادہ تر وقت انہیں ''دنیاوی'' باتوں میں گزرتا تھا۔ قرآن کی اشاعت ہے' باہر سے آنے والے وفدوں سے ملاقاتیں ہیں' بادشاہوں کو قرآن کی طرف دعوت ہے' مقدموں کے فیصلے ہیں' لشکروں کی تیاری ہے' جو حکمران آپ کی دعوت نہیں مانتے اور اپنی رعایا پر ظلم کرتے ہیں ان پر لشکر کشی ہے' مالیانے کی جمع ہے' تعلیم کا انتظام ہے' غریبوں اور بے کسوں کی خبر گیری ہے' ان کے قرضوں کو ادا کرنے کا انتظام ہے' یتیموں کی جائیدادوں کا اہتمام ہے' بیواؤں کی نگرانی ہے۔ غرض ہر وہ کام آپ ﷺ نے کیا ہے جسے بعد میں ''سیاسی'' قرار دے کر اور دین سے الگ کر کے بادشاہوں کے لیے خاص کر دیا گیا اور جس سے علماء نے ہاتھ اٹھا لیا۔ پس اگر سیاست ''مذہب'' یا ''دین'' سے الگ کوئی چیز ہے اور سیاست کا تعلق ''دنیاداری'' کے ساتھ ہے تو کہنا پڑتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی پاک اور برکت والی زندگی ''مذہبی'' کی بہ نسبت ''دنیاوی'' زیادہ تھی۔

انقلابی روح کو مضبوطی سے پکڑنے کی ضرورت

اس حجازی انقلاب کو سمجھ لینے کے بعد یہ سمجھنا مشکل نہیں رہتا کہ تعمیری زمانے میں انقلاب کی روح کو بہت مضبوطی سے پکڑنے کی ضرورت ہوتی ہے' ورنہ تعمیر ادھوری

[1] امام ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ: ''چونکہ حضرت ابراہیم کے زمانے میں انسانی سوسائٹی خدا تعالیٰ کی توحید کو بھول چکی تھی اس لیے حضرت ابراہیمؑ توحید کی اشاعت ہی کے لیے آئے۔ چنانچہ انہوں نے طہارت' نماز' حج' زکوٰۃ' روزہ اور ذکر کی عبادتیں جاری کیں۔ لیکن نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ملّتوں--- میں گڑ بڑ پڑ چکی تھی اور ان کے ارتفاقات (معاشی زندگی کے طریقے) خراب ہو چکے تھے اور یہ خرابی اُس خرابی سے کہیں زیادہ تھی جو حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں ظاہر ہوئی تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو جہاد قائم کرنے' عبادتوں کی اشاعت کرنے اور ان کے اوقات معین کرنے کے لیے بھیجا۔ اور حکمت الٰہی نے فیصلہ کیا کہ رومی اور ایرانی امپریلزموں کو برباد کر کے نبی اکرم ﷺ کی قیادت میں ایک بین الاقوامی حکومت پیدا کی جائے'' (تفہیمات الٰہیہ جلد اول صفحہ 60)

رہ جاتی ہے۔

حکومت و نظام حکومت کی دو بنیادیں

حکمت ولی اللّٰہی کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت اجتماعی (Social) ہوگی اور مشورے سے کام کرے گی اور غیر رأسمالی (Anti-capitalistic) ہوگی اور لوگوں کو اس بات کی ہرگز اجازت نہ دی جائے گی کہ وہ دوبارہ رأسمالیت یا سرمایہ داری (Capitalism) پیدا کرلیں۔

دوسرے درجے کا قانون (Laws) مکمل کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے گا کہ جب حکومت دیکھے کہ لوگوں نے قانون کی صورت قائم رکھتے ہوئے راسمالیت (Capitalism) یا سرمایہ داری پیدا کرنی شروع کر دی ہے تو وہ نیا سرمایہ شکن (Anti-capitalist) قانون بنا دے۔

(الف) قانون دان اور مجتہدین

اس کے لیے ضروری ہے کہ قانون دان مجتہدین (1) کی ایک جماعت مرکز میں جمع رکھی جائے۔ یہ مسلمانوں پر فرض کفایہ (2) ہے۔

جس زمانے سے مسلم علماء نے دین اور سیاست کی علیحدگی کو برداشت کیا' اسی زمانے سے بادشاہوں نے مسلمانوں کے بیت المال کو اپنے ماں باپ کی میراث (ترکہ) سمجھ کر عیاشیوں میں استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اور عام لوگوں کا دخل حکومت اور بیت المال (3) کے انتظام میں ختم ہوگیا۔ اب سب مالی معاملات بادشاہ کے ہاتھ میں آ گئے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ مملکت میں عالموں کی ایک جماعت بھی موجود ہے۔ شیخ الاسلام (4) کا عہدہ بھی قائم ہے' جو گویا ''دینی'' باتوں میں بادشاہ کو ''مشورہ'' دیتا

(1) مجتہد وہ عالم ہے جو اپنی تعلیم و تربیت اور تحقیق اور ایمانداری کی وجہ سے اس قابل سمجھا جائے کہ وہ اصول سے ضمنی قاعدے نکال سکے + (مرتب)

(2) فرض کفایہ یہ ہے کہ چند ایک آدمیوں کے ادا کرنے سے سب جماعت کی طرف سے ادا ہو جائے۔ اگر کوئی شخص بھی اسے ادا نہ کرے تو سب مجرم قرار پاتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں فرض عین وہ ہے جو ہر ایک شخص کو ادا کرنا ہوتا ہے۔

(3) حکومت کا ٹیکس وغیرہ سے جمع کیا ہوا خزانہ۔

(4) مسلمان بادشاہوں کے عہد میں بڑا عالم جو سرکاری طور پر بادشاہ کو مذہبی معاملات میں مشورہ دینے کے لیے مقرر ہوتا تھا۔

ہے۔ لیکن کوئی عالم اجتہادی قوت کا مالک نہیں اٹھتا جو زمانے کی ضرورت کے مطابق قانون بنا سکے۔ بادشاہ اقتصادیات اور سیاسیات کے مالک بن بیٹھے۔ اور انہوں نے عالموں کو ان دونوں میں دخل دینے سے روک دیا (الا ماشاء اللہ)۔ اور عالم لوگ صرف نکاح اور میراث کے مسئلے بیان کرنے کو رہ گئے۔ چونکہ انہوں نے سوسائٹی کی عملی زندگی کی باتوں یعنی روزمرہ کے اقتصادی اور سیاسی مسئلوں سے بحث کرنی بند کر دی اور دین اور اس کے مسئلے حکومت کے عہدوں' روزمرہ کے انتظام اور عملی فرائض سے علیحدہ کر کے سکھانے لگے۔ اس لیے ان کی علمی اور اجتہادی قوت کمزور ہوگئی۔

اب انہیں بین الاقوامی سیاسیات کی خبر رہی نہ ملکی اقتصادیات کی۔ اگر عالم لوگ روزمرہ کی عملی سیاسیات اور پیداواری اور تقسیمی اقتصادیات میں دخل دیتے رہتے' تو آزادی خواہ لوگ حکومت کے معاملوں میں دخل دینے لگتے اور وہ عوام کے حقوق کا مطالبہ کرتے اور شاہی خاندان کے لوگوں کو بیت المال سے کوئی خاص حقوق حاصل نہ کرنے دیتے۔ یہ ان بادشاہوں اور امیروں پر بہت بھاری گزرتا جو اپنی ''خواہشوں کو اپنا معبود'' بنائے بیٹھے تھے۔ اس لیے انہوں نے علماء سے وہ طاقت ہی چھین لی جو ان میں بلند فکر اور گہری تدبیر کرنے کی طاقت پیدا کرسکتی تھی۔ بلکہ عالموں کے اثر کو فنا کرنے کے لیے یہ پراپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا کہ اب دین میں مجتہد پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔ جن عالموں نے اس پراپیگنڈے میں بادشاہوں کی طرفداری کی' وہ بادشاہوں پر اعتراض کرنے میں سب سے زیادہ چپ رہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہوتے ہوتے مسلمانوں سے انقلابی فکر ہی نکل گیا۔

(ب) احسانی جماعت

یہ جو کچھ اوپر کہا گیا ہے یہ ظاہر کے لحاظ سے ہے۔ باطن کے لحاظ سے یہ صورت ہے کہ مسلمانوں کے دلوں کے اندرونی حصے کا کائنات کے اس مثالی حصے کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے جو عالم مثال کے اس حصے میں اپنا اثر دکھاتا ہے۔ اسلام میں جو لفظ ''احسان'' استعمال ہوتا ہے' وہ عالم مثال کے ساتھ دلوں کے اسی تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔ جیسے ہم نے مرکز کے لیے ایسی جماعت کی ضرورت جتائی ہے جو قانون بنا سکتی ہو' ویسے ہی اہل احسان کی ایک جماعت کی بھی ضرورت ہے جس کا کائنات کے روحانی

مرکز کے ساتھ تعلق (1) ہو۔ تعمیر کے دور میں انقلاب کی روح کے ساتھ ربط قائم رکھنے سے یہ دو باتیں مراد ہیں۔

اوپر جو بات ہم نے تھوڑے سے لفظوں میں بتائی ہے اسے کھول کر بیان کریں' تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ کائنات کے اس حصے میں جو فضائی کرنوں (Cosmic Rays) کے پیدا کرنے والے خط سے بھی زیادہ لطیف ہے اور جو عالم مثال کے سب سے اونچے حصے میں ہے' وہ عقلی قوتیں جمع ہوتی ہیں جو اس مادی کائنات کو کنٹرول کرتی ہیں۔ حضرت امام ولی اللہ دہلوی کی اصطلاح میں اس جگہ کو حظیرۃ القدس (Sanctus Permagnum) کہتے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی تجلی کا ایک عکس (پرتو) آتا ہے جسے حضرت امام دھلویؒ **تجلی اعظم** فرماتے ہیں۔ یہ تجلی ساری کائنات پر اثر ڈالتی ہے۔ مادی کائنات کے تمام بڑے بڑے حادثے (Events) پہلے حظیرہ القدس ہی میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور وہیں اللہ تعالیٰ کی ہر ایک نئی شان (Phase) ظاہر ہوتی ہے۔ وہ احسانی جماعت جس کا تعلق حظیرہ القدس کے ساتھ ہوتا ہے شان الٰہی کے ہر نئے ظہور کو محسوس کر لیتی ہے اور بتا سکتی ہے کہ واقعات کا آئندہ رخ کیا ہوگا۔ ان اہل احسان کے انکشافات کی مدد سے علمی اجتہاد کے مالک عالم اللہ تعالیٰ کی ہر نئی شان کے مقصد کو پورا کرنے کے لیے قانون میں تبدیلی کرتے رہیں گے۔ اس طرح انقلابی تعمیر رجعت پسندی (Re-astion) سے محفوظ رہ کر ترقی کرتی رہے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ رجعت پسندی یا ارتجاع پیدا ہی اس وقت ہوتا ہے جب لوگ مستقبل کی ضرورتوں کو پورا کرنے سے ایک عرصے تک غافل رہیں۔

اہل احسان اور اہل فقہ کی اہمیت

اسلامی زمانے میں یہ کام اہل اصلاح و احسان سے متعلق تھا۔ اب ہم یہ سمجھ نہیں سکتے کہ مسلمان قرآن حکیم سے منہ موڑ کر اپنے مرکز کو مجتہدین اور اہل احسان سے خالی رکھ کر اور خدا کی طرف توجہ کیے بغیر کس طرح نجات پا سکتے ہیں۔

(1) خطیب بغدادی جو حضرت امام ابوحنیفہ کا بہت سخت مخالف ہے تاریخ بغداد میں کئی موقعوں پر لکھتا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ کی مجلس مشاورت کے چالیس ممبر تھے۔ جب کوئی اہم مسئلہ سامنے آتا تو آپ امام قاسم بن معن لغوی' امام عبداللہ بن مبارک محدث' امام ابو یوسف فقیہہ' امام زفر جیسے ذکی اور حضرت امام داؤد ابن نصیر طائی جیسے سرتاج صوفیاء کی موجودگی کو لازم سمجھتے تھے۔ (مرتب)

ہمارے زمانے میں مغربی ملکوں میں یہ فرض اجتماعی سائنسدانوں کے سپرد ہے۔ وہ مختلف قوموں اور ملکوں کے عام رجحانات کے متعلق اعداد و شمار جمع کرتے ہیں۔ پھر ان کا بہت ہی گہرا مطالعہ کرتے ہیں۔ اور مختلف پہلوؤں کا مقابلہ کر کے نتیجے نکالتے ہیں جو بہت حد تک صحیح ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کا تعلق حظیرۃ القدس کے ساتھ نہیں ہے اس لیے ان کے نتیجے کمزور، ناقص اور نامکمل رہتے ہیں۔ اس کے ہوتے ہوئے بھی انہوں نے کافی مضبوط اجتماعیت پیدا کر لی ہے۔

حق یہ ہے کہ جو قوم کل کی فکر نہیں کرتی وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ قرآن حکیم کی اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور چاہیے کہ ہر ایک نفس دیکھتا رہے کہ اس نے کل کے لیے کیا فراہم کیا ہے۔'' (سورہ حشر 18:59)

پس جو شخص اللہ کی نشانیوں کا آنکھیں کھول کر مطالعہ کرے، اس کے سامنے اسلام کا مستقبل بالکل روشن ہے۔ ہر ایک قوم قرآنی انقلاب کو اپنے اندر کامیاب بنا سکتی ہے کیونکہ اس انقلاب کا سرچشمہ یعنی قرآن حکیم موجود ہے۔ حضرت محمد ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں نے جس طرح اسے پہلی مرتبہ حجاز میں کامیاب بنا کر دکھا دیا وہ نمونہ قیامت تک کے لیے کافی ہے۔

امام ولی اللہ دھلویؒ کی اہمیت

برعظیم پاک و ہند میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا ہی شخص پیدا کیا جو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو سمجھنے والا اور حجازی انقلاب کے سب واقعات کا عالم ہے۔ اس کا نام ہے ''امام ولی اللہ دہلوی'' (اللہ کی رحمتیں ہوں اس پر)۔ حضرت امامؒ نے قرآن حکیم کی انقلابیت کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور تک منحصر کر دیا ہے۔ اور برعظیم پاک و ہند کے متعلق امید ظاہر کی ہے کہ یہی انقلاب یہاں دہرایا جائے گا (1) اب مسلم نوجوانوں کا فرض ہے کہ وہ اس امام کی کتابیں پڑھیں اور قرآن کے انقلاب کو سمجھیں۔

(1) کیا عجب کہ تاریخ نے زمانہ حال میں جو پلٹا کھایا ہے، وہ اس کا پیش خیمہ ہو اور پاکستان آنے والے انقلاب کا پیشرو ثابت ہو۔ (مرتب)

والی اللہی حکمت پر قرآنی تفسیر

اب مسلم نوجوانوں کا فرض ہے کہ وہ اس امام کی کتابیں پڑھیں اور قرآن کے انقلاب کو سمجھیں، آئندہ صفحات میں آنے والی سورت، سورۃ ''قتال'' یا ''محمدؐ''۔ کی تفسیر حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ شارح امام ولی اللہ دہلویؒ نے اسی انقلابی رنگ میں کی ہے اور دکھایا ہے کہ قرآنی انقلاب کس طرح قومی پیمانے سے ترقی کر کے کل قومی انقلاب بن جاتا ہے اور کل قومی میدان میں اس انقلاب کا نصب العین (Ideal) کیا ہے۔ ضرورت ہے کہ یہاں بھی حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت کا مطالعہ کر کے اس کی بنیاد پر ایسی سرمایہ شکن (Anti-Capitalist) جماعت پیدا کی جائے جو قرآن حکیم کی غیر راسمالی تعلیم کو اپنائے اور اس ملک میں اس انقلاب کو کامیاب بنائے۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین اَلَّذ ین اِن مکّنھُمُ اللّٰہ فی الارض، یقیمون الصلوۃ، و یوتون الزکٰوۃ، وھم یوقنون۔ والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد صاحب دعوۃ الانقلاب العمومی و علٰی اصحابہ الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرہ کما اتبعوہ فی ساعۃ الفتح والذین اتبعوہ باحسان الھم اجعلنا منھم۔ آمین

''ہماری آخری بات یہی ہے کہ سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو تمام قوموں کو پالنے اور ترقی دینے والا ہے۔ اچھا انجام انہی لوگوں کا ہوسکتا ہے جو اللہ سے ڈر کر عدل قائم کرتے ہیں۔ اگر اللہ انہیں کسی ملک میں حکومت دے دے تو وہ نماز کی شکل میں اللہ کے ساتھ تعلق قائم کرتے ہیں اور خدا کی غریب مخلوق کی خدمت کے لیے اپنی کمائی میں سے کچھ حصہ نکال کر اسے پاک کر کے کھاتے ہیں اور اس بات کا بھی یقین رکھتے ہیں کہ مرنے کے بعد اللہ تعالٰی کے سامنے حاضر ہو کر اپنے تمام کاموں کی جوابدہی کرنی ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سلامتی ہو اس نبی اعظمؐ پر جو کل قومی انقلاب کی دعوت دینے کے لیے آیا اور اس کے ساتھیوں پر جنھوں نے تنگی کے دنوں میں بھی اس کی پیروی کی اور فتح کے دنوں میں بھی اس کے قدموں کے نقوش پر چلے اور ان لوگوں پر بھی جو ان انقلابی مجاہدین کی پوری طرح پیروی کریں!

خدایا ہمیں ان انقلابیوں کا ساتھی بنا۔ آمین۔

المرتب۔
بشیر احمد۔ بی اے' لودیانوی

انقلاب

انقلاب! اے انقلاب!
خواجہ از خونِ رگِ مزدور سازد لعلِ ناب
از جفائے دِہ خدایاں کِشتِ دہقاناں خراب
انقلاب!
انقلاب! اے انقلاب!
شیخِ شہر از رِشتہ تسبیح صد مومن بدام
کافرانِ سادہ دِل را برہمن زُنّار تاب
انقلاب!
انقلاب! اے انقلاب!
میر و سلطان نرد باز و کعبتین شاں دغل
جانِ محکوماں ز تن بردند و محکوماں بخواب
انقلاب!
انقلاب! اے انقلاب!

(اقبالؒ)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

سورۃ قتال یا سورۃ محمد (47)

تمہید سورت

قرآنی انقلاب اور جنگ

سورت کا نام:

سورۃ محمد (ﷺ) کا دوسرا نام سورۃ قتال بھی ہے۔ یہ مدنی سورت ہے یعنی مدینہ منورہ میں جنگ بدر کے بعد سن 2 ہجری میں اتری۔

پچھلی سورت سے ربط

اس سورت سے پہلے حٰم والی سورتیں ہیں جو سب کی سب مکی ہیں۔ ان میں عالمگیر کل قومی انقلاب کی تیاری کے متعلق قومی پیمانے پر کام کرنے کے لیے تعلیم دی گئی ہے جو روح کے اعتبار سے حنفی ہے۔ یعنی اس کے بنیادی اصول وہ ہیں جو حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کی نبوت سے پیدا ہوئے۔ ان کی بنیاد ایک خدا کی عبادت اور سرمایہ شکنی (Anti-Capitalism) ہے۔ یہی انسانیت کی بنیاد ہے۔ اس انقلاب کی تیاری تیرہ سال تک مکہ مکرمہ میں ہوتی رہی۔ ہجرت کے بعد یہ انقلاب ایسے پیمانہ پر آ گیا کہ اسے جماعتی حلقے سے نکال کر قومی پیمانے پر چلایا جائے' چنانچہ سورۃ محمد (ﷺ) یا قتال میں ہمیں اس انقلاب کے لیے قومی جنگ کے متعلق چند قاعدے بتائے گئے ہیں۔

اگلی سورت کے ساتھ ربط

اس سورت کے بعد سورۃ فتح آتی ہے جس میں قومی انقلاب کے پورے ہو جانے کے بعد' جس کا اظہار صلح حدیبیہ میں ہوا اس کا کل قومی نظریہ پیش کیا گیا ہے۔

جیسے اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے' اس سورت میں جنگ کے متعلق چند احکام دیئے گئے ہیں۔ قرآن کا جنگ کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اسے اچھی طرح سمجھنے کے لیے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اسلام کوئی انفرادی اور رہبانی تحریک نہیں ہے جس کا تعلق فقط چند اونچے درجے کے انسانوں کے ساتھ ہو۔ بلکہ یہ اجتماعی اور انقلابی تحریک ہے' جس کا تعلق ساری انسانیت کے ساتھ ہے۔

اجتماعی تحریک کی دو قسمیں:

اجتماعی تحریکات کی دو قسمیں ہوسکتی ہیں۔

(الف) ارتقائی تحریکات (Evolutionary Movements)

(ب) انقلابی تحریکات (Revolutionary Movements)

ارتقائی تحریکیں

ارتقائی تحریکات میں :

(الف) تحریک کے پھیلنے کا ذریعہ فقط پراپیگنڈہ ہوتا ہے۔

(ب) اس قسم کی تحریکوں میں جنگ بطور ایک آلے کے بالکل شامل نہیں ہوتی۔

(ج) اور نہ اس میں جماعت بندی ہوتی ہے۔

انقلابی تحریکیں

انقلابی تحریک میں:

(الف) ایک نصب العین (Ideal) ہوتا ہے۔ اس پر جماعت بندی ہوتی ہے۔

(ب) وہ جماعت اپنے پروگرام (Programme) کو ملک میں چلانے کے لیے حکومت کی کل پر قبضہ کرنا ضروری سمجھتی ہے۔

(ج) اس لیے جنگ بھی اس کے پروگرام میں ضرور شامل ہوتی ہے۔

قرآنی تحریک ارتقائی نہیں انقلابی ہے

انقلابی لوگ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ سوسائٹی کو رجعت پسندوں (Reactionaries)

سے بھی پاک کریں۔ وہ اس کا انتظار نہیں کر سکتے کہ رجعت پسند ان پر حملہ کریں تبھی ان کے حملے کا جواب دیں۔ وہ ضرورت پڑنے پر رجعت پسندوں پر حملہ کر کے ان کی حملہ آور ہونے کی طاقت چھین لینا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ مثلاً سورہ فتح میں' جس میں کل قومی جنگوں کی طرف اشارہ ہے' صلح حدیبیہ کے بعد ہی خیبر پر حملہ کرنے کی تیاری کا حکم دے دیا گیا ہے۔ کیا وہ جنگ مدافعانہ (Defensive) تھی؟ تاریخ کا فیصلہ اس کے خلاف ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنی تحریک ''ارتقائی'' نہیں ''انقلابی'' تحریک ہے۔

جن لوگوں نے اسلامی جنگوں کو مدافعانہ قسم ہی میں بند کر دیا ہے' انہوں نے اجتماعی تحریکوں کے اس فرق کو ذہن میں نہیں رکھا۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اسلام ایک عالمگیر کل قومی انقلابی تحریک ہے' جس میں مدافعانہ جنگیں بھی ہوتی ہیں اور جارحانہ جنگیں بھی۔

اسلام میں انتفاعی جنگ نہیں

البتہ جنگ کی ایک اور قسم بھی ہے جو گری ہوئی انسانی سوسائٹیاں کرتی رہی ہیں اور آج کل بھی اس قسم کی جنگیں ہوتی ہیں۔ ان میں ایک قوم دوسری قوم کو غلام بنا کر اس سے اقتصادی فائدے حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اس قسم کی جنگ کو ہم انتفاعی جنگ (Exploitative War) کہتے ہیں۔ یہ منڈیاں حاصل کرنے یا امپیریل فائدے حاصل کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ جیسے مغربی قوتیں ایشیا اور افریقہ میں کرتی رہی ہیں۔ اس میں کسی خاص صالح فکر کے پھیلانے اور انسانی سوسائٹی کو فائدہ پہنچانے کا کوئی خیال نہیں ہوتا۔

قرآن حکیم اس قسم کی جنگ کا ہرگز حامی نہیں ہے۔ وہ فقط ایک صالح فکر کی حفاظت اور اشاعت کے لیے جنگ کی اجازت دیتا ہے۔ اس میں وہ مدافعانہ اور جارحانہ حملوں کی تقسیم نہیں کرتا۔ ہمیں اس قسم کی جنگوں کے لیے' چاہے وہ مدافعانہ ہوں یا جارحانہ' کسی عذر خواہی (Apology) کی ضرورت نہیں۔

قرآن کا فکر

قرآن حکیم انسانیت کی ترقی کے لیے ایک ایسا صالح فکر پیش کرتا ہے۔ جس میں انسانیت کے سب پہلو آجاتے ہیں۔ اس کے ذریعے سے انسانی سوسائٹی کی معاشی اصلاح بھی ہوتی ہے اور معادی (آخرت کی) تیاری بھی۔ اس فکر کو ماننے والی جماعت دنیا میں سربلند ہوکر انسانی سوسائٹی میں عدل قائم کرتی ہے۔ وہ غریبوں اور بے کسوں کی ہر قسم کی انسانی ضرورتیں پوری کرنے کا ذمہ لیتی ہے۔ اور انہیں تمام معاشی مصیبتوں سے بچاتی ہے۔ تاکہ انسان کا خدا تک پہنچنے کا راستہ آسان ہو جائے۔ اس انصاف اور خدا پرستی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد کی زندگی میں اس کا راستہ صاف ہو جاتا ہے۔ اور اس کی ترقی میں کوئی رکاوٹ نہیں آتی۔ یہ جماعت اتنی بڑی ذمہ داری صرف اس لیے اپنے سر لیتی ہے کہ وہ سمجھتی ہے کہ انسانیت کی خدمت، خدا پرستی کا جزو ہے اور خدا دوستی کا لازمی نتیجہ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس خدمت کا بدلہ دنیا کے مال و دولت یا عزت کی شکل میں لینا اپنے لیے ضروری نہیں سمجھتی۔

کافر کون ہے؟

اب اگر کوئی سرمایہ پرست جماعت اس سرمایہ شکن فکر کو اپنے سرمایہ پرستانہ فائدوں کے خلاف پاکر اس فکر کے فنا کرنے کی کوشش کے لیے اٹھے، تو سرمایہ شکن قرآنی جماعت کی اصطلاح میں اسے ''کافر'' کہا جاتا ہے۔ اور یہ قرآنی جماعت اپنا فرض سمجھتی ہے کہ کافر گروہ کے ہاتھ سے طاقت چھین کر اسے اتنا کمزور کر دے کہ وہ سر نہ اٹھا سکے۔ قرآن حکیم کافروں سے جنگ اس لیے ضروری قرار نہیں دیتا کہ وہ اس کے فکر کو نہیں مانتے، بلکہ صرف اس لیے کہ وہ طاقت پیدا کر کے لوگوں کو انسانیت کے راستے پر چلنے سے نہ روکیں، جس کی دعوت قرآن دیتا ہے اور اپنے راستے پر چلنے کے لیے کسی کو مجبور نہ کرسکیں۔

اسلامی انقلاب کے اُس دور میں جب یہ فکر غالب حیثیت سے دنیا میں حکمران تھا اس کے نیچے وہ لوگ بھی رہتے تھے جنہوں نے اس فکر کو قبول نہیں کیا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اس انسانیت کی خدمت کرنے والے فکر سے مقابلہ کرنے اور لڑنے کا

خیال چھوڑ دیا۔ اس حالت میں انہیں اپنے ملک میں آزادی کے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی گئی۔ بلکہ قرآنی جماعت نے ان کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا تھا۔

''کافروں'' سے لڑنا کیوں ضروری ہے؟

یہ جو عام طور پر مشہور ہے کہ اسلام اپنے سب مخالفوں سے لڑتا ہے۔ یہ صحیح نہیں۔ اس میں بنیادی غلطی یہ ہے' کہ اسلام کو انقلابی تحریک نہیں سمجھا گیا۔ واقعی اگر اسلامی تحریک ارتقائی تحریک ہوتی' تو اسے لڑنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ لیکن جیسے اوپر دکھایا جا چکا ہے' وہ ایک انقلابی تحریک ہے۔ اس لیے وہ رجعت پسندوں (Reactionaries) کو' اگر وہ عملاً مخالفت کریں' اپنے حلقہ اثر میں نہ کبھی زندہ رہنے دے سکتی ہے اور نہ اپنے اصول چھوڑ کر ان سے مصالحت (Compromise) کر سکتی ہے۔ کیونکہ اگر رجعت پسندوں کو طاقتور رہنے دیا جائے' تو ملک میں نراج (Anarchy) پیدا ہو جائے گا۔ البتہ مخالفین میں سے جو لوگ قرآنی تحریک کے خلاف عملی اقدام چھوڑ کر اس کے نظام کے اندر رہنا چاہیں' انہیں بعض پابندیوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی اجازت ہے۔ اس حالت میں قرآنی حکومت ان کی حفاظت بھی کرے گی اور ان کے جائز قانونی حقوق کی حمایت بھی کرے گی۔ اور ان کے ساتھ انصاف کا پورا پورا معاملہ کرے گی۔

اسلام اور جنگ

تاریخ اسلام کے کسی بھی زمانے میں جب اسلامی حکومت کسی نہ کسی شکل میں موجود تھی کسی قانون کے ماہر یا قرآن حکیم کے کسی تفسیر کرنے والے نے یہ خیال ظاہر نہیں کیا کہ جہاد اور قتال اسلامی تعلیمات کا جز نہیں۔ تعجب کی بات ہے کہ جب سے مصر وغیرہ پر یورپی طاقت کا غلبہ ہوا یہ نیا فلسفہ گھڑ لیا گیا ہے کہ اسلام میں جنگ نہیں ہے' قتال نہیں ہے۔ جہاد سے مراد قلمی اور زبانی تبلیغ ہی ہے اور بس۔

یورپ کا فریب

حقیقت یہ ہے کہ یورپ نے مشرق کی عام کمزوری سے فائدہ اٹھا کر پہلے تو اسلامی ملکوں میں یہ پراپیگنڈہ کیا کہ ''اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے''۔ یعنی اس میں

خود عقلی اور روحانی قوت نہیں ہے۔ اس کی جواب دہی کے لیے چند (خود ساختہ) عقلمند تیار ہو گئے۔ انہوں نے سمجھایا کہ اسلام ایک عقلی اور علمی مذہب ہے۔ مگر یورپ کے فکری حملے سے وہ بھی پورے طور پر نہ بچ سکے۔ اور ان سے بھی یہ کہلوا لیا گیا کہ اسلام میں فقط مدافعانہ جنگ (Defensive War) کی اجازت ہے۔ (جیسا کہ مولوی چراغ علی نے اپنی کتاب تحقیق الجہاد میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام جنگیں دفاعی تھیں (تحقیق الجہاد صفحہ نمبر 2)۔ حالانکہ خود یورپ اس وقت جارحانہ جنگ (Aggressive War) تو ایک طرف' وہ انتفاعی جنگ (Exploitative War) میں مصروف تھا۔ یورپ نے مسلمانوں سے مدافعانہ جنگ کی عذر خواہانہ دستاویز تیار کرا کے اسے خوب شہرت دی۔

رجعت پسندوں کا ایک فریب

اس دور میں مسلمانوں میں جو رجعت پسند (Reactionaries) جنگ کو اسلام میں سے نکال نہ سکے' انہوں نے اسلام کی انقلابی روح کو فنا کرنے کے لیے ایک اور چال اختیار کی۔ انہوں نے اس بات پر زور دینا شروع کیا کہ قتال امیر کے بغیر ہو نہیں سکتا۔ اور اس کی وہ شرطیں بیان کر کے خاموش ہو گئے جن کے پورا ہوئے بغیر قتال نہیں ہو سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ جہاد اور قتال کے لیے ایک نظام کی ضرورت ہے' جو بدقسمتی سے ہم اس وقت قائم نہیں کر سکے تھے۔ لیکن انہوں نے اس سے آگے سوچنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی کہ جب ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ قتال کی یہ شرطیں پوری نہ ہو سکیں تو کیا کیا جائے؟ اگر ان کی آرام طلبی اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کی تکلیف اٹھاتی تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ جہاد فرض کفایہ ہے۔ اس کا جہاں یہ مطلب ہے کہ بہت سے جہاد کرنے والے موجود ہوں' تو بعض لوگ جو کسی وجہ سے اس میں حصہ نہ لے سکیں' ان کا عذر مان لیا جا سکتا ہے' وہاں اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ اگر کوئی بھی اس میں حصہ نہ لے' تو سب کے سب مسلمان مجرم ہیں۔ اگر وہ اس طرح سوچتے تو وہ ضرور اس بات کی کوشش کرتے' کہ ایسا نظام پیدا کیا جائے' جس میں جہاد ہو سکے۔

دوسرا فریب

ایک اور جماعت نے جہاد کی ذمہ داری سے بچنے کے لیے اسے مہدیؒ کی آمد کے ساتھ لگا رکھا ہے۔ ان روایتوں کو صحیح مان لینے کے بعد بھی، جن میں مہدی کے آنے کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں، یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن حکیم کی تعلیم کا کل قومی غلبہ کسی مہدی یا پیغمبر کی آمد سے بندھا ہوا نہیں ہے۔ یہ تعلیم اپنے آپ کو غالب کرنے کی آپ ذمہ دار ہے۔

نمونے کی جماعت

غرض جب انقلابی جماعت انسانیت کے خلاف نظام کو برباد کر کے اس کی جگہ صحیح انسانی نظام قائم کرنے کے لیے تیار ہو جائے، تو یہ جماعت سب کارکن جماعتوں کے لیے نمونہ بن جاتی ہے۔ یہ جماعت قتال کا حکم دیتی ہے اوراس کے ذریعے غلبہ پاتی ہے۔ اس حالت میں حق کی پیروی یہی ہوتی ہے کہ قتال کیا جائے، یعنی جو شخص قتال میں شریک ہو یا کوئی ایسا کام کرے، جو قتال کے حق میں ہو، اس کے موافق ہو اور اس میں مدد دینے والا ہو، تو ملاء اعلیٰ کی دعائیں اس کے حق میں ہوتی ہیں۔ اور خدا کی رحمت اس پر اترتی ہے۔ اور جو شخص قتال کی مخالفت کرتا ہے یا عذر معذرت کر کے اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، ملا اعلیٰ سے اس پر ناراضگی اترتی ہے اور وہ منافق گِنا جاتا ہے۔

منافقین کا اخراج

انقلابی جماعت کو سب سے زیادہ خطرہ ان منافقوں ہی سے ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ اس جماعت کے اندر رہ کر اس میں پریشان خیالی پھیلاتے ہیں۔ اس لیے لڑنے والی اسلامی جماعت میں سے منافقوں کا نکالا جانا ضروری ہوتا ہے، لیکن یہ کام ہوشمندی کے ساتھ کرنے کا ہے۔

اسلامی حجازی انقلاب نے کامیابی کی سب منزلیں بڑی جلدی طے کرلیں۔ اور اس کی جماعت نے تیاری کرنے اور لڑنے کی طاقت پیدا کرنے میں زیادہ دیر نہیں

لگائی۔ پھر بھی اس میں منافق گھس ہی آئے۔ شروع شروع میں مصلحت یہی تھی کہ منافقوں پر تشدد نہ کیا جائے۔ کیونکہ عام مسلمان انقلابی اپنے علم سے منافق اور غیر منافق میں تمیز نہ کر سکتے تھے۔ اس لیے کسی شخص کے منافق ہونے، نہ ہونے کا فیصلہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کر سکتی تھی۔ ایسی حالت میں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منافقوں پر تشدد کرنے کا اشارہ کر دیتے' تو یہ غلط فہمی پید ہو سکتی تھی کہ آپؐ جس شخص کو پسند نہیں کرتے' اسے منافق قرار دے کر مروا دیتے ہیں۔ اس طرح یہ بات کسی قانون کے نیچے نہ آتی' بلکہ ایک شخص کے فیصلے پر رہ جاتی۔ حالانکہ جماعت کی ترقی کے لیے شخصی فیصلے کی جگہ باقاعدہ قانون کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے عام طور پر بچتے رہے' کہ جماعت کی کسی بات کو اپنی ذاتی رائے سے چلائیں۔ آپ کی غرض یہ تھی کہ جماعت کے عوام میں اللہ کے قانون کی پیروی کا جذبہ مساوات کے ساتھ پیدا ہو' اور وہ سمجھ لیں کہ قانون کے سامنے چھوٹا آدمی ہو یا بڑا آدمی سب برابر ہیں۔ فقط قرآن کے سمجھنے کے لیے آپؐ کی ذات پر بھروسہ کرنا ضروری ہے۔ یہ سب باتیں آپؐ نے اپنے ان ساتھیوں کو' جو ہر وقت اور ہر حالت میں آپؐ کے ساتھ شریک رہے' سکھا دیں اور انہیں علم میں پکا (راسخین فی العلم) بنا دیا۔ اگر آپ ایسا نہ کرتے' تو آپ کی جماعت میں قانون الٰہی کی پیروی کا جذبہ پیدا نہ ہوتا۔

غرض حٰم والی سورتوں میں کل قومی انقلاب کے لیے عربی مزاج کو ڈھالنے کی جو کوشش کی گئی تھی' اس کا نتیجہ یہی ہونا تھا کہ جو لوگ اپنے اندر یہ ذہنی تبدیلی پیدا کر لیں اور اس تعلیم پر پور پورا ایمان لے آئیں' وہ ان لوگوں سے الگ ہو جائیں جو اس تعلیم کو نہ مان کر جمود اور شرک میں پھنسے رہنا چاہتے تھے۔ چنانچہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے ترقی پسند انقلابی طبیعت رکھنے والے لوگ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رہنمائی میں جمع ہو گئے۔ یمن اور نجد کے باشندے اور عراق اور شام کے قریب بسنے والے لوگ پہلے پہل اس جھگڑے سے الگ رہے اور دیکھتے رہے کہ ان میں سے کون غالب آتا ہے' اس کے ساتھ معاملہ کر لیں گے۔ لیکن حجاز میں رجعت پسندوں اور انقلابیوں کے جو دو گروہ بن گئے تھے ان میں جنگ ہونی لازم تھی۔

حجازی انقلاب کی منزلیں

حضرت محمد رسول ﷺ نے' جو حجاز کی انقلابی جماعت کے رہنما تھے' اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے الہام پا کر کل قومی انقلاب کا پکا ارادہ کر رکھا تھا:

(1) سب سے پہلے تو لوگوں کو اپنے پروگرام کی طرف بلایا۔
(2) پھر انقلاب کے لیے ایک مضبوط جماعت تیار کی۔
(3) کوشش کی کہ مخالفین آپ کی تعلیم قبول کرلیں۔
(4) مدینہ منور میں مرکز قائم کیا۔
(5) جنگ کی تیاری کی۔
(6) مدینے والوں اور اردگرد کے رہنے والوں کی قوت جمع کی۔
(7) جنگ کی۔
(8) مخالفوں کو ان کے مرکز سے نکال دیا۔
(9) ان پر غلبہ پایا اور
(10) اپنا قانون ماننے اور نہ ماننے والوں پر چلایا۔

یہ فتح درجہ بدرجہ کل قومی انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ اور یہ کامیابی قرآن حکیم کی تعلیم کے مطاق انقلاب کرنے والوں کے لیے رہتی دنیا تک نمونہ رہے گی۔ اس سورت میں اسی پہلی انقلابی جنگ---بدر--- کا ذکر ہے۔

=========

سورۂ محمد

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝١ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰي مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ
سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝٢ ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ
اَمْثَالَهُمْ ۝٣ فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۭ حَتّٰٓي اِذَآ
اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاۗءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ
اَوْزَارَهَا ڔ ذٰلِكَ ړ وَلَوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ
بِبَعْضٍ ۭ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝٤ سَيَهْدِيْهِمْ
وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝٥ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝٦ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ
تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝٧ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ
وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝٨ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝٩
اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ
دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۡ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ۝١٠ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝١١
اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ
مَثْوًى لَّهُمْ ۝١٢ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ
اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝١٣ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ
زُيِّنَ لَهٗ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَاۗءَهُمْ ۝١٤ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ
فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّاۗءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ
خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ڬ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۭ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ
الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَاۗءً حَمِيْمًا
فَقَطَّعَ اَمْعَاۗءَهُمْ ۝١٥ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓي اِذَا خَرَجُوْا مِنْ

عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۫ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ
عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ
تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ
اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾ ع
وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ
فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ
الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۭ فَاَوْلٰى لَهُمْ ﴿۲۰﴾ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۫ فَاِذَا
عَزَمَ الْاَمْرُ ۫ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿۲۱﴾ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ
اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ
فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ
اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ
الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ۭ وَاَمْلٰى لَهُمْ ﴿۲۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ
اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾ فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ
الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ
وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾ ع
اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ
نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۭ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ۭ وَاللّٰهُ
يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ
وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا
الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْــًٔا ۭ وَسَيُحْبِطُ
اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا
اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ
فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾ فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۖ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖ وَاللّٰهُ
مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا

وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ
تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ
فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ
الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾

==========

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۵

تفسیر سورۂ محمد

آیت نمبر 1: اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَضَلَّ اَعۡمَالَھُمۡ ①

ترجمہ: ''جن لوگوں نے صرف دشمنی نکالنے کی خاطر اس تعلیم کو ماننے سے انکار کیا اور لوگوں کو اللہ کی راہ چلنے سے روکا اللہ نے ان سب کے اعمال اکارت کر دیئے۔''

کافر کون ہیں؟

(الف) اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ''جن لوگوں نے دشمنی کی راہ سے انکار کیا'' سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآنی انقلاب کی تعلیم کو ماننے سے انکار کر دیا اور سوچ سمجھ کر اس کی مخالفت کرنے لگے۔

کافروں کی طرف سے رکاوٹ

(ب) وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ''لوگوں کو اللہ کی راہ پر چلنے سے روکا'' انہوں نے قرآن کی تعلیم پر عمل کرنے والے انقلابیوں کے لیے ایسے حالات پیدا کر دینے کی کوشش کی کہ وہ اس تعلیم پر آزادی کے ساتھ عمل نہ کرسکیں۔ مثلاً ان کے خلاف طرح طرح کی افواہیں اور غلط فہمیاں پھیلائیں، انہیں تکلیفیں دیں، ان کا بائیکاٹ کیا، انہیں قید کیا، بعض کو قتل بھی کر دیا۔ جب یہ انقلابی ان مصیبتوں سے بچنے کے لیے اپنے گھر بار اور وطن کو چھوڑ کر دوسرے ملک میں چلے گئے تو وہاں بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اور وہاں سے بھی گرفتار کرکے لانے کی کوشش کی۔

کافروں کی ناکامی

(ج) اَضَلَّ اَعۡمَالَھُمۡ (اللہ تعالٰی نے رجعت پسندوں کے اعمال اکارت کر دیئے)

یہ لوگ اپنی ان کارروائیوں سے' جو وہ اِن مسلم انقلابیوں کے خلاف کر رہے تھے' کوئی فائدہ حاصل نہ کرسکے اور قرآن حکیم پر لوگوں کے اجتماع کو روک نہ سکے۔ اب جو انہوں نے جنگ کے ذریعے سے انقلاب کو روکنے کی کوشش کی ہے' تو یہ اس میں بھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ اگر رجعت پسندی کے مقابلے میں یہ انقلابی طاقت نہ ہو تو رجعت پسندی تمام دنیا پر چھا جائے اور انسانیت کو تباہ کر دے۔

کافروں سے مصالحت کی ایک ہی صورت

قرآنی جماعت جو ان لوگوں سے جنگ کرے گی تو اس لیے نہیں کہ وہ اس کی بات نہیں مانتے' بلکہ اس لیے کہ وہ اس کی بات کو آگے بڑھنے دینے سے روکتے ہیں۔ اگر یہ لوگ قرآنی تحریک کا مقابلہ نہ کریں اور اس کے نیچے امن چین سے رہیں' تو ان سے کوئی جنگ نہیں ہے اسلامی فتوحات کے زمانے میں جس قوم نے اپنی حکومت چھوڑ دی اور اسلامی حکومت کے نیچے رہنا مان لیا اسے کچھ نہیں کہا گیا۔ بلکہ اس کی حفاظت کی گئی اور اس کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا گیا۔ قرآن حکیم صرف یہ چاہتا ہے کہ انسانیت میں سے رجعت پسند قوتوں کے غلبے کو توڑ دے اور اپنا انقلاب قائم کر دے۔

آیت نمبر2: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝

ترجمہ: ''اور جو لوگ ایمان لائے اور اس (ایمان کے مطابق) نیک عمل کیے اور ایمان لائے اس چیز پر جو محمد پر اتاری گئی۔ اور وہی ہے سچی بات ان کے رب کی طرف سے۔ (اللہ نے) ان کی برائیاں ان سے دور کیں اور ان کا حال سنوارا۔''

ایمان دار کون ہیں؟

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (اور جو لوگ ایمان لائے) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے حنیفیت کے عام قاعدے مان لیے اور پورے یقین کے ساتھ ان کی کامیابی کے لیے اپنا جان و مال اور سب

کچھ قربان کر دینے کا پکا ارادہ کرلیا۔ یہ ایمان کا عام درجہ ہے' اور اس میں تمام تعلیمات شامل ہیں' جو انبیاء کرام لے کر آئے۔ انکی ترقی یافتہ اور صاف شکل حنیفیت ہے۔

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (انہوں نے نیک کام کیے) : کاموں کی اچھائی اور بھلائی کی جانچ یہ ہے کہ وہ کہاں تک ان کے ایمان کے مطابق ہیں۔ اگر وہ ان کے ایمان کے مطابق ہیں تو صالح ہیں ورنہ نہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی دو حیثیتیں

وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ (انہوں نے اس تعلیم کو مان لیا جو محمد پر اتری):

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جہاں حنیفیت کی تحریک کے داعی ہیں' وہاں اس کے آخری درجے کے مستقل امام (Leader) بھی ہیں اور وہ اس کا کل قومی درجہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو امت تیار کی' وہ قرآن حکیم کو عالمگیر درجے پر کامیاب بنائے گی۔

حق کیا ہے؟

وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ (یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے) : یہ تعلیم تمام پہلے انبیاء کی تعلیم کا خلاصہ ہے۔ اور انسانیت کی بنیاد ہے۔ اس لیے یہ اصل چیز ہے' اور پائیدار دائمی تعلیم ہے۔ اس کے خلاف چل کر کوئی انسانی جماعت کسی زمانے میں بھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ اس لیے ضروری ہے' کہ اب اسے کل قومی درجے پر انسانیت میں حکمران بنایا جائے۔

لغزشوں کی معافی

كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ

''ان کی لغزشیں چھپا دی جائیں گی اور ان کے حال کی درستی کر دی جائے گی۔''

جب کوئی جماعت وسیع پیمانے پر انقلاب برپا کرنے کے لیے اٹھتی ہے تو اس سے لغزشوں کا ہو جانا طبعی بات ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ وہ جان کی بازی لگا دیتی ہے اور حق کو حق سمجھ کر قبول کرتی ہے۔ اور جہاں اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس سے فلاں غلطی

ہوگئی ہے' وہ فوراً اس سے باز آجاتی ہے اور اس کا بدلہ اتارنے اور درستی کرنے کی کوشش کرتی ہے اور پھر حق پر قائم ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس کی پہلی لغزش توجہ کے قابل نہیں رہتی۔

مثلاً ایک دیہاتی ہے وہ زیادہ تعلیم یافتہ نہیں ہے۔ اسے انسانیت کے صحیح اصول سمجھا دیئے جاتے ہیں اور رجعت پسند طاقتوں کا جو طریق ہے وہ بھی اسے بتادیا جاتا ہے۔ اتنی سی تعلیم ایک آدمی کو چند منٹ میں دی جاسکتی ہے۔ اس کے بعد اسے آمادہ کیا جاتا ہے' کہ وہ حق کی تائید میں اپنی جان دے دے۔ وہ اس پر آمادہ ہو جاتا ہے' اور آخر دم تک اس پر قائم رہتا ہے۔ ایسے شخص میں بہت سی ظاہری کمزوریاں ہیں۔ وہ شاید غلطیاں بھی کرتا ہے۔ مہذب افراد اور متمدن قومیں اس میں ہزار عیب نکال سکتی ہیں۔ لیکن انقلابی قانون میں یہ تمام غلطیاں معاف کر دی جاتی ہیں۔ اور رفتہ رفتہ ایسے لوگوں کی حالت درست کر دی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ تہذیب اور شائستگی کا ایک نمونہ قائم کرتے ہیں' جس کے بعد تہذیب اور شائستگی کا اور کوئی معیار دنیا قبول نہیں کرتی۔ اس طرح وہ باتیں جو کچھ عرصہ پہلے ''مہذب'' لوگوں کی نظروں میں عیب تھیں' اب مہذب کہلانے کے لیے اچھی قرار پاتی ہیں۔

غرض جو لوگ اس انقلابی قانون کے پابند ہوں' اس کے غلبے کی کوشش کریں' اللہ تعالیٰ کو اپنا مددگار اور مالک قبول کریں' ان کی حالت درست ہو جاتی ہے اور انہیں دنیا میں امن' عزت اور راحت حاصل ہوتی ہے۔ وہ دنیا میں حاکم بن کر رہتے ہیں۔

آیت نمبر 3: ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ③

ترجمہ: ''یہ اس لیے' کہ جو منکر اور دشمن ہیں وہ جھوٹی بات پر چلے اور جو ایماندار ہیں انہوں نے اپنے رب کی طرف سے سچی بات مان لی۔ یوں اللہ لوگوں کو ان کے حال بتاتا ہے۔''

کامیابی کی گارنٹی

رجعت پسند کافروں نے اس انقلاب کو مٹانے کے لیے لاؤ لشکر تیار کیا اور بہت

بڑی فوجی جمعیت اور سامان فراہم کرلیا۔ ان کے مقابلے میں انقلابی مومنوں کی حالت بہت کمزور تھی۔ ان کے پاس نہ پورا سامان جنگ تھا' نہ ان کی تعداد زیادہ تھی۔ البتہ انہیں یقین تھا کہ ہم سچائی پر ہیں۔ اس لیے وہ مضبوطی سے اڑے رہے' اور فتح نے ان کے قدم چومے۔ پس یہ فتح اس بات کا نتیجہ تھی' کہ انہیں اپنے مقصد کے سچے ہونے کا پورا پورا یقین تھا۔ یہ چیز رہتی دنیا تک تمام قوموں کے لیے ایک مثال ہے۔ پس جو لوگ عالمگیر انقلاب کے لیے اٹھیں' وہ اسی مقصد کو لے کر اٹھیں' جو صحیح انسانیت کی خدمت کرنا چاہتا ہو' جیسے ان حجازی انقلابیوں نے کیا۔ وہ اس مقصد پر جان و مال سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو جائیں۔ اس وقت ان کی فتح یقینی ہے۔

کفار جس پروگرام کو غالب کرنا چاہتے ہیں' وہ غلط ہے۔ کیونکہ اس کا فائدہ ایک چھوٹے سے طبقے کو پہنچتا ہے۔ اور اس میں خدا ترسی بھی صحیح شکل میں نہیں آتی ' جو انسانیت کی طبعی پیاس بجھا سکے۔ لیکن قرآن حکیم کا پروگرام عوام کے فائدے کے لیے ہے۔ یہ کسی خاص طبقے کے لیے نہیں ہے۔ اور اس کی دعوت بنیادی انسانیت کے لیے ہے جو نہایت پائیدار--- حق[1]--- ہے جب تک انسانیت موجود ہے۔ اس تعلیم کا قائم رہنا اٹل ہے۔ اس کے مقابلے میں جو غلط تعلیم آئے گی وہ پاش پاش ہو جائے گی۔

قواعد جنگ

اگلی آیت میں بتایا جاتا ہے' کہ اس قسم کی جنگ کے وقت کون سے قاعدے سامنے رکھنے چاہئیں۔

آیت نمبر 4:

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ۚ ذَٰلِكَ ۖ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانتَصَرَ مِنْهُمْ وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَ بَعْضَكُم بِبَعْضٍ ۗ وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَن يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ ﴿٤﴾

---

1 ''حق'' کے بنیادی معنی مطابقت اور موافقت کے ہیں جو چیز انسانی فطرت کے مطابق اور موافق ہوتی ہے وہ پائیدار ہوتی ہے۔ (مرتب)

ترجمہ: ''سو جب تم دشمنوں کے مقابلے میں آ ؤ تو (ان کی) گردنیں مارو یہاں تک کہ جب ان کو خوب قتل کر چکو تو بندھن مضبوط کرلو۔ پھر یا احسان کرو یا معاوضہ لے لو' یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے۔ یہ سن چکے۔ اور اگر اللہ چاہے تو ان سے بدلہ لے' لیکن وہ تم کو ایک دوسرے سے جانچنا چاہتا ہے۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے اللہ ان کے عمل ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔''

رجعت پسندوں کا خاتمہ کردو

(الف) فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ (جب اس تحریک کے نہ ماننے والوں سے تمہاری جنگ اور مقابلہ ہو' تو ان کی گردنیں مارو۔)

انقلاب کا یہ لازم جز ہے کہ رجعت پسندوں کے غلبے کو پوری طرح توڑ دیا جائے اس کے لیے ضروری ہے کہ جنگ میں ذرا بھی نرمی اختیار نہ کی جائے۔

رجعت پسندوں کی تنظیم توڑ دو

(ب) حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنْتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا

(یہاں تک کہ جب تم انہیں خوب قتل کر چکو تو ان پر بندھن مضبوط کرلو' یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے۔)

مخالفین کی اتنی سرکوبی کرو کہ ان کے دلوں میں سے انقلابی جماعت کے خلاف کھڑے ہونے کا ارادہ نکل جائے۔ جب وہ لڑنے سے رک جائیں تو انہیں گرفتار کر لو۔ اور ان کی پوری پوری نگرانی کرو کہ وہ اپنی تحریک کو زندہ نہ کرسکیں۔ ان کی اشاعت، اجتماع اور تنظیم کو روکنے کے لیے بندشیں لگا دی جائیں' یہ بندشیں اور سختیاں اس وقت تک جاری رہنی چاہئیں جب تک ان کے حوصلے پست نہ ہو جائیں۔ اور انقلاب کے مقابلے میں کوئی رجعت پسندانہ حرکت نہ کرسکیں اور لڑنے کا خیال قطعاً ان کے ذہنوں

سے نکل جائے۔1

قیدیوں کے متعلق احکام

(ج) فَإِمَّا مَنًّۢا بَعۡدُ وَإِمَّا فِدَآءً (پھر بعد میں احسان کرو یا معاوضہ لو)۔

انقلاب میں جو قیدی گرفتار ہوں' ان کے متعلق دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

(1) انہیں معاوضے کے بغیر بطور احسان چھوڑ دیا جائے۔

یہ ان لوگوں کے متعلق ہوسکتا ہے' جو رجعت پسندی سے باز آ جائیں اور جن کے متعلق یقین ہو جائے کہ وہ واقعی آئندہ ہمارے مقابلہ میں نہیں آئیں گے۔

(2) معاوضے لے کر چھوڑ دیا جائے۔

اس کی چار شکلیں ہوسکتی ہیں۔

(الف) دشمن کے آدمی یرغمال کے طور پر لے لیے جائیں۔

(ب) مسلمان قیدیوں کے معاوضے میں رہا کر دیا جائے۔

(ج) روپیہ لے کر رہا کر دیا جائے۔

(د) مکاتبت یعنی ''قیدی کا کما کر اپنی رہائی کا معاوضہ ادا کر دینے کا معاہدہ'' کرلیا جائے۔

یہ سب قواعد حالت جنگ کے لیے ہیں۔

کیا اسلام میں غلامی نہیں ہے؟

بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ دلیل لی ہے کہ اسلام میں ''غلامی'' نہیں ہے۔

ان کا یہ بیان ہے کہ ''قرآن حکیم صرف جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کا حکم دیتا ہے پھر یہ بھی حکم دیتا ہے کہ ان قیدیوں کو معاوضہ لے کر یا بلا معاوضہ

1 امام ولی اللہ دہلویؒ اپنی کتاب البدور البازغہ (صفحہ 80) میں فرماتے ہیں کہ ولیکن اول نظرہ الی قھر الاعداء و تفریق اجتماعھم وجبن قلوبھم والیاس من النجاۃ۔ (امام کا فرض ہے کہ وہ ہر وقت اس بات کا خیال رکھے کہ اس کا غلبہ دشمن پر رہے وہ ان کا کوئی اجتماع نہ ہونے دے ان کے دلوں کو کمزور کرتا رہے اور انہیں کبھی اس بات کا موقع نہ دے کہ وہ نجات پاسکیں۔ (مرتب)

چھوڑ دیا جائے۔ وہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ انہیں ہمیشہ غلام بنا کر رکھا جائے۔ ان کی اولاد کو بھی غلام بنانا تو ایک طرف رہا۔ یہ جاہلیت [1] کی رسم تھی کہ غلام بنانے کے بعد انہیں رہا نہ کرتے تھے۔ قرآن حکیم نے غلام بنانے کی جاہلی رسم کو قطعاً موقوف کر دیا۔ اور حکم دے دیا کہ مذکورہ بالا دوصورتوں میں سے کسی نہ کسی صورت میں انہیں رہا کر دیا جائے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یورپ نے غلامی کی آزادی میں جو کچھ کیا وہ اسلام کی پیروی میں کیا۔''

ہمارے نزدیک ان لوگوں کے نکالے ہوئے نتیجے پر ایک تاریخی اعتراض آتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اسلامی انقلاب کے پہلے دور میں اس پر عمل نظر نہیں آتا۔ حالانکہ خلفاء راشدین کے عہد میں اس آیت پر ان معنوں میں سب سے پہلے عمل ہونا چاہیے تھا۔

ہماری رائے یہ ہے کہ غلامی کی تنسیخ کے متعلق جن لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے انہوں نے بہت ہی مبالغے سے کام لیا ہے۔ خاص کر اس آیت سے دلیل لینا کہ غلامی منسوخ کردی گئی ہے' تکلّف سے خالی نہیں۔

قیدیوں کی رہائی کی شکلیں

اس آیت میں جو فِدَآءً (معاوضہ لے کر) آیا ہے اس سے فقط یہی مراد نہیں ہے کہ ان قیدیوں کی رہائی کے معاوضے کا روپیہ لے لیا جائے یا قیدیوں کا آپس میں ادلا بدلا (باہمی تبادلہ) کرلیا جائے' بلکہ ہمارے نزدیک اس میں مکاتبت بھی داخل ہے۔ ایک آدمی گرفتار ہو کر قید ہو جاتا ہے۔ اس کا کوئی والی وارث نہیں ہے کہ اس کے فدیے کا روپیہ دے کر رہا کرا لے۔ اور نہ دشمن کے پاس مسلم قیدی ہیں کہ ان میں سے کسی کے بدلے میں اسے رہائی ملے۔ اور نہ اس کی ایسی حالت ہے کہ اسے بطور احسان چھوڑ دیا جائے۔ ایسا جنگی قیدی یقیناً غلام بنا کر رکھا جائے گا۔ ایسے غلاموں کے متعلق سورہ نور میں جداگانہ حکم موجود ہے۔ اس آیت کے الفاظ یہ ہیں۔

1۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے عرب میں اسلام پھیلایا۔ اس سے عین پہلے جو زمانہ تھا اسے جاہلیت کا زمانہ کہتے ہیں۔

والذین یبتغون الکتٰب مما ملکت ایمانکم فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرًا واٰتوھم من مال اللّٰہ الذین اٰتکم

(تمہارے لونڈی غلام میں سے جو مکاتبت چاہیں ان کو مکاتبت دے دو' بشرطیکہ تم ان میں بھلائی دیکھو۔ اور اللہ کے مال میں سے جو اس نے تمہیں دے رکھا ہے انہیں کچھ دے دو۔)

کن قیدیوں کو رہا کیا جائے؟

یہاں ''بھلائی'' سے مراد یہی ہے کہ وہ رہا ہونے کے بعد مسلمانوں سے جنگ نہ کریں۔ یا اگر وہ مسلم سوسائٹی ہی میں رہنا پسند کریں تو اس پر کسی طرح سے بار نہ ہوں۔ جب تک کسی شخص کے متعلق یہ ثابت نہ ہو کہ وہ جنگ سے باز آجائے گا یا مسلم سوسائٹی کے لیے مضر یا بار ثابت نہ ہوگا' اسے عمر بھر قید رکھنا جائز ہے۔ لیکن جب اس کی ''بھلائی'' کا یقین ہو جائے تو اس سے مکاتبت کرلی جائے۔ اور اس سے اس کا زر فدیہ قسطوں میں وصول کرلیا جائے۔ اگر وہ روپیہ ادا نہ کر سکے تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس قیدی کی مالی مدد کریں۔ اگر مسلمان اپنی مالی کمزوری کی وجہ سے اس کی مدد نہ کرسکیں تو اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ زکوٰۃ کے جمع کیے ہوئے مال میں سے اس مُکاتِبْ کو دے۔

بیان مذکورہ بالا سے ظاہر ہے کہ جنگی قیدیوں کے معاملے میں قرآن حکیم نے جو قوانین دیئے ہیں' ان میں خود ان قیدیوں کی بھلائی کا بھی بہت حد تک خیال رکھا گیا ہے۔ اس کی طرف ان لوگوں کی توجہ نہیں ہوئی جنھوں نے غلامی کا سرے سے انکار کر دیا ہے۔ ہماری تحقیق کے مطابق سیدنا عثمانؓ کی شہادت تک کے زمانے میں ایک واقعہ بھی نہیں ملتا کہ کسی جنگی قیدی نے مکاتبت چاہی ہو اور اس حق سے محروم کیا گیا ہو۔ اس دور میں اس قانون پر برابر عمل ہوتا رہا۔ مگر بنی امیہ کے زمانے میں اس قانون سے غفلت شروع ہوئی' البتہ اس زمانے میں مسلمان عالم اس غفلت پر تنبیہہ کرتے رہے' گو بعد کی صدیوں میں اس امیر طبقے نے غلامی کو باقاعدہ جاری کرلیا جو بے حد افسوسناک ہے۔

قید کے طریق

اصل بات یہ ہے کہ جنگی قیدیوں کے دو حصے ہوتے ہیں۔ (1) مرد اور (2) عورتیں۔ انہیں رکھنے کے بھی دو طریق ہو سکتے ہیں۔

(الف) جداگانہ قید خانے بنا کر جیسے آج کل دستور ہے۔

(ب) اپنی آبادی کے ساتھ مخلوط کر کے نگرانی میں لے لیا جائے۔

(الف) جداگانہ قید خانے

قیدیوں کو جداگانہ قید خانوں (Concentration Camps) میں رکھنے سے بہت سی خرابیاں اور فساد پیدا ہوتے ہیں۔ چند درج ذیل ہیں:

(1) قیدیوں کے اخلاق بگڑ جاتے ہیں۔ اور نہایت گندے گناہ مثلاً صدومت (Sodomy) جاری ہو جاتے ہیں۔ اور رفتہ رفتہ ان کی انسانیت فنا ہو جاتی ہے اور وہ کسی اچھی سوسائٹی میں رہنے کے قابل نہیں رہتے۔

(2) ان قیدیوں سے قید خانوں میں نہایت سخت مشقت لی جاتی ہے۔

(3) جو لوگ ان قیدیوں کی نگرانی کرتے ہیں وہ ان پر طرح طرح کے ظلم کرتے ہیں۔

(4) یہ قیدی انقلاب کو کبھی قبول نہیں کر سکتے اور اپنے دلوں میں اس کے خلاف جذبات کو پرورش کرتے ہیں۔

یہ خرابیاں انگلستان، جرمنی اور دوسرے یورپی اور امریکی ملکوں کے قید خانوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ دوسری بڑی جنگ 1939-45ء میں یورپی ملکوں نے اپنے دشمنوں کے قیدیوں سے جو وحشیانہ سلوک کیے ہیں ان کے ذکر سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

(ب) خاندانوں کے اندر قید

اسلامی قانون، حکومت کو اجازت دیتا ہے کہ جنگی قیدیوں کو جنگی قید خانوں میں رکھنے کے بجائے ذمہ دار خاندانوں میں تقسیم کر دے۔ اس نظام میں انہیں باقاعدہ طور پر گھروں میں جگہ دی جاتی ہے اور وہاں وہی کھانا اور لباس پاتے ہیں جو گھر والوں کو ملتا ہے۔ ان کے ساتھ سختی کا سلوک نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ ان سے سخت مشقت لی جا سکتی

ہے۔ اس خانگی نگرانی میں وہ نکاح، تجارت اور صنعت وحرفت بھی کر سکتے ہیں۔ اس طرح یہ قیدی اسلامی سوسائٹی میں ہضم ہو جاتے ہیں۔ وہ گھر والوں سے اچھے اخلاق اخذ کرتے ہیں اور اسلام کی انقلابی تعلیم کو عملی شکل میں نہایت قریب سے دیکھتے ہیں۔ اس لیے امکان ہوتا ہے کہ وہ کسی وقت اس تعلیم کو قبول کر لیں اور اسلامی سوسائٹی کے باقاعدہ رکن بن جائیں۔ جیسے اوپر لکھا جا چکا ہے' اسلام کے پہلے دور میں ان قوانین پر سختی کے ساتھ عمل ہوتا رہا۔ بعد کی خلاف ورزیاں انہیں منسوخ نہیں کر سکتیں۔

کافروں کے لیے غلامی ایک رحمت ہے

غرض اسلام میں غلامی انقلابی روح کا نتیجہ ہے۔ ایک شخص انقلاب کی طاقت کو فنا کرنے کے لیے میدان جنگ میں آتا ہے اور شکست کھا کر گرفتار ہو جاتا ہے۔ وہ قانون کی نظر میں واجب القتل ہے۔ لیکن قرآن حکیم اس کی زندگی اس خیال سے بخش دیتا ہے کہ شاید وہ انقلابیوں کی نگرانی میں رہ کر اور قریب سے ان کا مطالعہ کر کے انقلاب کی حقیقت سمجھ لے۔ اور اس کی مخالفت ترک کر دے۔ لیکن جو شخص اس انقلابی تحریک پر ایک غیر انقلابی کے نقطۂ نگاہ سے نظر ڈالتا ہے، اس کے نزدیک تو انسانیت کو ظلم سے بچانے کے لیے انقلاب کرنا ہی ناجائز ہے۔ وہ اس انقلاب کے دشمنوں کو دشمن کی حیثیت سے کس طرح دیکھ سکتا ہے' اور ان دشمنوں کو واجب القتل کس طرح قرار دے سکتا ہے؟ اور جب وہ انہیں واجب القتل ہی نہیں سمجھتا تو ان کی جان بخشی کر کے اصلاح کی نیت سے انقلابیوں کی نگرانی میں دینا۔ جسے عرف عام میں ''غلامی'' کہا جاتا ہے کس طرح جائز قرار دے سکتا ہے؟ لیکن اس میں سارا قصور اس کی غیر انقلابی ذہنیت کا ہے۔ جب وہ اس معاملے پر انقلاب اور اس کی ضرورت کے لحاظ سے نظر ڈالے گا' تو وہ دنیا کا بہترین حکیم ہونے کے باوجود اسلام کے نظام نگرانی سے بہتر نظام تجویز نہ کر سکے گا۔ اسلام محض ''بلند نظریات'' کا مجموعہ نہیں ہے' بلکہ عملی زندگی کے لیے بہترین نظام عمل بھی ہے۔

غلامی کے منکروں کی غلطی

جو لوگ اسلام میں سے نام نہاد غلامی کا جز نکال کر اسے مغربی ملکوں کے نزدیک

پیاری شکل میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ ان ملکوں میں بھی انقلابی موجود ہیں جو اسلام کے ان ''بہی خواہوں'' کی وجہ سے اس عملی مذہب سے اس لیے نفرت کرسکتے ہیں کہ یہ انقلابی نقطۂ نگاہ سے عمل کے قابل مذہب نہیں ہے۔ ایسے مذہب سے صرف ارتجاع پسند (Reactionaries) ہی خوش ہوسکتے ہیں۔ سرمایہ پرست رجعت پسند مغربی اقوام نے غلاموں کو جو فرضی آزادی بخشی ہے اس کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ گوری قوموں کو قانوناً غلامی سے مستثنیٰ کر کے رنگ دار قوموں کو غلام بنانا شروع کر دیا۔ اور اب تو گورے افراد کے متعلق بھی اعلانیہ کہا جاتا ہے کہ سرمایہ دار ممالک میں ان ''آزاد'' مزدوروں کی حالت غلاموں سے بدتر ہے۔ ان حالات پر کوئی مہذب قوم فخر نہیں کرسکتی۔

(د) ذٰلِكَ (یہ ہے قانون)

(ہ) وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ (اگر اللہ چاہتا تو ان سے خود ہی بدلہ لے لیتا)

یعنی خدا ہی اسباب پیدا کر کے انہیں سزا دیتا۔ مثلاً زلزلہ، طوفان، وبائی بیماریاں وغیرہ کے ذریعے سے ظالم طبقات کو فنا کر دیتا۔

آزمائش کا مقصد

وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ

(لیکن وہ آزمانا چاہتا ہے بعض کو بعض کے ذریعے سے)

تمہیں جنگ کا حکم اس لیے دیا جاتا ہے کہ تمہیں امتحان میں سے گزارا جائے اور حقیقی انقلابیوں کو جو اس کی تعلیم کو سب سے اونچے درجے پر قائم کرنے کے لیے اپنی جان و مال سب کچھ اس پر قربان کر دینا چاہتے ہیں۔ ڈینگیں مارنے والوں سے جدا کر دیا جائے۔

شہید کی محنت ضائع نہیں جاسکتی:

(و) وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴿۴﴾

(اور جو لوگ قتل ہوئے اللہ کے راستے میں وہ ان کے عمل ہرگز ضائع نہیں جانے دے گا)

اس طریقے میں یہ بات بھی پیش آئے گی کہ بعض حق پسند انقلابی شہید ہو جائیں گے لیکن ان کی کوششیں رائیگاں نہیں جائیں گی۔ اگر وہ خود اپنی محنتوں سے فائدہ نہ اٹھا سکیں گے تو دنیا میں ان کی نسلیں ان کی کوششوں سے فائدہ اٹھائیں گی۔ اور ان کی ہم خیال جماعت عزت اور حکومت پائے گی۔ اور مرنے کے بعد شہیدوں کو جنت میں بے حساب ترقی کرنے کی طاقت حاصل ہو جائے گی۔

آیت نمبر 5: سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝

ترجمہ: ''انہیں راہ دے گا اور ان کا حال سنوار دے گا۔''

چونکہ یہ لوگ حق کی حفاظت میں اپنی جان دے رہے ہیں' اس لیے اللہ تعالیٰ ان کی جماعت کو ترقی کی راہ پر لگا دے گا۔ اور ان کی حالت اس زندگی میں ہی درست کر کے انہیں اونچے مرتبے پر پہنچا دے گا۔ اور مرنے کے بعد ان کی ترقی کا یہ سیدھا راستہ قائم رہے گا۔ اور وہ اس زندگی میں بھی اونچے درجے حاصل کرتے رہیں گے۔

آیت نمبر 6: وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝

ترجمہ: ''اور انہیں جنت میں داخل کرے گا جو انہیں معلوم کرا دی ہے۔''

جنت کا تصور مادی زندگی میں

اللہ تعالیٰ کی نعمت تو اوپر (عرشِ الٰہی) سے ایک ہی شکل میں آتی ہے لیکن مختلف مواطن (طبقات) (Stages) میں سے ہر موطن (Stage) میں اس درجے کے مطابق شکل اختیار کر لیتی ہے۔ جیسے بارش کہ وہ کرّۂ ہوا کے ٹھنڈے طبقے میں اولوں کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس سے نچلے طبقے میں پانی کے قطروں کی صورت میں اور جب زمین پر آتی ہیں تو زمین کے ہر ایک قطعے کے موافق مختلف تاثیرین پیدا کر لیتی ہے۔ حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت کا یہ بنیادی قانون ہے۔

ایک انسان مرنے کے بعد دوسری زندگی میں جائے گا۔ اگر اس کے قلب اور دماغ میں اس موطن کے خلاف کوئی چیز نہیں ہے تو وہاں جا کر آرام اور خوشی محسوس

کرے گا۔ یہ سرور اور راحت اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ایک شکل ہے۔

ایک شخص اس دنیا کی زندگی میں سوسائٹی کے خاص قاعدوں کے مطابق عمل کرنے سے جو اثر اپنے نفس میں لیتا ہے وہ اپنی جگہ آپ خوشی پیدا کرتا ہے۔ یہی خوشی اور اطمینان بہشت میں اس موطن (Stage) کی نعمتوں کی شکل لے کر وہاں کی خوشی اور راحت کا سامان بہم پہنچائے گی۔

ایک شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح حکومت کرنے والے گھرانے میں پرورش پاتا ہے۔ کیا وہ مصر کے بنی اسرائیل کی طرح نچلے درجے کی زندگی پر راضی ہوسکتا ہے؟ پس حکومت کی بھی ایک لذت ہوتی ہے جسے حاکم قوم ہی سمجھ سکتی ہے، محکوم قوم اس لذت سے محروم ہے۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں آتا ہے کہ جنّتیوں میں سے بعض چھوٹے درجے کے جنتی ایسے ہوں گے جنہیں وہ نعمتیں نصیب ہوں گی کہ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کو بھی ان کا دسواں حصہ نصیب نہ ہوا ہوگا۔ اب جس قوم نے دنیا میں حکومت کی لذت نہیں چکھی، ہمیشہ دوسروں کی غلامی اور محکومی ہی میں فنا ہوگئی اور اپنے معاشی' معاشرتی اور روحانی ترقی کے قانون پر عمل کر کے اپنے اندر ان قانونوں کے مطاق کیے ہوئے عملوں کے جوہر نہ لے گی' وہ جنت میں یہ مزے کیسے پائے گی؟ غرض آزادی' حریت اور فتح سے حاصل ہونے والی خوشی اور راحت کی لذت بہشت میں وہی قوم پائے گی جو دنیا میں قرآن حکیم کے قانون کو غالب کر کے اس کے نیچے آزادی' حریت اور کامرانی کی زندگی بسر کر چکی ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہیں دنیا میں اللہ کی اس نعمت کی لذت اور راحت معلوم کرا دی گئی ہوگی جو وہ آگے چل کر بہشت میں پانے والے ہوں گے۔ پس جب مسلمان دنیا میں حکومت اور کامیابی کا احساس وعرفان پالیں گے تو بہشت میں بھی اس لذت سے انتہائی حد تک مزہ پائیں گے۔ ہمارے نزدیک عَرَّفَهَا لَهُمْ (جو انہیں معلوم کرا دی گئی ہے) کے یہ معنی ہیں (باقی صحیح بات اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔)

کامیابی کی شرط

آیت نمبر 7: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ۝

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے پاؤں جما دے گا۔''

جب مسلمان تمام قوموں میں سے ظلم اور جہالت دور کرنے کا پکا ارادہ کرلیں اور اس پر اپنی جان کی بازی لگا دیں تو وہ ضرور غالب آئیں گے۔ یہی انقلاب ہے۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ بھی ان کی مدد کرے گا۔ اور ان کی انقلابی جماعت' چاہے وہ چھوٹی ہی ہو، بہت بڑی ارتجاعی طاقت پر غالب آجائے گی۔ کیونکہ اس انقلاب کی بنیاد علم، عقل اور عدل پر ہے۔ یہ انقلاب سب لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لے گا۔

پائیداری کی شکل

وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (تمہارے پاؤں مضبوطی سے گاڑ دے گا)

جب تک کوئی چیز سوسائٹی کے صرف عقلمند طبقے میں رہتی ہے اور عوام میں نہیں آتی، وہ پائیدار نہیں ہوتی۔ لیکن جب وہ عوام میں گھر کر لیتی ہے وہ پائیدار اور مضبوط ہو جاتی ہے۔ قرآن حکیم کا انقلاب کسی خاص طبقے کے لیے نہیں ہے۔ اسے عوام میں جائے گیر کرنا چاہیے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ اسلامی انقلاب جس جس علاقے میں سرایت کر گیا وہاں اب تک اس کا اثر باقی ہے۔

مخالفین کی ناکامی:

آیت نمبر 8: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ۝

ترجمہ: ''اور جو لوگ اس کے منکر ہوئے وہ منہ کے بل گرے اور ان کے کام کھو دیئے۔''

جو لوگ اس انقلاب کی مخالفت کریں گے وہ ناکام رہیں گے۔ اور ان کے عمل اکارت جائیں گے۔ وہ اپنی کوششوں سے جو نتیجہ پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ پیدا نہ ہوگا۔ چونکہ وہ دنیا میں غلط پروگرام چلا رہے تھے' اس لیے مرنے کے بعد بھی وہ اپنے صحیح

مقام پر نہ پہنچ سکیں گے۔

آیت نمبر9: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝۹

ترجمہ: ''یہ اس لیے کہ اللہ نے جو اتارا وہ انہیں پسند نہ آیا پھر اللہ نے ان کے عمل اکارت کر دیئے۔''

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ایسا پروگرام دیا ہے جو تمام انسانیت کے لیے مفید ہے۔ اور قرآن کو ماننے والی جماعت اس تعلیم کو کامیاب بنانے اور انقلاب کرنے کے لیے اٹھی ہے۔ اس کے مقابلے میں جو ارتجاعی ہیں وہ محدود طبقوں کے فائدے کے لیے لڑ رہے ہیں۔ اس لیے یہ انقلابیوں کے مقابلے میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ مستقبل انقلابیوں کے ہاتھوں میں ہے' وہی کامیاب ہوں گے۔

ناکامی کی تاریخی شہادتیں

اگلی آیتوں میں قرآنی انقلاب کی کامیابی پر تاریخی شہادتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

آیت نمبر 10:

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۫ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ۝۱۰

ترجمہ: ''کیا وہ ملک میں پھرتے نہیں کہ دیکھیں کہ جو ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیسا ہوا۔ اللہ نے انہیں برباد کر دیا۔ اور منکروں کے لیے ایسی ہی سزائیں ہیں۔''

قرآنی انقلاب کے مخالفین گزشتہ اقوام کی تاریخ اور آثار کا مطالعہ کریں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ جس تحریک کی بنیاد عوام کی بھلائی اور اللہ کے ساتھ تعلق پر ہو وہ ہمیشہ کامیاب ہوتی رہی ہے۔ اور اس کے مخالفین ہمیشہ ناکام رہے ہیں۔ عرب میں حضرت صالح علیہ السلام اور دوسرے نبیوں کی مخالفت کرنے والی قوموں کے آثار موجود ہیں۔ جب ان قوموں نے صالح انقلابی جماعت کا مقابلہ کیا اور ناکام رہے' تو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جس انقلاب کی دعوت دے رہے ہیں' اس کے مقابلے میں

یہ ارتجاعی (رجعت پسند لوگ) کس طرح ٹھہر سکتے ہیں؟ یہ یقیناً ناکام رہیں گے اور برباد کردیے جائیں گے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ عرب میں قرآنی انقلاب پوری طرح کامیاب ہوا اور پھر بہت ہی بڑے کل قومی پیمانے پر تمام دنیا پر غالب آیا۔

جنگ کا انجام

آیت نمبر 11: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ''یہ اس لیے کہ جو لوگ ایمان لے آئے ہیں ان کا رفیق تو اللہ تعالیٰ ہے اور جو لوگ انکار کرتے ہیں ان کا کوئی رفیق نہیں ہے۔''

انقلابیوں کی کامیابی اس لیے یقینی ہے کہ ان کے ساتھ خدا تعالیٰ کی مدد ہے۔ وہ اس تحریک کو عوام تک پہنچانے کے لیے مومنوں کی مدد کرتا ہے۔ یہ ارتجاعی (Reactionaries) ناکام رہیں گے کیونکہ ان کی تحریک عوام کے لیے مفید نہیں۔ اس لیے اللہ اسے پھیلنے سے روک دے گا۔

کافر و مومن کا تقابل

آیت نمبر 12:

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ''اللہ ان لوگوں کو' جو ایمان لائے اور جنہوں نے (اس ایمان کے مطابق) اچھے کام کیے' یقیناً باغوں میں داخل کرے گا۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اور جو منکر اور دشمن ہیں وہ ایسے فائدہ اٹھاتے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے چوپائے کھاتے ہیں اور ان کا گھر آگ ہے۔''

قرآن حکیم کے بات کہنے کا یہ عام طریقہ ہے کہ وہ مومن اور کافر کا مقابلہ کر کے

ایک کی برتری اور دوسرے کی ناکامی کا اثر پیدا کرتا ہے۔ اس آیت میں بھی مومن اور کافر کا مقابلہ کیا گیا ہے۔ اور کافروں کو بہت گری ہوئی حالت میں دکھایا گیا ہے۔ جو لوگ قرآن حکیم کی انقلابی تعلیم کو مان کر اسے عمل میں لانے اور اسے پھیلانے اور غالب کرنے میں اپنا سب کچھ قربان کر دینے کو تیار ہیں' وہ مومن ہیں ان کے مقابلے میں وہ لوگ ہیں جو اس تحریک کو اپنے ذاتی فائدوں کے خلاف سمجھتے ہیں۔ان لوگوں کا مطمع نظر یا نصب العین حیوانیت سے اونچا نہیں اٹھتا۔ وہ دنیا کو فقط اس نظر سے دیکھتے ہیں کہ ہم اس سے کہاں تک لطف اٹھا سکتے ہیں۔ مثلاً لباس' مکان' کھانا اور دوسرا سامان عیش کتنا جمع کر سکتے ہیں۔ اور اس سے کتنا مزہ پا سکتے ہیں۔لیکن ایک حکیم جانتا ہے کہ حیوانی نصب العین کو ترقی دینا انسانیت کے اصلی فائدوں کے بالکل خلاف ہے۔ جو قوم حیوانی نصب العین میں ترقی کرتی ہے وہ اپنے نفوس کے اندر ایسی گندی اور گرے ہوئے درجے کی عادتیں جمع کر لیتی ہے جو مرنے کے بعد کی زندگی میں اس کے لیے جہنم پیدا کر دیں گی۔ جو قوم دنیا میں قرآنی اصول پر انقلاب برپا کرتی ہے وہ اس دنیا میں بھی انسانیت کی خدمت کرنے والی اونچے درجے کی حکومت پیدا کر کے عزت حاصل کر لیتی ہے۔ وہ مرنے کے بعد کی زندگی میں بھی اپنے نفوس کے اندر اس تعلیم و تربیت سے ایسی عادتوں کے نتیجے لے جاتی ہے جو اس کے لیے بہشت کی زندگی پیدا کر دیں گے۔

ان باتوں کو نہ سمجھنا اور دنیاوی لذتوں میں پھنس کر آخرت کی زندگی تباہ کر لینا نری حیوانیت ہے۔

مخالفین انقلاب کو تنبیہ

آیت نمبر 13: وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِّن قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجَتْكَ أَهْلَكْنَاهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿١٣﴾

ترجمہ: ''اور کتنی سوسائٹیاں تھیں جو اس تیری سوسائٹی سے جس نے تجھے نکالا' زیادہ زور آور تھیں۔ہم نے انہیں غارت کر دیا۔ پھر ان کا کوئی مددگار نہ ہوا۔''

مکے والوں نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو' جو انہیں اعلیٰ

درجے کی انسانیت کی تعلیم دیتے تھے' اتنا تنگ کیا کہ انہیں اپنے فکر کی حفاظت کرنے اور پھیلانے کے لیے مکہ معظّمہ سے نکل جانا پڑا' اور ایک نیا مرکز قائم کرنا پڑا۔ کیا دنیا کی تاریخ میں یہ انوکھا واقعہ ہے؟ نہیں۔ مکے والوں سے بھی زیادہ مالدار طاقتور اور مضبوط سوسائٹیاں اور حکومتیں دنیا میں ہو چکی ہیں جو انسانیت سے گر کر اور حیوانیت میں ترقی کر کے بے احتیاط زندگی بسر کرتی تھیں۔ جب انہیں ان کی انسانیت یاد دلانے والے لوگ ان میں پیدا ہوئے تو انہوں نے ان نیک انسانوں کی مخالفت کی' نتیجہ دنیا کی تاریخ کے صفحوں میں محفوظ ہے۔ نمرود' فرعون وغیرہ طاقتور تھے' لیکن ان کے مقابلے میں ابراہیم علیہ السلام' موسیٰ علیہ السلام وغیرہ باوجود کمزور ہونے کے کامیاب ہوئے۔ ان ''طاقتوروں'' کی تباہی کا وقت آیا' کسی طاقت نے ان کی مدد نہ کی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ کوئی طاقت ظالم کو ہمیشہ اونچے مقام پر رکھ نہیں سکتی۔ ظلم کو آخر گرنا ہے۔ تو یہ بے چارے مکہ والے کب اس انجام سے بچ سکتے ہیں؟ یہ ایسی جماعت کی مخالفت کر رہے ہیں جو نہیں معلوم کتنے عظیم الشان کل قومی انقلابوں کی پیشرو (Pioneer) ثابت ہوگی۔

آیت نمبر 14 : اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ''بھلا جو لوگ اپنے رب کے واضح راستے پر ہیں' ان کے برابر ہو سکتے ہیں جنہیں ان کا برا کام بھلا دکھایا گیا ہے اور وہ اپنی خواہشوں پر چلتے ہیں؟''

ایک جماعت انقلاب کی بنیاد کو اپنی عقل سے صحیح جانتی ہے۔ اور اپنے دل کی شہادت سے مانتی ہے۔ اس کے برخلاف دوسری جماعت ہے جو اجتماعیات کے اس انقلابی اصول کو محض بناوٹ سے مانتی ہے' ورنہ اصل میں اس کے افراد عوام سے انتفاع (Exploitation) کے اصول پر جمع ہوگئے ہیں۔ ان کا اجتماع ظاہری ہے' ان کے عملوں کی جو اصل حقیقت ہے' یعنی انتفاع (Exploitation)' وہ نہایت گھناؤنی ہے۔ لیکن پراپیگنڈہ کے زور سے اسے قوم پروری' خدمت وطن وغیرہ کے نہایت شاندار الفاظ سے ظاہر کر رہی ہے۔ جیسے موجودہ زمانے میں یورپ اور امریکہ کی جمہوریتوں کا حال ہے کہ ان کے آئین اور قانون کی بنیاد اصل میں تو انتفاع (Exploitation) پر ہے' لیکن جمہوریت کا ڈھونگ رچایا ہے اور عام لوگوں کو وہ نظام اچھا کر کے دکھایا جاتا

ہے۔لیکن جب اس قسم کا نظام ایسے انقلاب سے ٹکراتا ہے جس کی بنیاد صحیح انسانیت پر ہو تو اس ''خوشنما نظام'' کا ٹوٹ جانا لازم ہے۔فرعون' نمرود' قیصر و کسریٰ کے نظام اسی قسم کے تھے۔ وہ ٹوٹ چکے' آئندہ بھی ایسے نظاموں کا یہی حشر ہوگا۔ یہ کلیہ قاعدہ ہے۔

وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ (چلتے ہیں اپنی خواہشوں پر)

یہ لوگ فقط اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کر رہے ہیں جن کی بنیاد حیوانیت پر ہے۔ ان کی کوئی عقلی یا اجتماعی بنیاد نہیں ہے۔ اگر ان کا پروگرام کامیاب ہوگیا تو یہ سرمایہ پرست جماعت اپنے فائدے کے لیے حکومت قائم کر کے بیٹھ جائے گی اور عوام سے ناجائز انتفاع (Exploitation) کا سلسلہ پہلے کی طرح جاری رہے گا۔

بہشت کا تصور قومی نقطہ نگاہ سے:

آیت نمبر 15: مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّاۗءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ڬ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۭ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَاۗءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَاۗءَهُمْ ۝ 15

ترجمہ:''اس بہشت کا حال جس کا وعدہ متقیوں سے ہوا ہے' اس میں دریا بہتے ہیں جن کے پانی میں بو نہیں ہے' اور نہریں ہیں دودھ کی۔ جس کا مزہ نہیں بگڑا' اور نہریں ہیں شراب کی' جس میں مزہ ہے پینے والوں کے لیے' اور نہریں ہیں شہد کی' جھاگ اتارا (صاف کیا) ہوا' اور ان کے لیے وہاں سب طرح کے میوے ہیں' اور معافی ہے ان کے رب سے' کیا یہ برابر ہیں ان کے' جو آگ میں سدا رہے اور انہیں کھولتا پانی پلایا جائے تو کاٹ نکالے ان کی آنتیں؟''

(الف) وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ

(سب طرح کے میوے ہیں ان کے لیے وہاں)

مرنے کے بعد کی زندگی، امام ولی اللہ دہلویؒ کی تحقیقات کے مطابق، مثالی (مادہ سے ماوراءٔ عالمِ مثال کی) زندگی ہے۔ اس میں مادیات کا جوہر موجود ہے لیکن وہ مادی خواص سے بالکل پاک ہے۔ اس زندگی میں انسان کے عمل ہی مختلف شکلیں اور صورتیں اختیار کر کے مختلف لذتیں اور عذاب کی صورتیں پیدا کرلیں گے۔ چنانچہ حضرت امام ولی اللہ دھلویؒ حجۃ اللہ البالغہ (بـاب ذِكرِ شيئٍ من اسرار الوقائع الحشريه) میں فرماتے ہیں کہ:

''حشر میں انسان کے اعمال اور اخلاق جو شکلیں اختیار کریں گے، وہ اس شخص کی صورتِ نوعیہ کے اعتبار سے ہوں گی جو اس کے حق میں پوری طرح ظاہر ہوں گی۔ اس لیے حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری اُمت کے عذاب کا اکثر حصہ قبروں میں پورا ہو جائے گا (یعنی میری امت چونکہ کمزور ہے۔ اس لیے حشر کی تصویریں زیادہ نہیں بنیں گی۔ لوگ تھوڑی ہی سی بات سے جلد سمجھ جائیں گے۔)

حشر میں بعض کاموں کی شکلیں ظاہر ہوں گی جنہیں تمام روحیں یکساں طور پر سمجھ سکیں گی۔ مثلاً حضرت نبی اکرم ﷺ کے نبی ہونے کے بعد جو فیض و ہدایت آپ کے ذریعے سے پھیلی وہ ایک حوض کی شکل میں ظاہر ہوگی (یعنی لوگوں نے دنیا میں حضرت نبی اکرم ﷺ سے جو فیض حاصل کیا اور اسے آگے بڑھانے میں جدوجہد کی وہ ایک حوض کی شکل میں ظاہر ہوگی جس میں پانی ہوگا۔ یہی حوض کوثر ہے۔ جو حقیقت میں قرآن حکیم سے استفادے کا مظہر ہے)۔ اور ان کے جتنے اعمال محفوظ ہیں وہ سب ترازو میں تلیں گے اور اچھے کھانوں، لذیذ مشروبات، خوبصورت عورتوں، عمدہ لباسوں اور اچھے گھروں کی شکل میں ظاہر ہوں گے۔'' (حجۃ اللہ البالغہ، ص 79، جلد اول)

ایسے ہی امام شاہ ولی اللہ دھلویؒ تفہیمات الٰہیہ (جلد اول، تفہیم نمبر 78) میں فرماتے ہیں:

''انسان جب اس منزل (عالمِ برزخ) سے گزر جائے تو وہ ایک

اورعالم میں داخل ہوتا ہے' جسے شرع کی زبان میں حشر کا دن کہتے ہیں۔ اور اس مقام کی حقیقت یہ ہے کہ ان نفوس ارضیہ کی بہت سی انفرادی باتیں جو عنصروں کے باہمی ملاپ اور کثیف مادے سے پیدا ہوئی تھیں' جاتی رہتی ہیں۔ اور اب ہر ایک نفس شفاف جسم کی طرح نوعی امور کا عکس پیش کرتا ہے اور اس پر نوعی تقاضے ظاہر ہو کر غلبہ حاصل کر لیتے ہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھ لو کہ مادی دنیا میں انسان کی صورت نوعیہ تقاضہ کرتی ہے کہ ایک فرد کے دو دو ہاتھ پاؤں آنکھیں اور کان ہوں۔ لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مادے میں دو دو اعضاء پیدا کرنے کی استعداد نہیں ہوتی۔ اس وقت جو بچہ پیدا ہوتا ہے' وہ لنجا' لنگڑا یا کانا یا بوچا ہوتا ہے۔ اس ناقص الخلقت بچے کی پیدائش میں قصور مادے کا ہے نہ کہ صورت نوعیہ کا۔

ایسے ہی غیر مادی زندگی کے امور میں صورت نوعیہ کے تقاضے ہوتے ہیں مثلاً وہ تقاضا کرتی ہے کہ انسان کے اندر ایسی عقل سلیم ہو کہ وہ اوہام کی غلاظت سے ناپاک نہ ہوئی ہو۔ اور اس پاکیزگی کے سبب سے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحیح علوم لے سکے۔ اور وہ یہ بھی تقاضا کرتی ہے کہ انسان کی قوت متخلیہ صحیح ہو' تاکہ وہ چیزوں کو عالم مثال کی کیفیت کے مطابق شکل دے سکے۔

الغرض اس موطن میں جا کر انفرادیت کے احکام چھُٹ جاتے ہیں اور نوعی تقاضے غالب آ جاتے ہیں۔ اور عقل اور خیال کی قوتوں کے لحاظ سے نوعی تقاضے ظاہر ہونے لگتے ہیں اور فرد انسانی نوعی تقاضوں کو ایسی پوری طرح ظاہر کرتا ہے کہ اس سے زیادہ اس سے ممکن نہیں ہوتا۔ یہ وہ کیفیت ہے جس کے متعلق قرآن حکیم کہتا ہے کہ فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ (بے شک ہم نے تیرے پردے اتار دیئے ہیں اس لیے آج تیری نگاہ تیز ہے۔)
(22/50)

چنانچہ اس موطن میں نفس انسانی کو بعض واقعات پیش آتے ہیں مثلاً میزان، حساب، تجلی الٰہی، حوض کوثر، اعمال ناموں کا اڑ کر دائیں بائیں ہاتھ میں آ جانا۔ ہاتھ پاؤں کا انسان کے اعمال کی شہادت دینا۔ پل صراط سے گزرنا۔ چہروں کا سفید یا سیاہ ہوجانا اور رسولوں کا شفاعت کرنا۔

میزان

ان میں سے میزان سے مراد یہ ہے کہ عالم مثال میں انسان کے اچھے برے اعمال ایک خاص مقدار اختیار کر کے ظاہر ہوں گے اور ان کی خاص قسم کی تاثیر ظاہر ہوگی۔ اور یہ مقدار اور تاثیر عالم مثال کے "مادے" کے مناسب حال ہوگی۔ مثلاً ترازو وغیرہ جو عالم مثال اور عالم مادی کے بین بین ایک قسم کے مادے سے ظاہر ہوگا اس کا مطلب یہ ہے کہ مادی اجسام مثالی قوتوں کی شکل میں ظاہر ہوں گے ....

(اس کے بعد شاہ صاحب نے حساب اور تجلی الٰہی کا مفہوم بیان کیا ہے)

حوض

حوض سے مراد یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کے نفس مبارک پر تجلی اعظم سے جو ہدایت نازل ہوئی اور آپ کے قویٰ کے ذریعے سے دنیا میں پھیلی، وہ وہاں حوض کوثر کی مثالی شکل میں ظاہر ہوگی۔ اور اس حوض میں جو پانی پینے کے برتن ہوں گے وہ تمام مسلمانوں کی قبول کردہ ہدایت ہوگی۔ جو برتنوں کی شکل میں ظاہر ہوگی.......

(اس کے بعد شاہ صاحب نے "نامہ اعمال" چہروں کا سیاہ و سفید ہونا اور شفاعت رسل کا مطلب بیان فرمایا ہے)

اور جب انسان کو اس موطن (عالمِ حشر) سے گزرنے کے بعد ایک دوسرا موطن پیش آتا ہے۔ وہاں انسان کی صورتِ نوعیہ کے تقاضوں کے مطابق رحمتِ الٰہی اور غضبِ الٰہی کا ظہور ہوتا ہے۔ اس لیے کہ انسان کی

صورتِ نوعیہ' ایک بدن کا تقاضا کرتی ہے۔ اور ہر بدن قویٰ طبعیہ اور قویٰ شہویہ کا تقاضہ کرتا ہے۔ اور ہر قوّت کی ایک لذّت ہے اور ایک اَلم ہے۔ پس رحمتِ الٰہی ہر قوّت کی لذّت کی صورت میں اور غضبِ الٰہی ہر قوّت کی تکلیف کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور جب رحمت و غضب کا تعلق انسانی اعمال و اخلاق اور ملکاتِ نفسانی کے ساتھ ہوتا ہے تو وہ تمام لذّات و آلام (مصائب) بھی رحمت و غضب کے مراتب کے مطابق ظاہر ہوتے ہیں۔ مثلاً مقربین کو عطا کی جانے والے کھانے پینے کی چیزیں اور رہنے کے مقامات' ابرار (نیکوں) کو عطا کی جانے والی چیزوں اور مقامات سے بہتر ہوتے ہیں۔ چنانچہ (اُس عالم میں) خدا کے خاص مقرّب بندوں کو چشمۂ تسنیم سے پانی پلایا جائے گا۔ یہ پانی کیا ہوگا؟ مجردات ادراک سے حاصل شدہ عقلی لذات ہوں گی جو پانی کی شکل میں انہیں پلائی جائیں گی۔'' (تفہیمات الٰہیہ ص 332 تا 335، جلد اول)

ظاہر ہے کہ یہ تشبّجات (یعنی اعمال کا خاص شکل اختیار کر کے ظاہر ہونا) ہر قوم کے لیے مختلف ہوں گی۔ یعنی ایک ہی نیک عمل ایک قوم کے لیے ایک شکل اختیار کرے گا اور دوسری کے لیے دوسری۔ چونکہ قرآن حکیم نے عربوں کو اپنے انقلاب کا آلہ کار بنایا' اس لیے اس نے ان تشبّجات کا بیان عربوں کی طبیعت کے مطابق کیا ہے۔ چنانچہ عرب ایک خشک اور گرم ملک ہے' جس میں صاف' بے بو پانی اور دودھ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت شمار ہوتی ہے۔ اور انہیں صحرا میں شہد بھی ملتا ہے۔ یہ بھی ان کے نزدیک بہت بڑی نعمت ہے۔ وہ بعض پھلوں کو بھی جانتے ہیں اور ان کی بہت قدر کرتے ہیں۔ پس عرب کے جو لوگ قرآن حکیم کا انقلاب دنیا میں قائم کرنے کے لیے اپنی جان اور مال اس پر قربان کریں گے اور اس کوشش میں شہید ہو جائیں گے' ان کے اچھے عمل بہشت میں ان نعمتوں کی شکل اختیار کر کے ان کے لیے لذت اور راحت کا سامان بہم پہنچائیں گے۔

(ب) وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ

(اور معافی ہے ان کے رب سے)

جب انقلاب آتا ہے تو اس میں ہر درجے کے عوام شامل ہوتے ہیں۔ اس لیے اس انقلابی جماعت سے غلطیاں بھی ہوتی ہیں۔ لیکن چونکہ یہ لوگ حق قائم کرنے کے لیے اٹھتے ہیں اس لیے جب انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ ان سے غلطی ہوگئی ہے' تو وہ اس پر اڑ نہیں جاتے' بلکہ اس سے باز آ جاتے ہیں اور اس پر افسوس کرتے ہیں۔ 1؎ اور آگے کو اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح اس جماعت کی معمولی لغزشیں (غلطیاں) اس کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنتیں۔ کامیابی ہو جانے کے بعد معمولی غلطیاں خود بخود دُھل جاتی ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک طالب علم امتحان دیتا ہے۔ وہ اپنے جوابوں میں چند غلطیاں بھی کرتا ہے' لیکن جب اس کی کامیابی کا اعلان ہو جاتا ہے تو اسے ترقی مل جاتی ہے۔ اور اس کی غلطیوں کی وجہ سے اسے روک نہیں لیا جاتا۔ اور نہ اسے ان کی وجہ سے برا بھلا کہا جاتا ہے۔ اسی طرح جو مسلمان انقلاب کی راہ میں اپنا جان و مال دے کر کامیاب ہو گئے' ان کی معمولی (شخصی) غلطیاں ان کی ترقی کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنتیں۔ اس جماعت کی لغزشیں انقلاب کی کامیابی کی وجہ سے دنیا بھول جاتی ہے۔ مرنے کے بعد کی زندگی میں وہ کسی شمار میں نہیں لائی جاتیں۔ اور وہ معاف ہو جاتی ہیں۔

اس آیت میں ان کی غلطیوں کی معافی کا اعلان کر کے ایک تو انقلابیوں کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے' کہ لغزشوں کے خوف سے انقلاب سے پیچھے نہ رہیں اور نہ ان منافقوں کی بات سنیں جو ان غلطیوں کا خوف دلا کر انقلاب کو ناجائز کہہ رہے ہیں۔ دوسرے' ان کی غلطیوں کی معافی کا اعلان کر کے مسلمانوں کے دلوں کا اطمینان پورا کر دیا گیا ہے تا کہ بے خوف ہو کر انقلاب کو کامیاب بنائیں۔

انسان جب مادیات سے الگ ہو کر بہشت میں جائے گا تو اس کی فطرت بدل نہیں جائے گی' بلکہ اس کے حیوانی جذبات' نفس کی خواہشیں اور عقلی مطالبات اس کے ساتھ

1؎ حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کی مثال اس سلسلے میں پیش کی جاسکتی ہے۔ یہ ایک صحابی تھے جنہوں نے جنگ بدر میں حصہ لیا تھا۔ جب آنحضرت ﷺ مکہ معظّمہ پر حملے کی تیاریاں کر رہے تھے' حضرت ابن ابی بلتعہ نے مکہ والوں کو ان تیاریوں کی خبر دینے کے لیے ایک خفیہ خط لکھا جو آنحضرت ﷺ کے اشارے سے پکڑا گیا۔ لیکن حضرت ابن ابی بلتعہ کو ان کی جنگ بدر کی خدمات کی وجہ سے معاف کر دیا گیا۔ مرتب

جائیں گے۔ لیکن ان میں ترقی کا سلسلہ قائم رہے گا۔ یہاں تک کہ انسان آخرکار اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے لیے تیار ہو جائے گا۔ بہشت کی زندگی کا یہ سب سے اونچا مقام ہے۔

حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ اپنے والد ماجد (شیخ عبدالرحیم) کے حالات میں لکھتے ہیں کہ:

> ''ان کے والد نے خواب میں جنت دیکھی، جس میں ہر قسم کی نعمتیں موجود تھیں۔ وہ رونے لگ گئے۔ جنت میں جو لوگ متعین تھے وہ ان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اس جگہ رونے کا کیا کام؟ یہ تو آرام اور خوشی کا مقام ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ بھئی ہمیں کھانے پینے کی چیزوں کی حاجت نہیں۔ ہمیں تو اور ہی چیز چاہیے یعنی اللہ تعالیٰ کی تجلیوں کا دیکھنا۔ ان موکلوں کو الہام ہوا کہ ان سے کہو کہ کیا تم نے قرآن میں نہیں پڑھا کہ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا (ان بندگانِ خدا کے فردوس کے باغ بطور مہمانی کے ہیں)(107/18) یعنی وہ جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ کے مہمان پہلی مرتبہ آکر ٹھہرتے ہیں۔ یہاں ذرا ستا کر ہمارے مشاہدے کے لیے ترقی کرو۔ حضرت شیخ یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔'' (انفاس العارفین ص 96)

غرض بہشت کی زندگی زیادہ تر ہمارے دنیاوی عملوں کا نتیجہ ہے۔ لیکن اس کی جو نعمتیں قرآن حکیم بیان کرتا ہے، انہیں دنیاوی چیزوں پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ وہ معنوی لذتیں ہوں گی۔ یہی حال جہنم کا ہے۔ وہ انسان کے برے عملوں کا نتیجہ ہے۔ یہاں اسے بھی عرب کی ذہنیت کے مطابق بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ گرم پانی کے ذریعہ جو صحراؤں میں ملتا ہے، انہیں جہنم شناخت کروائی گئی ہے۔ کسی دوسری قوم کا حکیم انہی باتوں کو اپنی قوم کی ذہنیت کے مطابق بیان کرے گا۔

كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ (اس کی طرح جو آگ میں ہمیشہ رہے گا)

اس کا عطف اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ پر ہے۔ بَيِّنَةٍ پر ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ جنت میں جائے گا۔ جس شخص کے عمل اسے بھلے کر کے دکھائے گئے ہیں وہ جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔

کیا دونوں (جنتی اور جہنمی) برابر ہو سکتے ہیں؟

مخالفین انقلاب کی حالت

یہاں تک اس انقلاب کے غلبے کا ذکر تھا۔ یہ بادشاہوں کے غلبے کی مانند نہیں ہے۔ بلکہ وہ جنت میں پہنچوانے کا ذریعہ ہے اور راستے کی منزل ہے۔ آیت نمبر 16 سے آخر تک ان لوگوں کا ذکر ہے جو اس نقلاب سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔

منافقین

آیت نمبر 10: وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۫ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿١٦﴾

ترجمہ: ''اور ان میں سے بعضے ہیں کہ تیری طرف کان رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب تیرے پاس سے نکلیں تو انہیں، جنہیں علم ملا، کہتے ہیں کہ اس شخص نے ابھی ابھی کیا کہا تھا؟ یہ وہی ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور اپنی خواہشوں پر چلتے ہیں۔''

وہ لوگ جو انقلاب کے مخالف ہیں، یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ تحریک کیا چاہتی ہے؟ لیکن ان کا یہ رجحان وقتی ہوتا ہے۔ وہ جھٹ' اور طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ وہ بعض مسلمانوں سے باتیں ٹٹولنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن نہایت بدذوقی کے ساتھ۔ ان کا اصل منشاء یہ نہیں ہوتا کہ وہ اس انقلاب کی حقیقت معلوم کریں، بلکہ محض اپنے فائدوں کی حفاظت چاہتے ہیں۔ وہ ان نازک جذبات سے بالکل کورے ہیں جو انسان کو گرے ہوئے طبقات کی مدد کے لیے اکسائیں۔ اب ان میں سمجھنے کا مادہ ہی نہیں رہا، وہ یہ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ چھوٹی چھوٹی جنگوں سے یہ انقلاب عرب پر کیسے قابض ہو جائے گا۔ اور پھر ایک بین الاقوامی تحریک بن کر نمودار ہوگا۔ اس بے سمجھی کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی خواہشوں کو اپنا رہبر بنا رکھا ہے۔ وہ قانون کی پابندی کرنا نہیں چاہتے۔ اس لیے وہ اس عظیم الشان انسانیت گیر انقلاب کے نتیجے سمجھ نہیں سکتے۔ یہ لوگ ایک قسم کے نفاق میں مبتلا ہیں۔

اپنی خواہشوں کی پیروی یا تو جاہل لوگ کرتے ہیں یا وہ مالدار جو اللہ کو یادنہیں کرتے۔

مومنین کی حالت:

آیت نمبر 17: وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿١٧﴾

ترجمہ: ''اور جولوگ راہ پر آئے انہیں اور دی سوجھ اور پرہیزگاری۔''

ان منافقوں کے برخلاف وہ مومن ہیں جو اس انقلاب کو خوب سمجھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ تحریک انسانیت کی خدمت کرنے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ انہیں جب اس سلسلے میں کام کرنے کا حکم ملتا ہے تو وہ جھٹ اسے سمجھ لیتے ہیں۔ اور کام پر لگ جاتے ہیں۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ظلم کو پسندنہیں کرتا۔ اور جب ملک میں ظلم غالب آجائے تو اسے دور کرنے والے لوگ کھڑے ہو جائیں۔ وہ اس حقیقت کو پہچان لیتے ہیں کہ یہ بات صحیح ہے۔ وہ اس حقیقت کو بھی جانتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی جماعت کو جنگ کا جوحکم دیا گیا ہے' تو یہ انسانیت میں سے ظلم دور کر کے حق قائم کرنے کے لیے ہے۔ اور حق قائم کرنے کا یہی طریقہ ہے۔

تقویٰ کیا ہے؟ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی تعریف

تقویٰ سے مراد:

(الف) انسان کا وہ صحیح وجدان ہے جو ظلم کو پہچان لیتا ہے۔

(ب) اور اس میں پھنسنے سے اس لیے ڈرتا ہے کہ خدا کے سامنے جوابدہی کرنی پڑے گی۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اپنی مشہور تصنیف ''غنیۃ الطالبین'' میں تقویٰ کی تشریح اس آیت سے کرتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْىِ (سورہ نحل 90:16)

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ عدل قائم کرنے' اجتماع انسانی میں احسانی حالت پیدا کرنے اور قریبیوں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور فحش اور منکر اور بغاوت سے منع کرتا ہے۔''

عدل

اس آیت میں عدل سے مراد اجتماع انسانی میں مساوات قائم کرنا ہے۔ تا کہ ہر ایک فرد کو زندگی کی ضرورتیں آسانی کے ساتھ حاصل ہوتی رہیں۔

احسان

احسان سے مراد یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حکم اس طرح بجا لائے گویا اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہے یا کم سے کم اس یقین کے ساتھ بجا لائے کہ وہ ہر لمحہ انسان کی نگرانی کر رہا ہے اور ایک دن اس سے جواب طلبی کرے گا۔

قریبیوں کو دینا

وَإِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی انسان کو جس سے قریبی تعلق ہے بھوکا نہ سونے دے۔ ننگا نہ رہنے دے۔

فحشاء منکر اور بغی و نافرمانی کے تین درجے ہیں۔ پہلے تین اجزاء، عدل، احسان اور **ایتاء ذی القربیٰ** مثبت ہیں اور آخری تین اجزاء **فحشاء، منکر اور بغی**۔ منفی ہیں۔ ان سب باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ تقویٰ سے مراد عدل اور احساسِ ذمہ داری کا احساس ہے۔ پس **اتھم تقوٰھم** (انہیں تقویٰ دیا) سے مراد عدل اور ذمہ داری کا پیدا کرنا ہے جس جماعت کے افراد میں یہ چیز پیدا ہو جائے وہ ظلم کا ایک ذرہ بھی برداشت نہیں کرسکتی، خواہ اپنی طرف سے ہو یا کسی کی طرف سے۔ اور چاہے اس کے اپنے اندر ہو یا کسی اور اجتماع کے اندر۔

قرآن کا انقلاب اجتماعِ انسانی میں یہی تقویٰ کی کیفیت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اجتماع میں سے ہر ایک قسم کا ظلم دور کرنے کے لیے اپنا جان و مال سب کچھ قربان کرنے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے عملوں کی جوابدہی کے لیے ہر وقت تیار رہے۔

السّاعة سے کیا مراد ہے؟

آیت نمبر18: (الف) فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا

ترجمہ: ''اب یہ اس گھڑی کا انتظار کرتے ہیں کہ ان پر اچانک آ کھڑی ہو۔ اس کی نشانیاں آ چکی ہیں۔''

السّاعۃ سے مراد پہلے درجے میں اس دنیا میں انقلاب کی گھڑی ہے' اور کامل درجے میں انسانیت عامہ کے اُس انقلاب کا وقت ہے جب ساری نوع انسان کو خدا کی تجلی کے سامنے' جس کا ذکر حدیث میں آیا ہے' پیش ہو کر اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی ہوگی۔(1)

اس سے پہلی آیت میں جس تقویٰ کا ذکر ہے اسے اگر اس ''السّاعۃ'' سے ملایا جائے تو مراد یہ ہوگی کہ اجتماعِ انسانی میں کل قومی پیمانے پر تقویٰ قائم کرنے کی جس انقلابی گھڑی کا انسانیت کو انتظار تھا۔ اس کی نشانیاں آ گئی ہیں۔ اب اپنے آپ کو اس انقلاب کے قبول کرنے کے لیے تیار کرلو۔ یعنی اس انقلاب کے حصہ دار بن جاؤ تو بچ جاؤ گے نہیں تو پِس جاؤ گے۔

ہمارے نزدیک قرآن حکیم کے بین الاقوامی انقلاب کی آمد کی خبر دینے والی پہلی سورت ''النحل'' ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں۔ اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ (اللہ کا امر آ گیا ہے۔ جلدی مت کرو) (1/16)۔ اس میں بھی امراللہ سے عالمگیر انقلاب (Universal Revolution) مراد ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔

هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ

(سورہ التوبہ (9/33)' سورۃ فتح (28/48)' سورۃ صف (9/61)

(1) اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے ابن آدم! میں بیمار ہوگیا لیکن تو نے میری خبر نہ لی؟ انسان کہے گا اے میرے پروردگار تو تو ساری اقوام کا رب ہے تیری خبر گیری کس طرح کرتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تجھے خبر نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا۔ لیکن تو نے اس کی عیادت نہ کی؟ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔

ترجمہ: ''خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر اس لیے بھیجا ہے کہ اسے تمام نظاموں یعنی ادیان پر غالب کرے۔''

اب جب مومنین اسی انقلاب کو کامیاب کرنے کے لیے تیار ہوگئے ہیں اور انہوں نے وہ شرطیں پوری کرلی ہیں جو اس انقلاب کے لیے ضروری ہیں' ان کی کامیابی کی گھڑی جو انقلاب کی ساعت ہے' اچانک ہی آجائے گی۔ چنانچہ جب مکہ فتح ہوا تو مکہ والوں کو اس کی خبر بھی نہ تھی اور انقلابی فوجیں یکایک مکہ معظّمہ میں داخل ہوکر اس پر قابض ہوگئیں۔

(ب) فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ''پھر کہاں نصیب ہوگا انہیں جب آجائے گی ان کی یاددہانی؟''

جب انقلاب کی گھڑی آپہنچی اور مومنوں کا غلبہ اور کافروں کی شکست اٹل ہوگئی تو اس وقت یاددہانی کا وقت نہیں ہوتا۔ اس لیے ان لوگوں کو ابھی سے سمجھ جانا چاہیے۔ اور انقلاب کی قوتوں کو مضبوط کرنے کے لیے ان کے ساتھ شامل ہوجانا چاہیے۔نہیں تو وہ پیس ڈالے جائیں گے۔

اس انقلاب کی غرض

آیت نمبر 19 (الف): فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

ترجمہ: ''پس تو جان لے کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔ اور معافی مانگ اپنے گناہ کے واسطے اور ایماندار مردوں اور عورتوں کے لیے۔

یہ انقلاب اللہ کی حکومت قائم کرنے کے لیے آیا ہے۔ نہ کہ کسی خاص شخص یا خاندان کی۔ چاہے وہ شخص نبی اکرم ﷺ ہی کیوں نہ ہوں۔ اور وہ خاندان بنی ہاشم ہی کا خاندان کیوں نہ ہو۔ یہ انقلاب بادشاہوں اور عام سیاسی لوگوں کے تجویز کیے ہوئے انقلابوں جیسا نہیں ہے۔ کیونکہ ان انقلابوں میں وہ لوگ اپنی اپنی غرض حاصل کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ اور یہ انقلاب عوام پر ہونے والے ظلموں کو دور کرنا چاہتا ہے۔

جو لوگ اس قرآنی انقلاب میں حصہ لے رہے ہیں ان کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ جو چاہیں کر گزریں۔ وہ تو اللہ کے غلام ہیں۔ ان سے حساب لیا جائے گا۔ البتہ ان سے جو غلطیاں ہوئی ہیں' وہ انہیں معاف کر دی جائیں گی اور ان کی نیکیوں کا اجر اللہ اپنے پاس سے دے گا۔ وہ دنیاوی اجر کی خاطر کام نہیں کر رہے۔

نبی قانون کی آخری اپیل کا مقام ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی طرف قانونی غلطی تو منسوب نہیں ہوسکتی۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ قانون کے لحاظ سے تو غلطیوں سے پاک ہیں لیکن اپنی جماعت کے لیڈر ہونے کی وجہ سے ان غلطیوں کے ذمہ دار ہیں جو انقلاب کے دوران میں آپؐ کے ساتھیوں سے ہوئیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ آپ اپنے ساتھیوں کی غلطیوں کی بھی تلافی کریں جو ان کی معافی کا سبب بن جائے (اس مسئلے پر مزید روشنی سورہ فتح میں ڈالی گئی ہے)۔

(ب) وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿١٩﴾

ترجمہ: ''اللہ تمہارے لوٹنے کی جگہ اور گھر جانتا ہے۔''

تم اس انقلاب میں کس نتیجے پر جا کر ٹھہرو گے اور راستے میں تمہیں کیا کیا دقتیں اور تکلیفیں پیش آئیں گی؟ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ تم اپنا کام کیے جاؤ اللہ تعالیٰ تمہاری منزل کی تیاری تم سے کراتا رہے گا۔

منافقوں کی حالت

(اگلی آیات میں منافقین کی حالت کا تجزیہ کیا گیا ہے۔)

آیت نمبر 20 (الف): وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ

ترجمہ: ''اور ایمان والے کہتے ہیں کہ ایک سورت کیوں نہ اتری؟''

مومنین اور قتال

مومنوں کی ایک جماعت انقلاب کی پہلی صف میں آنے کے لیے بے تاب ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ جنگ کا حکم ملے او وہ ارتجاعیوں (Reactionaries) کا سر کچل ڈالیں۔

(ب) فَإِذَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ

ترجمہ: ''جب ایسی سورت اتری جس میں جنگ کا ذکر آ گیا اور وہ ذکر بھی ایسا صاف ہے کہ اس کے سوا اور کوئی معنی نہیں ہو سکتے۔''

ترقی کن انقلابی مومنوں کی جماعت جنگ کے لیے آمادہ ہے۔ اس کی خاطر جنگ کی سورت' سورت قتال نازل ہوگئی ہے۔ اس سورت میں جنگ کا حکم ایسے الفاظ میں آ گیا ہے کہ ان سے مراد فقط میدان جنگ میں جا کر لڑنا ہے۔ پھر یا مارنا ہے یا مرنا ہے' اس کے سوا اس کی اور کوئی تاویل ہو نہیں سکتی۔ اس سورت کی چوتھی آیت جس میں جنگ کا ذکر ہے ایسی ہی آیت ہے۔

منافقین اور جنگ

(ج) رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ

ترجمہ: ''تو دیکھتا ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ تیری طرف اس طرح دیکھتے ہیں گویا ان پر موت کی سی غشی طاری ہوگئی ہے۔''

یہ جنگ کا حکم سن کر منافقوں پر جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے' موت کی سی غشی چھا جاتی ہے۔ کیونکہ اُن کی خواہش تو یہ ہے کہ انقلاب برپا ہو جائے اور وہ حکومت قائم کر لیں لیکن لڑنا نہ پڑے' کیونکہ اس میں جان اور مال جانے کا خطرہ ہے۔

انسانیت کے تمام طبقے یکساں نہیں ہیں' بلکہ اس میں کئی قسم کے لوگ ہیں۔ ہر گروہ اپنے عقیدے پر قائم ہے۔ ان کے درمیان بے شمار قسم کے جھگڑے ہیں۔ اگر انقلابی جماعت اپنے مخالف ارتجاعیوں (Reactionaries) کو مہلت دے' انہیں غلط پروگرام پر رہنے دے اور قتل نہ کرے تو وہ ارتجاعی (Reactionaries) اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ انقلابی جماعت کمزور ہے۔ اور وہ ارتجاعی جرأت پا کر انہیں تباہ کرنے کی کوشش کرنے لگتے ہیں۔ کیا اس صورت میں جنگ کے بغیر انقلاب ہو سکتا ہے؟ اگر انقلابی جماعت لڑائی نہ کرے تو بھی ارتجاعی (Reactionaries) ضرور جنگ کی طرح ڈالتے ہیں۔ اور انہیں قتل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو جماعت اس

حالت پر راضی رہتی ہے اور جنگ و قتال کا نظام اپنے اندر قائم نہیں کرتی ' وہ کبھی اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتی۔ اب یہ انقلابی چاہتے ہیں کہ انہیں جنگ کی اجازت مل جائے لیکن ان میں جو منافق ہیں وہ جنگ سے گھبراتے ہیں۔ جنگ کی اجازت آتے ہی ان پر موت کی سی غشی چھا گئی۔

(د) فَاَوْلٰى لَهُمْ ﴿٢٠﴾ ترجمہ: ''تو خرابی ہے ان کے لیے''

اگر یہ لوگ اپنی حالت درست نہ کرلیں اور اپنے آپ کو جنگ کے لیے تیار نہ کرلیں تو ان کا انجام اچھا نہ ہوگا۔ اور یہ لوگ ہوتے ہوتے ارتجاعی (Reactionaries) بن جائیں گے' جو کفر ہے۔

آیت نمبر 21: طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۣ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۣ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿٢١﴾

ترجمہ: ''حکم ماننا ہے اور بھلی بات کہنی' پھر جب تاکید ہو کام کی تو اگر اللہ سے سچے رہیں تو ان کا بھلا ہے۔''

قولِ معروف کیا ہے؟

(الف) طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ترجمہ: ''حکم ماننا اور بھلی بات کہنا۔''

جو شخص اطاعت اور قول معروف پر بیعت کر کے مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہو جائے' اس سے پہلے ہی دن جواب طلبی کی جاسکتی ہے۔

جماعت کے منظور کیے ہوئے قاعدوں کے اندر جو حکم دیا جائے وہ قولِ معروف ہوتا ہے۔

اگرچہ ظاہر میں ان لفظوں سے کوئی خاص بات سمجھی نہیں جاسکتی۔ لیکن فرمانبرداری کا پکا وعدہ اور جماعت کے فیصلے کو ہر حالت میں مان لینے کا پکا ارادہ' ایک سچے انسان کو جنگ میں حصہ لینے پر مجبور کرسکتا ہے' یہی انقلاب ہے۔

عزم اور سچائی کے فوائد

(ب) فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۣ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ

ترجمہ: ''جب تاکید ہو کام کی تو اگر وہ اللہ سے سچے رہیں تو ان کے لیے بہتر ہے۔''

مومنوں کی انقلابی جماعت اس بات پر جمع ہو جائے کہ جنگ کا وقت آ گیا ہے تو اس وقت قول معروف یہی ہے کہ ان کی اجماعی بات کی اطاعت کی جائے کیونکہ بیعت کی شرط یہی ہے۔ اگر اپنی بیعت کے قول کو صدق اور صفائی کے ساتھ پورا کر دیا جائے تو یہ اچھا ہے۔ کیونکہ کون کہہ سکتا ہے کہ جنگ میں جان بچے گی یا نہیں۔ اور اگر جنگ میں کامیاب ہوگئے تو انقلابی حکومت کا قیام یقینی ہے۔ حکومت تک پہنچانے کے لیے بیعت کے قول کو پورا کرنا ضروری ہے۔ اس وقت جنگ سے جی چرانا سخت جرم اور گناہ ہے۔

منافقین کو کوئی ذمہ دار پوزیشن نہیں دی جاسکتی

آیت نمبر 22: فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ﴿٢٢﴾

ترجمہ: ''پھر تم سے یہ بھی اندیشہ ہے کہ اگر تمہیں حکومت مل جائے تو تم ملک میں خرابی ڈالو گے اور قرابتیں کاٹو گے۔''

جو لوگ آج جنگ میں جانے سے جی چراتے ہیں اور جنگ کے قانون کی پیروی نہیں کرنا چاہتے' وہ امن کے زمانے میں قانون کی پابندی کس طرح کر سکتے ہیں؟ کیا یہ لوگ اُس وقت عام ملکی قانون کی خلاف ورزی نہ کریں گے؟ ہمسایوں اور ہم وطنوں کے حقوق پامال نہ کریں گے؟ فطری رشتے کاٹ نہ ڈالیں گے؟

ایک آدمی جو قانون کے اندر رہ کر میدان جنگ میں جاتا ہے اور اپنے افسر کی ماتحتی میں نیک نامی سے فارغ ہوتا ہے' وہ اخلاق کی سند لے کر آتا ہے۔ اگر اسے امن کے زمانے میں حاکم بنا دیا جائے تو وہ قانون کو خوب چلائے گا اور اعلیٰ پیمانے پر ضبط قائم رکھے گا۔ اور اپنے افسران اعلیٰ کی پوری پوری اطاعت کرے گا۔ لیکن جو لوگ قانون کے اندر رہ کر لڑائی میں حصہ لینا نہیں چاہتے' وہ حاکم بنتے ہیں تو عام طور پر شہوت رانی اور جذبات انتقام پورا کرنے کے لیے حکومت کرتے ہیں۔ جو لوگ جنگ کے وقت گھروں میں گھس کر بیٹھ جاتے ہیں اور لڑائی سے جی چراتے ہیں' وہ امید رکھتے ہیں کہ لڑائی کے بعد جب موقع آئے گا تو انہیں حکمران بنا دیا جائے گا یہ لوگ بہت

بڑی حماقت میں مبتلا ہیں۔ اگر یہ لوگ حکومت کریں گے تو ہر قسم کے سماجی فسادات پیدا کریں گے۔ پس جو لوگ قرآن کی اطاعت کا عہد توڑیں گے اگر انہیں حکومت دی گئی تو وہاں بھی کسی قانون کی پابندی نہیں کریں گے۔

یہ منافقوں اور کمزور دل لوگوں کی ذہنیت کا تجزیہ (Analysis) ہے۔ اسے تاریخ اسلام کے کسی خاص عہد سے کوئی تعلق نہیں۔

منافقین کی غلط ذہنیت

آیت نمبر 23: أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ ﴿٢٣﴾

ترجمہ: ''ایسے ہی لوگ ہیں جنہیں اللہ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا۔ پھر انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھیں موند دیں۔''

مسلمانوں کی جماعت میں، جو ایک عظیم الشان بین الاقوامی انقلاب کی داعی ہے، شامل ہونا اور اللہ کے کمزور بندوں کی خدمت کر کے اللہ تعالیٰ کے ہاں سرخروئی حاصل کرنا بہت بڑی رحمت ہے۔ لیکن جو منافقین جنگ سے جی چراتے ہیں، وہ اس نعمت سے محروم ہیں وہ جب دیکھیں گے کہ جنگ سر پر آ گئی ہے، وہ اس جماعت سے الگ ہو جائیں گے۔ یہ بے وقوف اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتے کہ انقلاب انسانی معاشرے کو ترقی دینے کے لیے ضروری ہے۔ اس سے ارتجاعی (Reactionary) قوتیں چھٹ جاتی ہیں۔ اور ترقی کُن طاقتیں برسراقتدار آ جاتی ہیں۔ یہ ہے قرآن حکیم کی حکمت۔ یہ ناسمجھ اس بات کو سمجھ نہیں سکتے۔ وہ نہ مسلمانوں کی طرف سے سمجھانے کو سمجھتے ہیں۔ نہ اپنی آنکھوں سے دنیا کے حالات دیکھ کر سمجھ حاصل کرتے ہیں۔

ہمارے زمانے کے اکثر علماء اس غلط ذہنیت کے مالک ہیں۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارا کام فقط فتویٰ اور حکم دینا ہے، لڑنے والی جماعت اور ہونی چاہیے۔ لیکن یہ نفس کا دھوکہ ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک شخص تھا جسے قرآن حکیم سب سے زیادہ یاد تھا جب وہ لڑائی پر جانے لگا تو اس سے کسی نے کہا کہ آپ جنگ پر نہ جائیں اور یہیں رہ کر تعلیم دیں۔ اس نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن حکیم جاننے والوں میں سب سے برا میں ہوں! کیونکہ ایسے موقعے پر پیچھے رہنے کی خواہش صرف

بزدل لوگ ہی کرسکتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک عالم اپنے لیے یہ ذلت برداشت نہیں کرسکتا کہ جنگ کو فرض جان کر بھی جنگ میں شریک نہ ہو' یا جنگ کی تیاری نہ کرے اور وعظ کہتا پھرے۔

انقلاب اور جہاد

اب آیت نمبر 24 سے 28 تک ان مرتدین کا ذکر آتا ہے جو جنگ سے بھاگتے ہیں۔

آیت نمبر 24: اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ''کیا یہ قرآن میں دھیان نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل لگ رہے ہیں؟''

جو لوگ قرآن حکیم کے صریح احکام کے باوجود جنگ یا اس کی تیاری سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں' ان کے دلوں سے رفتہ رفتہ قرآن حکیم کی سمجھ نکل جاتی ہے (خدا اس سے بچائے)۔ کیا یہ دیکھتے نہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن حکیم کے سب سے بڑے عالم تھے۔ اگر آپ جنگ میں شہید ہو جاتے تو تحریک اسلام کو کتنا خطرناک نقصان پہنچتا؟ پھر بھی آپ ہمیشہ جنگ میں شرکت فرماتے رہے اور کبھی اس سے جی نہ چرایا یہاں تک کہ سورۂ توبہ کے الفاظ میں آپ نے یہ بھی فرما دیا کہ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ۔ (سورہ توبہ:129/9) (اگر یہ جنگ میں نہ جائیں تو اکیلے جنگ پر جاؤ اور لڑو۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو۔ وہ کافی ہے)' تو کیا ہمارے عالمان قرآن اسے نہیں سمجھتے؟ یہ کیوں اس سے جی چراتے ہیں؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اس بات کو سمجھ کر اس پر عمل نہیں کرتے ان پر خدا کا غضب ہے۔ جس فرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بری نہیں ہیں اس سے کون بری ہوسکتا ہے؟ پس ہر ایک عالم و عامی کا فرض ہے کہ وہ قرآن حکیم کو غالب کرنے کے لیے لادینیت کی ہر شکل کے خلاف انقلاب لانے کی پوری پوری کوشش کرے۔ اور اگر اس میں اسے مال و جان کا نقصان برداشت کرنا پڑے تو برداشت کرے۔

نماز‘ روزہ اور قتال

آیت نمبر 25: اِنَّ الَّذِیۡنَ ارۡتَدُّوۡا عَلٰۤی اَدۡبَارِہِمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُمُ الۡہُدَی ۙ الشَّیۡطٰنُ سَوَّلَ لَہُمۡ ؕ وَ اَمۡلٰی لَہُمۡ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: ’’جو لوگ سیدھی راہ دیکھ لینے کے بعد پیٹھ دکھا گئے۔ ان کے دلوں میں شیطان نے کوئی بات بنائی ہے اور ان سے دیر کے وعدے کیے ہیں۔‘‘

جو لوگ مسئلہ قتال (جنگ) کی تشریح ہو جانے کے بعد تاویلیں کرتے پھریں اور اس فرض سے بچنے کے لیے طرح طرح کے بہانے ڈھونڈیں مثلاً کہیں: ’’کہ ہماری سرحد پر جنگ نہیں ہے‘‘ یا ’’ملک میں مسلمانوں کا کوئی رہبر نہیں ہے۔‘‘ ’’مسلمان بے حد کمزور اور پراگندہ ہیں‘‘ وغیرہ وغیرہ۔ انہیں حقیقت میں شیطان نے دھوکہ دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نماز‘ روزہ وغیرہ فرائض تو مسلمان ہونے کی شرطیں ہیں۔ یعنی مسلمانوں کی جماعت میں شریک ہونے اور رہنے کے لیے یہ شعار (خاص نشان) کی طرح ہیں۔ جو شخص ان میں سے کسی چیز کو ترک کر دیتا ہے یا پابندی کے ساتھ بجا نہیں لاتا۔ اس کی وفاداری اس جماعت کے ساتھ پکی نہیں سمجھی جاسکتی۔ اس جماعت کی تنظیم میں داخل ہونے کا جو اصل مقصد ہے اور جس کے لیے نماز روزہ وغیرہ فرائض کا تسلیم کرنا اور پابندی کے ساتھ بجا لانا پہلی شرط ہے‘ وہ یہ ہے کہ دنیا سے ظلم دور کیا جائے۔ وہ چاہے کسی شکل میں ہو۔ اور اسے دور کر کے قرآن حکیم کی حکومت پیدا کی جائے۔ مثلاً ہمارے زمانے میں معاشی ظلم انتہاء کو پہنچ چکا ہے اور یہاں عدم توازن کی وجہ سے عام لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اکثر لوگ غذا نہ ملنے یا ناقص غذا ملنے کی وجہ سے کمزور ہو رہے ہیں۔ اور صحیح تعلیم نہ ہونے کے سبب سے اپنے انسانی فرائض ادا نہیں کر رہے اور نہ ادا کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ انہیں اس حالت سے نکال کر ایسے حالات پیدا کرنا کہ وہ فکر معاش سے نجات پا کر اللہ کی یاد میں لگ سکیں۔ ہر ایک اس شخص کا فرض ہے جو قرآن حکیم کی تعلیم کو مانتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ جان اور مال کی قربانی کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

جب وہ لوگ جنہوں نے قرآن حکیم کو سمجھا اور اس میں یہ بات پائی تو ان میں

سے اکثر پیچھے ہٹ کر فقط نماز' روزہ وغیرہ اچھے اخلاق کی تلقین پر قناعت کر کے بیٹھ گئے۔ انہیں چاہیے تھا کہ وہ قرآن حکیم اور آنحضرت ﷺ کی سیرت پر غور کرتے اور آگے بڑھنے کا راستہ نکالتے۔ مگر یہ لوگ لڑائی کا نام تک نہیں سن سکتے۔ اگر یہ لوگ اس بات پر اڑے رہیں اور ظلم کو دور کرنے کے لیے جنگ نہ کریں یا کم سے کم اس کی تیاری نہ کریں اور اس کا راستہ صاف نہ کریں تو قرآن حکیم کی زبان میں وہ مرتد ہیں۔ گویا وہ اپنے نماز روزے کے باوجود اسلام کو چھوڑے ہوئے ہیں۔ ان کے یہ عمل بھی کام نہ دیں گے۔ اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیے کوئی کاشتکار زمین میں ہل چلائے اور بیج ڈال دے لیکن کھیت کو پانی نہ دے، ظاہر ہے کہ اس ایک عمل کے نہ ہونے سے اس کے پہلے سب اچھے عمل اکارت جائیں گے۔ کیونکہ وہ پہلے سارے اعمال اس ایک عمل کے لیے تھے۔ اگر یہی نہیں تو وہ کس کام کے؟ اسی طرح جب خوشے نکل آئیں تو ان کی حفاظت ضروری ہے۔ اگر اب یہ کام نہ کیا تو پانی دینے تک سب عمل بے کار جائیں گے۔ اس پر اگلے باقی کاموں کو سوچ لینا چاہیے۔

اسی طرح اسلام میں ایک عمل کر کے اس کے بعد دوسرا عمل نہ کیا تو پہلے سارے عمل بیکار ہو جاتے ہیں۔ مثلاً نمازیں پڑھیں لیکن جہاد نہ کیا یا کم سے کم اس کی تیاری نہ کی۔ اور مظلوموں کے ساتھ انصاف نہ کیا یا انصاف کرنے والا نظام پیدا کرنے کی کوشش نہ کی' تو سب عمل اکارت گئے۔ دنیا کا نظام اسی قاعدے پر چل رہا ہے کہ اگر ایک عمل کے بعد دوسرا زوردار عمل نہ کیا جائے تو پہلے عمل کا نتیجہ بھی اکارت چلا جاتا ہے بس جہاں انسان ٹھہر جاتا ہے وہیں سب عمل ضائع ہو جاتے ہیں۔ زندگی چلنے اور آگے بڑھنے کا نام ہے اس میں جمود کا نام موت ہے۔

جب آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ کی صلح کی (جس کا ذکر اگلی سورت میں آتا ہے) تو عرب میں آپؐ کی پوزیشن مضبوط ہوگئی۔ اس کے بعد آپؐ نے مدینہ منورہ تشریف لاتے ہی اس قومی انقلاب کی منزل سے اگلی منزل' کل قومی انقلاب کا کام شروع کر دیا۔ چنانچہ آپؐ نے قیصر و کسریٰ وغیرہ کی طرف خط لکھ کر انہیں دھمکایا کہ اگر وہ اس

انقلاب میں شریک نہ ہوں گے تو وہ برباد کر دیئے جائیں گے۔ یہی معنی ہیں اس آیت کے فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ (الم نشرح۔7/94) ''جب تو ایک کام سے فارغ ہو جائے تو پھر محنت کے لیے اٹھ کھڑا ہو۔'' یعنی ایک کام سے فارغ ہوتے ہی دوسرا زوردار کام شروع کر دو۔

منافقین اور کفار کا سمجھوتہ

آیت نمبر26: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡا لِلَّذِيۡنَ كَرِهُوۡا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيۡعُكُمۡ فِىۡ بَعۡضِ الۡاَمۡرِ‌ۚ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ اِسۡرَارَهُمۡ ۞

ترجمہ: ''یہ اس واسطے کہ انہوں نے ان لوگوں سے جو اللہ کی اتاری ہوئی کتاب سے بیزار ہیں کہا کہ ہم تمہاری بات بھی مانیں گے بعضے کاموں میں اور اللہ ان کا خفیہ مشورہ کرنا جانتا ہے۔''

یہ منافقین اور کمزور دل لوگ قرآن حکیم کو ہاتھ میں لے کر جنگ سے گریز کرتے ہیں تو اس کا بھید یہ ہے کہ ان منافقوں نے قرآن حکیم کے مخالفوں سے سازش کر رکھی ہے۔ انہوں نے ان کافروں سے سمجھوتہ کر رکھا ہے کہ ان کی تھوڑی بہت مخالفت کرتے رہیں گے۔ لیکن میدان جنگ میں جا کر ان کے خلاف لڑیں گے نہیں۔

آیت نمبر27: فَكَيۡفَ اِذَا تَوَفَّتۡهُمُ الۡمَلٰٓـئِكَةُ يَضۡرِبُوۡنَ وُجُوۡهَهُمۡ وَاَدۡبَارَهُمۡ ۞

ترجمہ: ''پھر کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی جان نکالیں گے' ان کے منہ اور پیٹھ پر مارتے جاتے ہوں گے۔''

یہ لوگ جو حق کا راستہ چھوڑ کر جھوٹ کا راستہ اختیار کر رہے ہیں یعنی باطل کے خلاف میدان میں نہیں آتے' یہ مریں گے تو انہیں سخت عذاب دیا جائے گا اس وقت یہ لوگ کیا کریں گے؟

آیت نمبر28 : ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوۡا مَاۤ اَسۡخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوۡا رِضۡوَانَهٗ فَاَحۡبَطَ اَعۡمَالَهُمۡ ۞

ترجمہ: ''یہ اس لیے کہ وہ چلے وہ راہ جس سے اللہ بیزار ہے اور انہوں نے اس کی خوشنودی ناپسند کی۔ چنانچہ اس نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے۔''

انہیں موت کے وقت یہ دردناک عذاب اس لیے ملے گا کہ یہ لوگ اس بات سے بھٹک گئے جو خدا کو پسند تھی۔ اب ان کے تمام نام نہاد نیک اعمال بے نتیجہ ہیں۔ اب ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص مشرق کی طرف جانا چاہتا ہے لیکن مغرب کی طرف رخ کر کے چل دے۔ وہ چلے گا بھی' فاصلہ بھی طے کرے گا' اپنے بدن کو تھکائے گا بھی' لیکن اصل منزل پر نہ پہنچ سکے گا۔ اس لیے اصل منزل کے لحاظ سے یہی کہا جائے گا کہ اس کے سفر کا عمل اکارت گیا۔ حالانکہ مغرب کو چلنا بجائے خود ایک عمل ہے۔ اگر وہ صحیح سمت کو کیا جاتا تو نتیجہ پیدا کرتا۔ لیکن سمت بدل جانے سے نتیجہ خیز نہ رہا۔ ایسے ہی نام نہاد مسلمانوں کے اچھے عمل نتیجہ خیز نہ ہوں گے۔ کیونکہ یہ انسانیت میں سے ظلم دور کرنے کے لیے جنگ میں شریک نہیں ہوتے۔

صوفیاء کا فریضہ

ہم نے ہند کے مسلمانوں کی طرف سے پہلی عمومی جنگ 18-1914ء (18-914 ہندی) میں حصہ لے کر بعض باتیں اپنے تجربے سے دیکھیں' جن کا ہمیں اپنی پڑھنے پڑھانے کی زندگی میں کبھی سان گمان بھی نہ ہوتا۔(1) اس تجربے سے ہم یہ جان چکے ہیں کہ مسلمانوں کے لیے دینی علوم اور ارشاد و احسان (2) بہترین عملوں میں سے ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ان عملوں سے کسی حالت یا کسی شکل میں کافروں کی مدد نہ ہوتی ہو۔ نہیں تو اللہ تعالیٰ ان نیک عملوں کو بھی بے کار اور بے اثر کر دیتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی صوفی اپنے مریدوں کو اللہ اللہ کرنے میں اتنا لگائے رکھتا ہے کہ وہ انہیں قرآن حکیم کے دشمنوں کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے تیار نہیں کرسکتا اور اس طرح کافروں کو فائدہ پہنچتا ہے تو ان نیک عملوں کے فائدہ مند ہونے میں شبہ ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جہاد اور امر بالمعروف کے مسئلے میں فقیہ رازی (3) نے ''احکام

(1) حضرت مولانا سندھیؒ 1915ء میں اپنے استاد محترم حضرت مولانا شیخ الہندؒ کے حکم سے کابل گئے اور جلاوطنی کے تئیس چوبیس سال گزار کر 1939ء میں برعظیم ہند میں واپس آئے۔ انہوں نے اگست 1944ء میں وفات پائی۔ (مرتب)

(2) ارشاد: خدا کے حکموں کی طرف رہنمائی۔ احسان: تصوف کے اعمال (مرتب)

(3) احمد بن علی ابوبکر الرازی الجصاص: پیدائش 305ھ (719ء) وفات 370ھ (980ء) بلند پایہ حنفی امام۔ ''احکام القرآن'' (تین جلدوں میں) ان کا شاہکار ہے۔ (مرتب)

القرآن'' میں نہایت اچھی طرح کھول کر بات کی ہے۔ ہمارے لیے وہ کافی اور شافی ہے۔ انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کے طریق پر انقلابی روح قائم رکھی ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد ہم نہیں دیکھتے کہ حنفیہ کے لیے قرآن حکیم کی انقلابی تحریک سے پیچھے رہنے کا کوئی عذر باقی رہ گیا ہے۔(1)

آیت نمبر 29: اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ یُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: ''کیا وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے' خیال کرتے ہیں کہ اللہ ان کے کینے ظاہر نہ کرے گا؟''

کیا ان منافقوں کا یہ خیال ہے کہ ان کی خیانت ان کی بے ایمانی اور بددیانتی ظاہر نہ کی جائے گی؟ ایک نہ ایک دن ان کی دوستی دشمنی کا فیصلہ کرنا ہوگا' ان کی خفیہ سازشیں ہرگز قائم رہنے نہیں دی جاسکتیں۔

آیت نمبر 30: وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَیْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: ''اگر ہم چاہیں تو تجھے وہ لوگ دکھا دیں اور تو انہیں ان کے چہروں سے پہچان لے اور (اب بھی) تو ان کی بات کے ڈھب سے انہیں پہچان لے گا اور اللہ کو تمہارے سب کام معلوم ہیں۔''

اگر خدا چاہے تو آپؐ کو ان لوگوں کی شناخت ان کے چہروں سے ہو جائے۔ لیکن وہ چاہتا ہے کہ آپؐ کو ان منافقین کی کوئی ایسی عام نشانی بتا دے کہ وہ قاعدے میں آسکے۔ مثلاً ان کی بول چال اور لب و لہجہ سے آپ جان سکتے ہیں کہ کس طرح جنگ کی بات ٹال جاتے ہیں۔

منافقوں کا اخراج

آیت نمبر 31: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِیْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ ۙ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾

(1) اس مسئلے پر الجصاصؒ کے خیالات سورۃ فتح کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔ (مرتب)

ترجمہ: ''اور البتہ ہم تمہیں جانچیں گے تاکہ معلوم کرلیں کہ تم میں لڑائی کرنے والے اور قائم رہنے والے کون ہیں اور تمہاری خبریں تحقیق کرلیں۔''

اور اگر کمزور لوگ اپنی حالت درست نہ کرلیں اور جنگ میں شریک ہونے کے لیے تیار نہ ہو جائیں تو منافق بن جاتے ہیں۔ انقلاب کی حالت میں جنگ کے وقت مجاہدین اور منافقین کی تمیز لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو خبردار کردیا اور وہ اپنے اجتہاد سے انہیں پہچان لیتا ہے۔ اور انہیں مسلمانوں کی پہلی لائن سے نکال دیتا ہے تاکہ وہ مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔(1)

حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے زمانے میں فرمایا تھا کہ اب جب مسلمان مضبوط ہو گئے ہیں' ہم منافقین کے ساتھ وہ معاملہ نہیں کرسکتے جو حضرت رسالت مآب ﷺ کے زمانے میں کیا کرتے تھے۔

منافقین کو پہلی لائن سے نکال دینا اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب حکومت منظّم ہو جائے۔ شروع شروع میں حکومت منظّم نہ تھی کہ انہیں باہر نکال دیتی یا انہیں سزا دیتی۔ حکومت منظّم ہو جانے کے بعد منافقین کو صرف نکالا ہی نہیں جائے گا بلکہ ان کے ساتھ وہ معاملہ ہوگا جو کافروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس وقت کسی کو ان کے حق میں بولنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

ہم انقلابی جماعت کے لیے یہ شرط مقرر کرتے ہیں کہ وہ منافقین کو ہرگز جماعت میں قبول نہ کرے اور جب وہ شامل ہو جائیں' تو انہیں اس وقت تک نہ نکالے جب تک تنظیم مکمل نہ ہو جائے اور حضرت نبی اکرم ﷺ کی طرح صبر سے کام لے۔

آیت نمبر32: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ ﴿٣٢﴾

ترجمہ: ''جو لوگ منکر ہوئے اور انہوں نے اللہ کی راہ سے روکا اور مخالف ہو گئے رسولؐ کے' سیدھی راہ ظاہر ہو چکنے کے بعد' وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اور وہ اکارت کر دے گا ان کے سب کام۔''

(1) اس موضوع پر مزید بحث سورۃ فتح میں ملاحظہ فرمائیں۔ (مرتب)

جولوگ قرآنی انقلاب کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں' ان کی کوششیں ناکام رہیں گی۔

مومنوں سے خطاب

آیت نمبر 33: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ﴿٣٣﴾

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ کے حکم پر چلو اور رسول کے حکم پر چلو اور اپنے عمل ضائع مت کرو۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے معنی

مسلمانوں کو اپنی تمام توجہ قرآن حکیم کی پیروی پر لگائے رکھنی چاہیے اور جیسے آنحضرت ﷺ اس قرآن حکیم کے نظام کے لیے لڑتے رہے' تم بھی انہیں کے قدموں کے نشانوں پر چلو۔ اور جولوگ آگے بڑھنے سے رک گئے یا پیچھے ہٹ گئے' ان کی اطاعت کر کے اپنے عملوں کو برباد مت کرلو۔ تم جو نماز' روزہ وغیرہ اچھے اعمال کر رہے ہو وہ اس مقصد کی تمہید تھی۔ جب یہ مقصد کہ قرآن حکیم غالب آئے اور اللہ کے بندوں میں سے ظلم دور کیا جائے' بھول گئے یا تم اس کے لیے کھڑے نہ ہوئے۔ تو پہلے کیے ہوئے سب کام بے فائدہ ہو جائیں گے۔

کفار کا انجام

آیت نمبر 34: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ﴿٣٤﴾

ترجمہ: ''جولوگ منکر ہوئے اور انہوں نے اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکا' پھر مر گئے اور وہ منکر ہی رہے' تو اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا۔''

جولوگ قرآن کی حکومت اور اس کے نظام کے قیام کی مخالفت پر اڑے رہے اور لوگوں کو اس نظام پر چلنے سے روکتے رہے' لڑ کر' پراپیگنڈہ کر کے یا کسی اور طرح مجبور کر کے' تو اگر وہ اسی حالت میں مر گئے اور انہوں نے اس انقلاب میں حصہ نہ لیا' تو مرنے کے بعد کی زندگی میں ان کی ترقی رک جائے گی۔ اور وہ جہنم کے جس گڑھے

میں پڑیں گے، اسی میں پڑے رہیں گے۔

مضبوطی اور پائیداری کی ضرورت

آیت نمبر 35: فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۖ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿٣٥﴾

ترجمہ: ''تم بودے نہ ہو جاؤ کہ پکارنے لگو صلح۔ اور تم غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور نقصان نہ دے گا تمہیں تمہارے کاموں میں۔''

تمہیں چاہیے کہ بودے پن کا اظہار کر کے ''صلح!'' مت پکارنے لگو۔ بلکہ پائیداری اور بہادری کے ساتھ جنگ کرو۔ اللہ کی تمام قوتیں تمہارے ساتھ ہیں۔ تم یقیناً کامیاب ہوگے۔ دوسری جگہ ہے کہ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (الانفال:61/8) (اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھک جاؤ)۔ یعنی اگر مخالفین صلح کی درخواست کریں تو اس وقت صلح کا ہاتھ بڑھانا چاہیے۔ لیکن خود کمزوری دکھا کر صلح کرنے سے موت بہتر ہے۔ اگر تم قرآن حکیم کو بلند کرنے یا اسے بلند رکھنے کے لیے لڑو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔

یہ ضروری نہیں کہ ہر مرد، عورت، بچہ، بوڑھا میدان جنگ میں جائے۔ مگر یہ ضروری ہے کہ ہر ایک شخص کسی نہ کسی شکل میں جنگ میں حصہ لے (تفصیل سورۂ فتح میں آئی ہے)۔

مال خرچ کرنے کی ضرورت

آیت نمبر 36: اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔـلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿٣٦﴾

ترجمہ: ''دنیا کی زندگی تو کھیل اور تماشا ہے اور اگر تم یقین لاؤ گے اور بچ کر چلو گے (یعنی عدل کرو گے) تو اللہ تمہیں تمہارا اجر دے گا اور تم سے تمہارا مال نہ مانگے گا۔''

ادنیٰ درجے کی زندگی یعنی حیوانی زندگی، جو عقل کے ماتحت نہ ہو اور جس کی غرض انسانیت کو ترقی دینا نہ ہو، لغو اور بے ہودہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لیے تم سے کچھ نہیں مانگتا۔ لیکن تمہاری جان اور تمہارا مال خود تمہارے اپنے صحیح نظام کے قیام پر خرچ ہونا ضروری ہے۔ اگر تم اس نظام کو مان کر انصاف اور عدل قائم کرنے کے لیے کھڑے ہو جاؤ گے تو اس سے تمہیں فائدہ پہنچے گا۔ خدا تو غنی ہے۔ اسے تمہارے مال کی ضرورت نہیں۔ پس ہر شخص کا فرض ہے کہ اپنی طاقت کے مطابق جنگ میں حصہ لے۔

غرض اللہ کی راہ میں جان و مال خرچ کرنے ہی سے انقلابی تحریک کو ترقی ہوتی ہے۔

آیت نمبر 37: اِنْ یَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَیُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَ یُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ﴿۳۷﴾

ترجمہ: ''اور اگر وہ تم سے مال مانگے اور پھر تم کو تنگ کرے تو تم بخل کرنے لگو اور وہ ظاہر کر دے تمہارے دل کی تنگیاں۔''

انقلابی پارٹی اپنے ممبروں کا سارا مال طلب نہ کرے، ورنہ یا تو وہ چھپا لیا کریں گے یا ان کے دلوں میں میل آ جائے گا۔ اور وہ تحریک میں پوری خوشدلی کے ساتھ حصہ نہیں لے سکیں گے۔ ہر مومن کا فرض ہے کہ وہ اپنے مال میں سے بقدر ضرورت رکھ لے۔ اور باقی مال تحریک کے لیے دے دے۔

آیت نمبر 38: هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ ۚ وَ مَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ الْغَنِیُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ﴿۳۸﴾

ترجمہ: ''سنتے ہو تم! لوگ تمہیں بلاتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ پھر تم میں کوئی ایسا بھی ہے کہ خرچ کرنا نہیں چاہتا۔ جو شخص بخل کرے گا وہ اپنے آپ سے بخل کرے گا۔ اللہ تو بے نیاز ہے۔ تم ہی محتاج ہو۔ اگر تم پھر جاؤ گے تو بدل لے گا اور لوگ تمہاری جگہ۔ پھر وہ تمہاری طرح کے نہ ہوں گے۔''

تحریک کا تقاضا ہے کہ تم اپنا مال اس میں خرچ کرو۔ اگر تم بخل کرو گے تو یہ تحریک برباد ہو جائے گی اور دشمن تمہیں ذلیل کر ڈالیں گے اور تمہارا سارا مال لے جائیں گے۔

خرچ کرو گے تو فتوحات حاصل ہوں گی اور زیادہ مال و دولت ملے گا۔

وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ (اللہ تعالیٰ تو بے نیاز ہے' تم ہی محتاج ہو) اللہ تعالیٰ کوتو تمہارے مال کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ خود تمہاری اپنی قومی ضرورتیں ہیں جو مال کے بغیر پوری نہیں ہوسکتیں۔ اگر تم اللہ کی راہ میں یعنی قومی ضرورتوں میں مال خرچ کرو گے تو خدا تمہیں اتنی دولت دیگا کہ تم بے نیاز ہو جاؤ گے۔

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ

(اگر تم نے پیٹھ دکھائی تو اللہ تمہاری بجائے اور قوم بدل لے گا)

اگر تم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے اور قرآن حکیم کو غالب کرنے کی تحریک میں جان و مال سے کوشش نہ کی تو کوئی دوسری جماعت اس کام کے لیے تیار ہو جائے گی۔ جو مال بھی خرچ کرے گی اور جان بھی لڑائے گی۔ وہ تم جیسی سست اور کاہل اور جان و مال سے دریغ کرنے والی جماعت نہ ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن حکیم کا انٹرنیشنل نظام بہت بڑی قربانی کا طالب ہے اس راہ میں بہت خطرے ہیں۔لیکن آخرکار بین الاقوامی غلبہ اور عزت ہے۔

نبی کریم ﷺ کی جماعت اور اللہ کی راہ میں خرچ

اللہ کے فضل سے حضرت محمد ﷺ کی تیار کی ہوئی جماعت نے جان اور مال سے کسی جگہ بھی دریغ نہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ جماعت کل قومی انقلاب کا مرکز بن گئی۔ اور وہ انقلاب حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے تک مکمل ہوگیا۔

اس کے بعد جب عربوں نے اس بین الاقوامی تحریک کو قومی بنا لیا' اور رفتہ رفتہ جان و مال سے دریغ کرنے لگے' تو عجمی قومیں غالب آ گئیں۔ قرآن کی سرمایہ شکن طاقت بہرکیف غالب رہنی چاہیے۔ جب اس کی سرمایہ شکنی میں فرق آئے گا اور سرمایہ پرستی پیدا ہوگی' ضرور انقلاب آئے گا۔ اور کوئی نہ کوئی سرمایہ شکن طاقت اوپر آ جائے گی۔

موجودہ دور کی ضرورت اور امام ولی اللہ دہلویؒ

اب جبکہ دنیا کے کسی خطے میں بھی سرمایہ شکن خدا پرست طاقت برسراقتدار نہیں ہے۔ ضروری ہے اور انسانیت کا طبعی تقاضا ہے کہ سرمایہ شکنی اور خدا پرستی کے مجموعی پروگرام پر انقلاب برپا ہو۔ یہ انقلاب کس خطے میں ہوگا؟ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ لیکن حجۃ الاسلام امام ولی اللہ دہلویؒ کی دور بین نگاہ جو کچھ دیکھ رہی ہے وہ انہوں نے تفہیمات الٰہیہ وغیرہ میں بیان کر دیا ہے۔(1)

بہرکیف اس سورت میں قرآن حکیم کے جس انقلاب کی طرف دعوت دی گئی ہے وہ ساری انسانی نوع کے لیے مفید ہے۔ اور آج بھی جب انسانی سوسائٹی راسمالی (Capitalist) اور غیر راسمالی (Anti Capitalist) کیمپوں میں بٹی ہوئی ہے۔ قرآن کریم ہی کی تعلیم صحیح معاشیات پیدا کر کے پائیدار امن پیدا کر سکتی ہے' تاکہ اسلام کا مکمل نظام دنیا میں نافذ ہو۔ ضرورت پڑے تو یہ رجعت پسند طاقتوں کو قوت کے ذریعے سے ختم کرنے کا داعی ہے۔ لیکن رجعت پسندی کو کسی حالت اور کسی شکل میں بھی قبول نہیں کر سکتا۔



(1) حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے تفہیمات میں لکھا ہے:

''میرا پختہ یقین ہے کہ اگر کبھی ہندوستان پر ہندوؤں کا قومی سطح پر عمومی غلبہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی حکمت تقاضہ کرتی ہے کہ ان کے حکمران طبقہ کو دین اسلام کے قبول کرنے کی توفیق ہو جائے گی۔ جیسا کہ ترکوں کو غلبہ حکومت کے بعد اسلام قبول کرنے کی توفیق ہوئی، اور ایسا نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے عمومی پہلو کے پھیلاؤ کی وجہ ہوگا۔ (دیکھئے تفہیمات، ص269، ج1) (آزاد)

قرآنی عنوانِ انقلاب

سورت فتح کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

قرآنی سیاست کے بنیادی اصول

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

(آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ ہی کے ہیں' وہ عزت دینے والا' حکمت دینے والا ہے۔)

منافقوں اور مشرکوں کی جماعتیں الگ کر دینے کے بعد مومنوں کی جو خالص جماعت رہے گی وہ زمین پر آسمانی فرشتوں کی مانند ہوگی۔

قرآن حکیم کا پروگرام حقیقت میں پارٹی پالیٹکس (Party Politics) کے اصول پر صحیح اترتا ہے۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ صرف ایک خیال رکھنے والوں کو اکٹھا کرے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس اصول پر کام کیا۔ اور ان مٹھی بھر لوگوں کو جمع کیا جو قرآن کے سارے قانون کو دل و جان سے کامل طور پر بلا شرط مانتے تھے۔ اور صلح و جنگ میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو خوشی کے ساتھ قبول کر کے کیوں اور کیسے کے سوالات پوچھے بغیر اطاعت کرتے تھے۔

ہمارے خیال میں اب بھی جو لوگ سب ''مسلمانوں'' کو اکٹھا کر کے آگے بڑھنے کا پروگرام رکھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ انہیں ان مسلمانوں میں سے وہ جماعت بنانی چاہیے جو ذہن اور عمل کے لحاظ سے انقلابی ہو اور اس میں صرف ایک فکر کے لوگ شامل ہوں۔ صرف اسی صورت میں کام اچھا اور جلد ہوسکتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

مقدمہ

ضبط کی ضرورت

قرآن حکیم کل قومی پیمانے پر انقلابی تحریک پیدا کرنی چاہتا ہے، اس کا ایک نصب العین یا مرکزی فکر ہے۔ وہ اس فکر کو ایک جماعت کی مکمل تیاری کے ذریعے سے انسانی سوسائٹی کے ایک حصے اور ملک کے ایک خطے میں خاص شکل میں قائم کرنا چاہتا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ کوئی جماعت ضبط (Discipline) کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی۔ اور جتنا بڑا انقلاب ہو' اتنے ہی زبردست ضبط کی ضرورت ہوتی ہے۔

اسلامی جماعت میں ضبط

جو جماعت بہت سخت ضبط کی مالک ہوتی ہے وہ صلح اور جنگ میں اپنی مرکزی جماعت کے فیصلے کی پوری پوری فرمانبرداری کرتی ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے جو جماعت پیدا کی، وہ جنگ میں ضبط کے مظاہرے کئی بار کرچکی۔ صلح کرنے میں ضبط کے بہترین مظاہرے کا موقعہ حدیبیہ میں پیش آیا۔ جب آنحضرت ﷺ نے کمزور دشمن کی بدترین شرطیں صرف اس لیے مان لیں کہ وہ بنیادی طور پر ان اصول کی حفاظت چاہتا تھا' جن کی حفاظت کے لیے یہ انقلاب برپا کیا جارہا تھا۔ یعنی دین حنیفی کے مرکز کعبۃ اللہ کا احترام۔ آپ ؐ کی جماعت نے اس اصول کو پوری طرح نہ سمجھتے ہوئے بھی اس صلح کو صرف اس لیے مان لیا کہ وہ ایک زبردست ضبط میں آئے ہوئے تھے۔ اس ضبط کی انتہا یہ تھی کہ جب آپ ؐ نے اس جماعت سے موت پر بیعت لینی چاہی تو ہر ایک شخص نے ٹھنڈے دل کے ساتھ یہ سمجھ کر بیعت کی کہ یہ موت یقینی ہے۔ اور جو شخص بھی اس وعدے کو توڑے گا اسے ضبط توڑنے کی بڑی سے بڑی سزا بھی مل سکتی ہے۔

اس ضبط کا مقصد

اس اونچے پیمانے کا ضبط پیدا کرنے کا مقصود کیا ہے؟ اس سورت کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم اس ضبط کو سرمایہ شکن بین الاقوامی انقلاب پیدا کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہے تاکہ خدا پرستی قائم ہو۔

انقلاب کی طبعی رفتار

اس بات کو کھول کر بیان کیا جائے تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ قرآن حکیم کا انقلاب ایک مضبوط ضابط جماعت کے ذریعے سے عمل میں آیا جس نے اپنا کام عرب میں شروع کیا۔ اس انقلاب کی طبعی رفتار یہ تھی :

(1) ذاتی انقلاب (2) محدود جماعت کی تیاری (3) قومی انقلاب

(4) بین الاقوامی انقلاب

(1) ذاتی انقلاب

ذاتی انقلاب کے متعلق قرآن حکیم کہتا ہے کہ:

(1) قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ (انعام 162,163:6)

یعنی تو کہہ دے کہ میری بدنی اور مالی عبادتیں میری زندگی اور میری موت سب کچھ اللہ ہی کے راستے میں ہے۔ اس کا کوئی ساجھی نہیں۔ مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے میں اس حکم کے آگے سر تسلیم خم کرتا ہوں۔

(ب) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا (تحریم 6:66)

اے وہ لوگو جو ایمان لے آئے ہو۔ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

(2) محدود جماعت کی تیاری

محدود جماعت کی تیاری مکہ مکرمہ میں شروع ہوئی چنانچہ حکم آیا کہ

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ (شعراء 214:26)

اپنے قریبی قبیلہ والوں کو آنے والے انقلاب کی تنبیہہ کر دو۔

(3) قومی انقلاب

آنے والے قومی انقلاب کی طرف بہت سی آیات اشارہ کرتی ہیں۔ مثلاً

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۞ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞

(یوسف 12:1-2)

یہ واضح کتاب کی آیات ہیں' ہم نے اس کو عربی زبان میں نازل کیا' تاکہ تم عقل مند بنو۔

(4) بین الاقوامی انقلاب

بین الاقوامی انقلاب کا بھی۔ جو قرآنی تحریک کا معراج ہے۔ بہت سی آیات میں ذکر موجود ہے مثلاً

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (ص 38:87)

یہ قرآن تمام دنیا کی قوموں کے لیے یاد دہانی ہے۔

صلح حدیبیہ کا مقام تاریخ اسلام میں

صلح حدیبیہ اس حیثیت سے تاریخ اسلام میں نقطہ تغیر (Turning Point) کا حکم رکھتی ہے کہ اب قرآنی انقلاب کی علمبردار جماعت انفرادی اور جماعتی انقلاب کی منزلیں طے کرنے کے بعد قومی انقلاب کی منزل بھی ختم کرنے والی تھی۔ اور ضبط اور تیاری کے سب سے اونچے نقطے پر پہنچ چکی تھی۔ اب اللہ کی حکمت چاہتی تھی کہ اسے بین الاقوامی میدان میں لائے۔ چنانچہ سورۂ فتح میں اس آنے والی تبدیلی کی پیش گوئی ان الفاظ میں کی گئی ہے:

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ (16:48)

جو اعرابی (گنوار) اس سفر میں آپ کے ساتھ نہیں گئے اور پیچھے رہ گئے' ان سے کہہ دیجئے کہ عنقریب تمہیں ایک شدید جنگجو قوم سے لڑنے کے لیے بلایا جائے گا۔

اس آیت میں اولی باسٍ شدیدٍ (شدید جنگجو قوم) سے بقول امام ولی اللہ

دہلویؒ ایرانی اور رومی مراد ہیں۔ اسی کی طرف آگے چل کر ان الفاظ میں بھی اشارہ موجود ہے۔

وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا (21:48)

اور وہ مال غنیمت جس پر ابھی تم نے قدرت حاصل نہیں کی۔

ان غنیمتوں سے بھی ایرانی اور رومی جنگوں کی غنیمتیں مراد ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ سے واپس آتے ہی محرم 7ھ (628ء) میں عرب کے اردگرد کے بڑے بڑے حکمرانوں کو اسلام کی طرف بلاوا بھیج دیا۔ یہ دعوت نامے کیا تھے، آنے والے انقلاب کی تنبیہہ تھی، جو ان قوموں کو اپنے اندر ہضم کرنے والا تھا۔

چنانچہ قیصر روم کو تحریر فرمایا کہ:

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم، من محمدٍ عبداللّٰہ ورسولہٖ الٰی ھرقل عظیم الروم، سلام علٰی من اتبع الھدٰی، اما بعد! فانی ادعوک بدعایة الاسلام، اسلم تسلم یؤتک اللّٰہ اجرک مرتین فان تولیت فان علیک اثم الیریسین۔ الخ۔ (بخاری، باب بدأالوحی ص 3 جلد اول)

یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہ یہ خط محمد (ﷺ) کی جانب سے ہے جو اللہ کا بندہ اور اس کا ایلچی ہے۔ ہرقل شاہ روم کے نام، سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کا پیرو ہے۔ بعد حمد وصلوٰۃ میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ تو اسلام قبول کر لے تو تمام آفتوں سے بچ رہے گا، اور اللہ تعالیٰ تجھے دوہرا اجر عطا فرمائے گا۔ اگر تو نے انکار کیا تو تمام دہقانوں اور کاشتکاروں کے گناہوں کا وبال تیری گردن پر ہوگا۔

اور کسریٰ ایران کو لکھا:

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم: من محمدٍ رسول اللّٰہ الٰی کسرٰی عظیم فارس، سلام علٰی من اتبع الھدٰی وامن باللّٰہ ورسولہٖ واشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وانی رسول اللّٰہ الٰی الناس کافةً لینذر من کان حیًّا اسلم تسلم فان ابیت فعلیک اثم المجوس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: یہ خط محمد (ﷺ) کی طرف سے ہے جو اللہ کے

رسول ہیں۔ کسریٰ شاہ ایران کی طرف۔ سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی پوجا کے لائق نہیں ہے اور یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام دنیا کی قوموں کو اس کا پیغام پہنچانے کے لیے مقرر کیا گیا ہوں تاکہ جو لوگ زندہ ہیں انہیں تنبیہہ کر دی جائے' اسلام لے آ' تو بچ رہے گا۔ اگر تو اسلام نہ لایا تو مجوس کے تمام گناہوں کا وبال تیری گردن پر ہوگا۔

امام ولی اللہ کا فکر

حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ کے نزدیک:

''نبی اکرمﷺ کی بعثت کا ایک بہت بڑا مقصد اِن دو سلطنتوں اور روئے زمین کے اسی قسم کے ظالمانہ نظاموں کو تباہ کرنا تھا' کیونکہ خصوصاً ان دونوں بادشاہتوں میں معاشی عدم توازن انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ ایک چھوٹا سا امیر طبقہ دولت کی زیادتی کی وجہ سے عیاشیوں میں مبتلا ہو کر' خدا فراموشی کے سبب سے عوام پر حد درجہ ظلم کرنے لگ گیا تھا۔ اور عوام بھاری بھاری ٹیکسوں کے بوجھ تلے دب کر بیلوں اور گدھوں کے درجے میں آ چکے تھے۔ اور مرنے کے بعد کی زندگی کی بھلائی کے خیالات سے بالکل کورے ہو چکے تھے۔'' [1]

آنحضرتﷺ نے ان دو بادشاہوں کو جو خطوط ارسال فرمائے ان کی عبارت نہایت معنی خیز ہے۔ اور اوپر بیان کی ہوئی باتوں کی طرف نہایت لطافت کے ساتھ اشارہ کرتی ہے۔ دونوں میں عوام کی اخلاقی بربادی اور دوسری زندگی کی بھلائی سے محرومی کا ذمہ دار ان بادشاہوں کو قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ہرقل کے نام جو خط ہے اس میں ہے کہ:

فان ابیت فانّ علیک اثم الیریسین

''اگر تو نے اسلامی انقلاب کو قبول نہ کیا تو تیرے ماتحت جو کاشتکار طبقہ تباہ ہو رہا ہے اس کے گناہوں کا یقینی طور پر تو ذمہ دار قرار دیا جائے گا۔''

[1] حجتہ اللہ البالغہ طبع مصر' باب اقامتہ الارتفاقات و اصلاح الرسوم' جلد اول ص 105

ایسے ہی کسریٰ ایران کے نام جو گرامی نامہ ارسال فرمایا اس میں ہے کہ:

فان ابیت فعلیک اثم المجوس

''اگر تو اسلامی انقلاب کے نیچے نہ آیا تو تیری ساری رعایا' مجوس کے گناہوں کا وبال تیری گردن پر ہوگا۔''

جیسے اوپر بتایا جا چکا ہے اب عرب کے انقلاب کی تحریک قومی حدوں سے باہر نکل کر اپنی تعلیم کی حقیقی روح کے پھیلنے کے لیے بین الاقوامی میدان تلاش کر رہی تھی۔ اس کا اشارہ کسریٰ کے خط میں موجود ہے جس کے خاص الفاظ یہ ہیں:

انی رسول اللّٰہ الٰی الناس کافۃً

''میں اللہ کی طرف سے تمام دنیا کی قوموں کو پیام پہنچانے آیا ہوں۔''

آنحضرت ﷺ نے اپنی زندگی میں قرآن حکیم کے سرمایہ شکن بین الاقوامی انقلاب کو قومی پیمانے پر عرب میں بالکل کامیاب بنا کر دکھا دیا۔ اور اس کے بین الاقوامی پھیلاؤ کے لیے جن قوتوں کی ضرورت تھی انہیں جگا کر اس انقلابی جماعت کے نیچے کر دیا۔ اور ان دعوت ناموں کے ذریعے عرب کے اردگرد کی سلطنتوں کو یہ انقلاب قبول کرنے کے لیے سوچنے کو کافی وقت دیا۔ اتنا کام کرنے کے بعد جو انتہائی کامیابی کا پوری طرح کفیل تھا' آپؐ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ باقی کام آپ کی تیار کی ہوئی جماعت نے عین اس پروگرام کے مطابق پورا کر دیا۔ جس کی مدّات (Items) آپ انہیں سکھا گئے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے سے شروع ہو کر حضرت عثمانؓ کے زمانے تک قرآنی انقلاب بین الاقوامی پیمانے پر اس طرح مضبوط ہوگیا کہ اس زمانے کی کوئی سیاسی طاقت اس کے مقابلے میں آنے کے قابل نہ رہی۔

سورۂ فتح کا قیمتی سبق

اس سورت میں ہر زمانے کے سیاسی کام کرنے والوں کے لیے (چند) نہایت قیمتی سبق اور نہایت مفید رہنمائی ہے۔

(الف) پہلے قومی انقلاب لایا جائے

وہ یہ کہ جس زمانے میں قرآنی انقلاب ارتجاع (Reaction) کی نذر ہو جائے'

ایک جماعت پہلے اس علاقے میں کامیاب مرکز بنائے جس میں وہ بستی ہے۔ اور پھر وہاں سے اس انقلاب کی شاخیں دوسری قوموں میں پہنچائے۔ اور ہر ایک قوم کے انقلابی اپنی اپنی جگہ اس کی کامیابی کی کوشش کریں۔ گویا اگرچہ اسلامی انقلاب اصل میں بین الاقوامی ہے، لیکن شروع ہی میں اسے عملاً بین الاقوامی پیمانے پر چلانا حکمت قرآنی کے خلاف ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی ایک قوم کے اندر رہ کر ایسی جماعت تیار کی جائے جو تمام قوموں میں کام کرے اور تمام قوموں کو ایک ہی وقت اس قانون کے نیچے لانے کی کوشش کرے چنانچہ امام ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں کہ:"

"وھٰذا الامام الذی یجمع الامم علٰی ملۃٍ واحدۃٍ، یحتاج الٰی اصولٍ اخرٰی غیر الاصول المذکورۃ فیما سبق، منھا ان یدعو قوماً الی السنۃ الراشدۃ، ویزکیھم ویصلح شانھم ثم یتخذھم بمنزلۃ جوارحہٖ فیجاھد اھل الارض ویفرقھم فی الاٰفاق وھو قولہ تعالٰی. کنتم خیر امۃٍ اخرجت للناس الی آخرالآیہ..... و ذالک لان ھٰذا الامام نفسہ لا یتأتّٰی منہ مجاھدۃ اممٍ غیر محصورۃٍ"

(حجۃ اللہ البالغہ، باب الحاجۃ الی دین ینسخ الادیان، مطبع مصر جلد اول ص118)

"یعنی جو امام بین الاقوامی کام کے لیے مقرر ہو وہ اوپر بیان کئے ہوئے اصول کے خلاف اَور اصول پر کام کرے گا۔ مثلاً وہ ایک قوم کو زندگی گزارنے کے صحیح قاعدوں کی دعوت دے گا اور انہیں پاک اور درست کر کے اپنا آلہ کار بنائے گا اور انہیں ساتھ لے کر دوسری قوموں سے لڑے گا۔ اور انہیں مختلف قوموں میں بکھیر دے گا۔ چنانچہ قرآن حکیم کی اس آیت میں **کنتم خیر امۃ اخرجت اللناس** (تم مسلم امت کا بہترین حصہ ہو جو تمام دنیا کی قوموں کے لیے چنے گئے ہو) کا یہی مطلب ہے۔ کام کرنے کا یہ طریق اختیار کرنے کا سبب یہ ہے کہ ایسا امام تن تنہا ساری قوموں سے جہاد نہیں کرسکتا۔

(ب) موت قبول کرنے کی منزل

اس سورت میں اس حقیقت پر بھی پوری روشنی ڈالی گئی ہے کہ قرآنی تحریک میں ایک منزل آ سکتی ہے جب اسے آگے بڑھانے کے لیے موت قبول کرنی پڑے اور جیسے صلح حدیبیہ کی تفصیل سے معلوم ہوگا، موت قبول کرنے کی شکل اللہ کی راہ میں جنگ کرنا بھی ہوسکتی ہے۔

(ج) قرآن اجماعی جنگ کا قائل ہے

اس سورت کے مطالعے سے یہ حقیقت بھی روشن ہو جاتی ہے کہ قرآن حکیم نہ صرف جنگ کا قائل ہے بلکہ جنگ اجماعی (Total War) کا قائل ہے۔یعنی اس کے نزدیک ہر شخص جان و مال سے اس میں پورا پورا حصہ لے گا۔ یہاں تک کہ بیمار، لولے ، لنگڑے اور اندھے بھی اپنا اپنا حصہ ادا کرنے پر مجبور ہیں۔حقیقت بھی یہی ہوسکتی ہے کہ کوئی تحریک اگر جنگ کا انکار کرتی ہے تو اسے ہر شکل میں ناجائز سمجھے گی اور کامل طور پر اہنسا (عدم تشدد) پر کاربند ہوگی۔اگر وہ جنگ کو جائز سمجھتی ہے تو وہ جنگ کو اجماعی اور کلی حیثیت سے قبول کرے گی۔اور اپنے ہر ایک ممبر کو اس کی پوری طاقت کے مطابق اس میں حصہ لینے کا ذمہ دار سمجھے گی۔کوئی شخص بہانہ بنا کر اس ذمہ داری سے بچ نہیں سکتا۔

ہندوستان کی موجودہ صورتحال

ہندوستان اس وقت (1943ء) ایک زبردست لادینی سرمایہ پرست نظام کے نیچے ہے۔جس کی وجہ سے اس کی چالیس کروڑ آبادی میں سے چند مالداروں کو مستثنیٰ کر کے باقی ساری آبادی بھوکی یا آدھی بھوکی زندگی بسر کر رہی ہے۔ وہ طرح طرح کی کمزوریوں اور بیماریوں میں پھنسی ہوئی ہے اور جہالت میں مبتلا ہے۔اسی لیے وہ اپنی انسانیت کو بھولی ہوئی ہے وہ نہ یہ جانتے ہیں کہ آپس میں ان کے کیا حق اور فرض ہیں اور نہ یہ سمجھتے ہیں کہ اپنے خالق (پیدا کرنے والے) کے ساتھ ان کے کیا تعلقات ہونے چاہئیں۔

سورۂ فتح چاہتی ہے کہ ہندوستان کے اس بھول گھر میں ایسی جماعت پیدا کی جائے جو حجازی بین الاقوامی انقلاب لانے والی جماعت کی طرح انتہائی ضبط کی مالک ہو۔ اس کے ارکان اس سرمایہ پرستانہ نظام کو توڑنے کے لیے عدم تشدد کی پابندی کے ساتھ موت کو قبول کر کے پوری پوری اور انتہائی کوشش کریں اور فی الحال یَـقْتُلُوْنَ (قتل کرنا) کو ملتوی رکھ کر یُقْتَلُوْنَ (قتل ہونا) کو قبول کریں[1] ان کی نظر بین الاقوامی ہو' وہ ہر ایک انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا عدل کرنے کو تیار ہوں۔ اور چالیس کروڑ کی مظلوم انسانیت کو سرمایہ پرستی اور اس کے پیدا کئے ہوئے معاشی ظلم سے نجات دلا کر اس کے لیے اللہ کو پہچاننے کا راستہ آسان کر دیں۔

واٰخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علٰی نبیہ الکریم صاحب الانقلاب العظیم وعلی الذین معہ اشدءُ علی الکفار الذین یفسدون الارتفاقات المعاشیۃ والارتفاقات المعادیۃ رحماءُ بینھم سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود

''آخری بات یہ ہے کہ سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو سب قوموں کا پالنہار ہے۔ اور رحمتیں اور سلامتیاں ہوں اس نبی اعظم پر جو عالمگیر انقلاب کی دعوت دینے آیا۔ اور اس کے ساتھیوں پر' جو ان کافروں پر سخت ہیں جو انسانی سوسائٹی کے معاشی ارتفاقات اور معادی ارتفاقات خراب کرتے ہیں۔ آپؐ کے ساتھی آپس میں بہت نرم اور رحم دل ہیں۔ ان کے چہروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنا سب کچھ اللہ کے حوالے کر کے اس کے آگے سجدہ کر رہے ہیں۔)

بشیر احمد (بی اے' لدھیانوی)

[1] اس آیت کی طرف اشارہ ہے **یقاتلون فی سبیل اللّٰہ فیقتلون ویقتلون** (وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں پھر وہ قتل کرتے ہیں اور قتل ہوتے ہیں) (سورہ توبہ 111:9)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ الفتح (48)

تمہید سورت

سورت کا موضوع

سورۂ محمدؐ (یا قتال) سورۂ فتح اور سورۂ حجرات نفس مضمون کے اعتبار سے ایک مرتب مجموعہ ہے۔ جس میں اسلامی انقلاب کی تنظیم پر بحث کی گئی ہے۔ جس کے لیے بیرونی حملوں سے بچاؤ، کل قومی پھیلاؤ اور اندرونی معاشرتی زندگی کی تنظیم کے قوانین دیئے گئے ہیں۔

سورۂ محمد (یا قتال) ہجرت کے پہلے ہی سال جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی۔ اس میں آنے والی عربی جنگوں کی ضرورت کے پیش نظر میدان جنگ کے قوانین دیئے گئے ہیں۔

انیس سال کے تھوڑے عرصے میں یہ انقلابی جماعت ضبط اور نظم میں ترقی کر کے ایسی بے نظیر قوت ضبط کی مالک ہوگئی ہے کہ وہ صلح اور جنگ میں ایک ہی نظریے کے ماتحت کام کرنے کے قابل ہوگئی۔ یہ وہ حالت ہے جس میں اسے اللہ تعالیٰ نے بین الاقوامی پھیلاؤ (Expansion) کے قابل سمجھا۔ چنانچہ سورۂ فتح میں جو حدیبیہ سے واپسی پر راستے میں اتری، اس انقلابی جماعت کی اس اعلیٰ درجے کی حالت کا نقشہ کھینچ کر آنے والی بین الاقوامی جنگوں کی خبر دی گئی ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ ان جنگوں میں اس جماعت کا نظریہ کیا ہونا چاہیے۔

سورۂ حجرات میں غیر مصافی قانون (Civil Laws) اور معاشرت کی چند دفعات سکھائی گئی ہیں۔

سورۂ فتح کا مرکزی واقعہ

سورۂ فتح میں صلح حدیبیہ کے واقعات کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں۔ ان کی

تفصیل یہ ہے کہ ذی قعدہ 6 ھ میں حضرت نبی اکرم ﷺ نے ایک خواب دیکھا کہ گویا آپ اور مسلمان مکہ مکرمہ پہنچ گئے ہیں اور بیت اللہ کا طواف [1] کر رہے ہیں اس خواب کی کیفیت سن کر غریب الوطن مسلمان جو عرصے سے خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے بے تاب تھے' اور بھی بے چین ہوگئے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر آنحضرت ﷺ بھی عمرہ [2] کے لیے جانے پر تیار ہوگئے۔ آنحضرت ﷺ اور آپؐ کی جماعت ذی قعدہ 6ھ میں مدینہ منورہ سے نکلی۔

اس سفر میں آپ کے ساتھ پندرہ سو صحابہ تھے۔ (رضوان اللہ علیھم اجمعین) جن میں سے کچھ سوار تھے اور کچھ پیدل۔ جب آنحضرت ﷺ ذِی الحلیفہ کے گاؤں میں پہنچے تو آپؐ نے عمرے کا [3] احرام باندھا۔ اور قبیلہ خزاعہ کے ایک آدمی کو بطور جاسوس (Scout) بھیجا کہ قریش کی خبر لائے۔ چنانچہ جب آپؐ عسفان کے قریب پہنچے تو وہ سکاؤٹ واپس آیا۔ اور اس نے خبر دی کہ قریش آپؐ کو روکنے اور آپ سے لڑنے کے لیے جمع ہو رہے ہیں۔

جب حضرت نبی اکرم ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپنے صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ ہم کسی سے لڑنے کے لیے گھر سے نہیں نکلے۔ لیکن اگر کوئی ہمیں بیت اللہ (کعبہ) تک پہنچنے سے روکے گا تو اس سے لڑیں گے۔ یہ سن کر حضرت نبی اکرم ﷺ آگے بڑھے اور کچھ دور جا کر آپؐ نے فرمایا کہ خالد بن ولید غمیم میں ہے۔ ہم دائیں کو ہو چلیں۔ یہاں تک کہ آپؐ اپنی جماعت سمیت اس وادی تک پہنچ گئے جہاں سے مکہ کو جاتے ہیں۔ یہاں آپؐ کی اونٹنی یکایک ٹھہر گئی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر قریش مجھ سے کسی ایسی بات کا مطالبہ کریں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حرمات [4] کی تعظیم ہوتی ہوتو میں ان کی بات مان لوں گا۔ آگے بڑھ کر آنحضرت ﷺ حدیبیہ کے مقام پر اترے۔ یہاں سے مکہ صرف 19 میل تھا۔

یہاں سے آپؐ نے حضرت عثمانؓ بن عفان کو سفیر بنا کر قریش کے پاس بھیجا۔

---

[1] گرد گھومنا۔ یہ حج کی ایک رسم ہے (مرتب) [2] عمرہ چھوٹا حج جو حج کے مقررہ دنوں کے علاوہ کیا جاتا ہے۔ اس میں بھی حج کی اکثر رسمیں ادا کی جاتی ہیں۔ (مرتب) [3] وہ خاص بن سلا لباس جو حج کے دنوں میں پہنا جاتا ہے۔ (مرتب) [4] وہ جگہیں جن کی عزت کی جاتی ہے۔ (مرتب)

تا کہ انہیں خبر دیں کہ مسلمان صرف عمرہ ادا کرنے آئے ہیں۔ ساتھ ہی انہیں ہدایت کر دی کہ مکہ مکرمہ میں جو مسلمان چھپے چھپے رہتے ہیں ان سے بھی ملیں اور انہیں فتح کی خوشخبری دیں۔ اور انہیں اطمینان دلا دیں کہ مکہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے گا اور کسی کو اپنا ایمان چھپانے کی ضرورت نہ رہے گی۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ بلوح کے مقام پر قریش کی جماعت سے ملے اور پھر مکہ معظّمہ تشریف لے گئے۔

اس اثناء میں آنحضرت ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا گیا ہے۔ مسلمانوں پر اس خبر کا جو اثر پڑ سکتا تھا' وہ ظاہر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے کیکر کے ایک درخت کے نیچے تمام حاضرین سے اس امر پر اقرار لیا کہ اگر اب لڑنا پڑے تو ثابت قدم رہیں گے۔ مسلمانوں نے نہایت جوش و خروش کے ساتھ بیعت کی۔ سب سے پہلے حضرت ابو سنانؓ الاسدی نے بیعت کی۔ ایک صحابی حضرت سلمہؓ بن اکوع نے تین مرتبہ بیعت کی' یعنی شروع میں' بیچ میں اور آخر میں۔

یہ خبریں سن کر قریش کے ہوش جاتے رہے اور انہوں نے صلح کے لیے آدمی بھیجے۔ آخر ان باتوں پر صلح ہوگئی۔

(1) یہ صلح دس سال تک رہے گی۔

(2) جو قبیلے قریش سے ملنا چاہیں' قریش سے مل جائیں اور جو مسلمانوں سے ملنا چاہیں' مسلمانوں سے مل جائیں۔

(3) اگلے سال کعبہ کا طواف کر لیں۔

(4) اگر مکہ والوں میں سے کوئی شخص مسلمان ہو کر نبی اکرم ﷺ کے پاس چلا جائے تو اسے قریش کے طلب کرنے پر واپس کر دیا جائے اور اگر کوئی مسلمان قریش میں چلا گیا تو اسے واپس نہیں دیا جائے گا۔

اس شرط پر ابھی بحث ہو ہی رہی تھی کہ ایک مسلمان ابو جندلؓ بن سہیل مکہ سے آیا اور تمام مسلمانوں کے سامنے گر گیا۔ قریش کے سفیر نے معاہدے کی شرط کے مطابق اسے طلب کیا حالانکہ ابھی اس شرط پر بحث ہو رہی تھی۔ اس آخری شرط سے سب مسلمان سوائے حضرت ابوبکرؓ کے سخت پریشان ہوئے۔ اس پریشانی کی ترجمانی حضرت عمرؓ نے کی۔ آپ نے حضرت نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ:

''یا رسول اللہ! کیا آپ اللہ کے نبی نہیں ہیں؟''

آپؐ نے فرمایا:

''یقیناً''

پھر انہوں نے پوچھا کہ:

''کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن ناحق پر نہیں ہیں؟''

آپؐ نے فرمایا:

''یقیناً۔''

پھر حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ:

''کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم عنقریب بیت اللہ کا طواف کریں گے؟''

آپؐ نے فرمایا کہ:

''کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال کریں گے؟''

حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ:

''نہیں''

تو آپ نے فرمایا کہ:

''یقین رکھو ہم ضرور یہاں آئیں گے اور طواف کریں گے۔''

حضرت عمرؓ نے اسی قسم کی باتیں حضرت ابوبکرؓ سے بھی کیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے بھی وہی جوابات دیئے' جو آنحضرت ﷺ نے دیئے تھے۔ بلکہ یہ بھی فرمایا کہ آنحضرت جو بات فرمائیں اسے مرتے دم تک بے چون و چرا مانتے رہو۔ غرض یہ شرط منظور ہوگئی اور آنحضرت ﷺ نے ابو جندلؓ کو قریش کے سفیر کے حوالے کر دیا اور ''ابوجندل'' سے صرف اتنا فرمایا: ''ابو جندل! خدا تیری مصیبت دور کرنے کی کوئی نہ کوئی راہ نکال دے گا۔'' ابو جندلؓ نے صبر کے ساتھ اپنی مصیبت کو قبول کرلیا اور تمام مسلمان یہ تلخ گھونٹ پی کر بھی چپکے ہو رہے۔

ابھی حضرت نبی اکرم ﷺ حدیبیہ ہی میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ 80 آدمی کوہ نعیم سے صبح کے وقت اس ارادے سے اترے کہ مسلمانوں کو نماز کی حالت میں قتل کر دیں۔ یہ سب لوگ گرفتار کر لیے گئے۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے انہیں معاف کر کے رہا کرا دیا۔

اس معاہدے کے بعد آپ حدیبیہ سے مدینہ منورہ کو واپس تشریف لے گئے۔ راستے میں سورۂ فتح کی شروع کی آیتیں اتریں۔

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝١ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝٢ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ۝٣ (فتح:48:3-2-1)

ترجمہ: ہم نے تجھے کھلی فتح دی اور تیری پہلی لغزشیں اور پچھلی لغزشیں معاف کر دے اور اپنی نعمت تجھ پر تمام کر دے اور سیدھی راہ کی طرف تیری راہنمائی کرے اور تجھے زبردست مدد دے۔

اس پر حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ:

''یا رسول اللہؐ کیا یہ فتح ہے؟'' (یعنی حدیبیہ کا صلح نامہ)۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: ''ہاں یہی چیز ہے جسے فتح قرار دیا گیا ہے۔''

آپؐ مدینہ منورہ میں ذی الحجہ کے شروع میں واپس تشریف لے آئے۔ یہاں کوئی تین ہفتے ٹھہرے ہوں گے کہ محرم میں خیبر پر چڑھائی کر دی۔ اس معرکے میں صرف ان مسلمانوں کو شامل ہونے کی اجازت تھی جو حدیبیہ کے واقعے میں شریک رہ چکے تھے۔

صلح کا نتیجہ اور اثر

اس صلح کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں اور ان کے مخالفوں میں راہ و رسم بڑھا اور میل جول زیادہ ہوا تو اسلام کے متعلق غلط فہمیوں کے بادل چھٹنے لگے۔ اور لوگ مسلمانوں کے اچھے سلوک سے اثر لے کر مسلمان ہونے لگے۔ آنحضرت ﷺ نے صلح نامہ کی چوتھی شرط کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ ''مخالفین میں سے جو شخص مسلمان ہو کر شرط کے مطابق مخالف کیمپ میں بھیجا جائے گا' وہ ضرور وہاں بھی اپنا کام کرتا رہے گا۔'' چنانچہ حضرت ابو جندلؓ جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے' عین معاہدہ لکھے جانے کے وقت قریش کے حوالے کر دیئے گئے۔ انہیں مکہ معظّمہ لے جا کر قید کر دیا گیا۔ لیکن جو شخص ان کی نگرانی پر مقرر ہوتا وہ ان کے سمجھانے سے مسلمان ہو جاتا۔ اب دونوں مل کر تلقین

کرتے اس طرح ان قیدیوں کی تلقین سے تین سو کے قریب آدمی مسلمان ہو گئے۔ قریش مکہ نے بہتیرا چاہا کہ آنحضرت ﷺ معاہدے کی اس شرط کو توڑ کر ان مسلمانوں کو اپنے ہاں لے لیں۔ لیکن آپؐ نے معاہدہ توڑنا قبول نہ فرمایا۔ آخر قریش کو خود ہی ان مسلمانوں کو مکے سے نکال دینا پڑا۔

حدیبیہ میں اسلامی جماعت کے ضبط کا حال اوپر بیان ہو چکا۔ یہ لوگ تو آنحضرتؐ کے سامنے تھے۔ لیکن حضرت ابوجندلؓ آپؐ سے دور ہوتے ہوئے بھی جماعتی ضبط کے اتنے پابند نکلے کہ جب مدینہ منورہ کے مسلمانوں نے قرار دیا کہ ابو جندلؓ نے ابوالعاص مکی کے جس قافلے کو لوٹا ہے اس کا مال اسے واپس کر دیں تو انہوں نے اس فیصلے کی اطلاع پاتے ہی ابوالعاص کے قافلے کا سارا اسباب یہاں تک کہ رسی اور اونٹ کی مہار تک ابوالعاص کے حوالے کر دی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ابوالعاص سارا مال حقداروں تک پہنچا کر مسلمان ہو گیا!

غرض اس صلح کے نتیجے کے طور پر لوگ کثرت سے اسلام لانے لگے۔ چنانچہ جہاں حدیبیہ کے واقعے میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ پندرہ سو آدمی تھے وہاں ایک سال بیچ دے کر اگلے سال فتح مکہ کے وقت آپؐ کے ساتھ دس ہزار ''قدوسی''[1] تھے۔ یہ نتیجہ تھا اس بات کا کہ اب مسلمانوں کے بارے میں غلط فہمیوں کے بادل چھٹ رہے تھے۔ گویا اس صلح نے اسلام کی فتح کا دروازہ کھول دیا۔

=========

[1] یہ تورات کا لفظ ہے دیکھو کتاب استثناء باب 33 آیت 2 (مرتب)

سورۃ الفتح (48)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ﴿١﴾ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ
وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿٢﴾ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا
عَزِيزًا ﴿٣﴾ هُوَ الَّذِي أَنزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَّعَ
إِيمَانِهِمْ ط وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ط وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٤﴾
لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ
فِيهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ط وَكَانَ ذَٰلِكَ عِندَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٥﴾ وَيُعَذِّبَ
الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّانِّينَ بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءِ ط
عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ ج وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ط
وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿٦﴾ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ط وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا
حَكِيمًا ﴿٧﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿٨﴾ لِّتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ
وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ ط وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا
يُبَايِعُونَ اللَّهَ ط يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ج فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ج
وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٠﴾
سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ
لَنَا ج يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ط قُلْ فَمَن يَمْلِكُ لَكُم مِّنَ اللَّهِ
شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ط بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ
خَبِيرًا ﴿١١﴾ بَلْ ظَنَنتُمْ أَن لَّن يَنقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا
وَزُيِّنَ ذَٰلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَنتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ صلے وَكُنتُمْ قَوْمًا بُورًا ﴿١٢﴾ وَمَن لَّمْ
يُؤْمِن بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا ﴿١٣﴾ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضِ ط يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ط وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا
رَّحِيمًا ﴿١٤﴾ سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا
نَتَّبِعْكُمْ ج يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ط قُلْ لَّن تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ

مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۗ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٥﴾ قُلْ
لِّلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ
أَوْ يُسْلِمُونَ ۚ فَإِن تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا ۚ وَإِن تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُم
مِّن قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٦﴾ لَّيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى
الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ ۗ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ
جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ وَمَن يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٧﴾
لَّقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي
قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ﴿١٨﴾ وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً
يَأْخُذُونَهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٩﴾ وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً
تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هَٰذِهِ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنكُمْ ۚ وَلِتَكُونَ آيَةً
لِّلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿٢٠﴾ وَأُخْرَىٰ لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ
أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ﴿٢١﴾ وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ
كَفَرُوا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿٢٢﴾ سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ
خَلَتْ مِن قَبْلُ ۚ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ﴿٢٣﴾ وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ
عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ
اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿٢٤﴾ هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَن يَبْلُغَ مَحِلَّهُ ۗ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ
تَعْلَمُوهُمْ أَن تَطَئُوهُمْ فَتُصِيبَكُم مِّنْهُم مَّعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِّيُدْخِلَ اللَّهُ فِي
رَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٢٥﴾ إِذْ
جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنزَلَ اللَّهُ
سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ
بِهَا وَأَهْلَهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٢٦﴾

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ
اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ
تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿٢٧﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ
بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿٢٨﴾ مُحَمَّدٌ
رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا
سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۫ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ
السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۖۛ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ
شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ
الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا
عَظِيْمًا ﴿٢٩﴾ ع

تفسیر سورت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قومی انقلاب

آیت نمبر 1: اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''ہم نے تجھے کھلی فتح دی۔''

جو صلح فتح کی قائم مقام ہو' وہ جماعت کی مضبوط تنظیم پر موقوف ہوتی ہے۔

انقلاب کیا ہے؟

ایک استاد ایک نیا فکر لے کر اٹھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے اسے سیدھی راہ دکھاتا ہے اور کام کرنے کا صحیح طریقہ سمجھاتا ہے۔ وہ اس تعلیم ہی کے ذریعے سے ایک نظام پیدا کر لیتا ہے۔ جس سے وہ دنیا سے ہر قسم کا ظلم دور کر کے انسانوں کے تعلقات خدا کے ساتھ قائم کرنے کے موقعے بہم پہنچاتا ہے۔ رفتہ رفتہ اس کا مضبوط نظام' جس میں ایک فرد اپنا سب کچھ اس نظام پر قربان کرنے کو تیار ہے' باطل پر غالب آ جاتا ہے۔ یہی انقلاب ہے۔

مسلمانوں کی مضبوط پوزیشن

اس وقت جب حدیبیہ کے مقام پر دونوں جماعتیں ملیں' دونوں کی کیا حالت تھی؟ تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں کا نظام نہایت مضبوط تھا۔ ان میں ضبط (Discipline) اور اطاعت (Obedience) انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ اس کے برخلاف اہل مکہ کمزور تھے۔ ان کے بڑے بڑے سردار مر چکے تھے۔ اور اب اہل مکہ مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ فوجی نقطۂ نگاہ سے بھی مسلمانوں کی پوزیشن مضبوط تھی۔ کیونکہ وہ اچانک مکہ کے

عین پاس پہنچ چکے تھے۔ ان باتوں کے ہوتے ہوئے جب مکہ والوں نے صلح پیش کی تو حضرت نبی اکرم ﷺ نے وہ شرطیں جھٹ مان لیں۔ رفتہ رفتہ عام مسلمانوں نے بھی انہیں قبول کر لیا۔ یہ قبولیت ان کے اندرونی نظام کی قوت کے سبب سے تھی۔ نہ اس لیے کہ سب مسلمان صلح کی حکمت کو سمجھ گئے تھے۔ اس صورت میں یہ صلح قیامت تک مسلمانوں کے لیے فخر کا سبب گنی جائے گی۔ اس سے جو فائدے نکلے انہوں نے مخالفوں کو بھی سمجھا دیا کہ اسلامی نظام میں کیا کیا خوبیاں ہیں۔ اور اس کے نیچے کیا کیا دانائیاں چھپی ہوئی ہیں۔

جنگوں کا نقصان

اب تک اہل اسلام اور اہل مکہ کے درمیان جو جنگیں ہوئیں ان کی وجہ سے اہل مکہ ان فائدوں پر غور نہیں کر سکے تھے جو اسلام کا انقلاب قبول کرنے سے حاصل ہو سکتے تھے۔ اس مطالعے کے لیے انہیں نہ وقت ملا تھا' نہ آسانیاں حاصل ہوئی تھیں۔ اس صلح کے بعد ان لوگوں کا مسلمانوں کے ساتھ میل جول بڑھا تو انہوں نے مسلمانوں کے مستقبل کو سوچنا شروع کیا۔ اور انہیں وہ فائدے نظر آئے جو جنگ اور نفرت کے گرد و غبار میں سے نظر نہ آ سکتے تھے۔ اب اچھے اچھے اہل مکہ اسلام لے آئے اور اس طرح قرآنی انقلاب کو ایسے کام کے آدمی مل گئے جنہوں نے آگے چل کر نہایت شاندار تعمیری کارنامے کیے۔

صلح کا فائدہ

یہاں ایک اور بات بھی سوچنے کے لائق ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ قریشِ مکہ عرب میں مرکزی حیثیت رکھتے تھے۔ اگر ان کی اجتماعیت نہ ٹوٹتی اور کسی وجہ سے اپنے پہلے فکر سمیت اسلام میں داخل ہو جاتے' تو اپنے قدیم (مشرکانہ) فکر پر نئی اجتماعیت پیدا کر کے اسلام کے اندر ایک مستقل کھینچا تانی کا باعث بنتے۔ لیکن اس صلح کے بعد انہوں نے اسلام کا مطالعہ کیا۔ اسے عام انسانیت کے لیے مفید سمجھا۔ اس لیے انہوں نے اپنے قدیم خیالات چھوڑ کر اسلام کا نظریہ لے لیا اور اس کی مضبوطی کا سبب بنے۔ یہی وجہ ہے کہ اس صلح کو فتح سے تعبیر کیا گیا ہے۔

آیت نمبر 2: (الف) لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ

ترجمہ: ''تاکہ تیری پہلی لغزشیں اور پچھلی لغزشیں معاف کرے۔''

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو ان کی پہلی اور پچھلی غلطیوں کی معافی کی اطلاع دی جا رہی ہے۔ جو لوگ نبیوں کو عام طور پر اور آنحضرت ﷺ کو خاص طور پر معصوم (1) مانتے ہیں اور عقلی طور پر اس کے سوا چارہ نہیں کہ انہیں معصوم مانا جائے۔ ان کے لیے یہ دماغ میں چبھنے والا فکر ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی دو حیثیتیں

ہم اس ''معافی'' کے مسئلے کو اس طرح حل کرتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم ﷺ قریش پر حملہ کرنے کے لیے آئے ہی نہیں' بلکہ ان کی کمی پوری کرنے اور تعلیم دینے کے لیے آئے ہیں۔ چنانچہ امام ولی اللہ دہلویؒ تفہیمات الٰہیہ جلد اول ص 249 میں فرماتے ہیں کہ:

''واضح رہے کہ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ میں دو خصوصیتیں جمع ہوگئی ہیں۔

(1) نبوت عامہ (2) قریش کی سعادت کا سبب

آپ کی نبوت میں مفہمیت (2) کی تمام قسمیں آ گئی ہیں۔ اس سے ہر ایک رنگ دار اور گوری قوم کو فیض پہنچتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب (حکمت الٰہی کی) مصلحت کلی (3) کا تقاضا ہوا کہ ترکوں کی سلطنت عام طور پر پھیل جائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توجہ اسلام قبول کرنے کی طرف پھیر دی۔

باقی رہی قریش کی سعادت تو ان کی لمبی حکومت کی وجہ یہی سعادت تھی۔

---

(1) جس سے کوئی غلطی نہ ہوسکتی ہو۔ (مرتب)

(2) جسے خدا کی طرف سے کوئی بات سمجھائی جائے۔ اسے مفہم کہتے ہیں۔ امام صاحبؒ کے نزدیک اس کے کئی درجے ہیں۔ ان میں معمولی القاء سے لے کر صاف لفظ وحی تک سب آتے ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھو حجتہ اللہ البالغہ جلد اول ص 84۔

(3) سب انسانوں کو فائدہ پہنچانے والی چیز یا بات۔

میرا وجدان گواہی دیتا ہے کہ اگر کسی سیاسی انقلاب کا تقاضا یہ ہوا کہ ہندوستان کے ہندو مستقل عمومی حکومت (1) پیدا کریں۔ تو یقیناً قانون الٰہی کا فیصلہ یہ ہوگا کہ ہندو لیڈر اسلام قبول کرلیں۔ جیسے ترکوں نے قبول کرلیا تھا۔ کیونکہ جناب نبی اکرم ﷺ کی نبوت کی عمومیت اور آپ کے صاحب ملت ہونے کا یہی طبعی تقاضا ہے۔

حضرت نبی اکرم ﷺ کے کلام کے ایک سے زیادہ پہلو ہیں۔ کبھی تو آپ نبی ہونے کی حیثیت سے کلام فرماتے ہیں' کبھی اس حیثیت سے کہ آپ قریش کی سعادت کا ذریعہ ہیں۔'' (تفہیم نمبر 69)

اسی فکر کو حجتہ اللہ البالغہ' جلد اول ص 124 اور ص 128 میں یوں ظاہر فرماتے ہیں:

''واضح رہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ ملت حنیفیّہ اسماعیلیہ میں پڑی ہوئی کجی کو ٹھیک کرنے' اس کی بگڑی ہوئی شکل کو صاف کرنے اور اس کا نور پھیلانے کے لیے تشریف لائے۔ جب حقیقت یہ ٹھہری' تو لازم آیا کہ اس ملت کے اصول تو قائم رکھے جائیں اور اس کے طریقے نہ ہٹائے جائیں۔ کیونکہ جب نبی اپنی قوم کی طرف مقرر ہو کر آتا ہے تو اس قوم میں کچھ اچھے طور طریقے باقی ہوں تو وہ انہیں نہیں بدلتا۔ کیونکہ ان کو بدلنا بالکل بے معنی ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے بھی ملت حنیفیہ اسماعیلیہ کی شریعت پر نظر ڈالی تو جو چیز حضرت اسماعیلؑ کے اصل طریقے پر دیکھی اسے باقی رہنے دیا اور جو چیز بدل چکی تھی اور جس میں فساد اور خرابی آچکی تھی اسے ہٹا دیا۔ آپ نے ملت حنیفیہ کی اشاعت کے بے حد کوشش کی کہ یہ قانون تمام قوموں پر غالب آجائے۔ اس سلسلے میں ملت حنیفیہ میں جو تحریفات (2) دیکھیں ان کو مٹا دیا اور بڑے زور سے ان کی نفی کی۔ اور جو ارتفاقات (3) صحیح تھے انہیں قائم رکھا۔ اور ان پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ ان میں جو خراب رسمیں آگئی تھیں۔ ان سے روکا اور جبراً منع کیا۔

1۔ ایسی حکومت جس کی بنیاد قومیت کی جگہ انسانیت پر ہو۔ (مرتب)

2۔ تبدیلیاں

3۔ زندگی گزارنے کے طور طریقے

اور اس ملت کے اصول پر بین الاقوامی حکومت قائم کی۔ اور جو لوگ اس بارے میں آپ کے ساتھ شریک ہوئے ان کی مدد سے جنگیں بھی کیں۔ یہاں تک کہ مخالفین کی مخالفت دھری کی دھری رہ گئی اور خدا کا قانون سب قوموں میں چل کر رہا۔" (ملخصاً)

اور الخیرالکثیر میں فرماتے ہیں کہ:

"حضرت ہود علیہ السلام ، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کی طرح حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی پہلی حیثیت میں اپنی قوم کے لیے نبی بن کر آئے۔ جب اس پر ایک زمانہ گزر گیا تو آپؐ کی قوتیں چودھویں کے چاند کی جگہ سورج بن کر چمکنے لگیں۔ پھر ایک اور ترقی ہوئی کہ آپ کی شان کو پورا پورا کمال حاصل ہوا جس سے اوپر کوئی کمال نہیں ہے۔ اب آپ کرۂ زمین کے ہر ایک گوشے کے امام بنائے گئے۔" (الخیرالکثیر، ص 261/الخزانۃ السادسہ)

آپ کی ان دو حیثیتوں کی حکمت "حجۃ اللہ البالغہ" میں یوں بیان فرماتے ہیں:

"جو امام سب قوموں کو اپنی ملت پر جمع کرنے کے لیے اٹھتا ہے وہ پہلے ایک قوم کو صحیح اصول کی دعوت دیتا ہے۔ انہیں غلط کاریوں سے پاک کرتا ہے۔ ان کی حالت درست کرتا ہے۔ اور پھر انہیں اپنا دست و بازو بنا کر دنیا کی سب قوموں سے جنگ کرتا ہے۔ اور اپنی قوم کے لوگوں کو سب قوموں کے اندر پھیلا دیتا ہے۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ کسی امام کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اکیلا سب قوموں سے جنگ کرتا پھرے۔" (حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص 118، باب الحاجہ الی دین ینسخ الادیان)

اس اصول نے حضرت نبی اکرم ﷺ کی مبارک زندگی میں کس طرح کام کیا؟ اس کی تشریح آگے چل کر حجۃ اللہ البالغہ میں ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"مہاجرین اور انصار کی پہلی جماعت' قریش اور ان کے اردگرد کے قبیلوں کے اسلام میں داخل ہونے کا سبب بنی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان

عربوں کے ہاتھوں عراق اور شام فتح کرایا۔ کیونکہ ان علاقوں میں عرب عنصر موجود تھا۔ اسے اپنی اپنی اقوام کے اندر عربی اسلامی انقلاب کے لیے تیار کیا گیا۔ پھر ان عراقیوں کے ہاتھوں ایران' اور شامیوں کے ہاتھوں روم فتح کرائے (کیونکہ انہیں ان علاقوں کے باشندوں سے مناسبت تھی)' پھر ایرانیوں کی مدد سے ہندوستان اور ترکستان' اور رومیوں کی مدد سے حبشہ وغیرہ کے علاقے فتح کرائے۔''

معلم منتقم نہیں ہوسکتا

واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل جو عرصے تک ابراہیمی دعوت کے حامل رہے' اس اونچے رتبے سے گر چکے ہیں۔ اور حکمت الٰہی قریش یعنی بنی اسماعیل کو اس دعوت کا مرکز بنانے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ اور اب وقت آ گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جو دعا کی تھی: رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ (129:2) (یعنی اے ہمارے پروردگار! ہم نے جس امت مسلمہ کو اپنی نسل سے اٹھانے کی دعا کی ہے ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیج)' وہ پوری ہو۔ قریش میں بھی اس دعوت کے اصل مدعا پر ایمان موجود تھا۔ وہ بھی سمجھتے تھے کہ ہمارا وجود ابراہیمی دعوت کے اظہار کے لیے کمال رکھتا ہے۔ مگر جہالتوں کے سبب وہ بہت سی غلط باتیں اختیار کر چکے تھے۔ ان غلطیوں کو دور کرنا' ان کے اخلاق سنوارنا' انہیں صحیح ابراہیمی طریقہ ذہن نشین کرانا' پھر اس کی حکمت اور حکمت کے اندر قانون سازی سکھانا، تاکہ ساری دنیا کی مختلف قوموں میں یہ طریقہ ''امام'' کے طور پر مان لیا جائے' سب باتیں رسول اکرم ﷺ کے فرض منصبی میں داخل ہیں۔ اب اگر قریش غلطی کرتے ہیں اور آپؐ کے ساتھ جہالت اور نادانی کا معاملہ کرتے ہیں تو یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں جن نبیوں کا ذکر آیا ہے ان کے حالات میں ان کی قوموں کا یہی سلوک دکھایا گیا ہے۔ اس لیے حضرت نبی کریم ﷺ کو قریش کے مقابلے میں انتقامی جذبہ پیدا کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ آپ معلم (استاد) ہیں۔ آپ کے فرض منصبی کا تقاضا ہی یہ ہے کہ آپ

قریش کو معاف کرتے رہیں کیونکہ انتقام اور تعلیم جمع نہیں ہوسکتے۔ جونہی استاد میں انتقامی جذبہ پیدا ہوا اس کی شان معلّمی ختم ہوئی۔(1)

جماعت میں جذبہ انتقام:

لیکن رسول اکرم ﷺ ایک جماعت کے امام اور ایک پارٹی کے مرکز بھی ہیں۔وہ جماعت یکا یک اس بلند اخلاقی سطح(Level /Stage) پرنہیں آ سکتی۔ان کے لیے یہی عام قاعدہ ہوسکتا ہے کہ وَاِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ بِهٖ (اگر بدلہ لوتو بدلہ لواسی قدر جس قدر تمہیں تکلیف پہنچائی جائے)(نحل126:16)۔ وہ رفتہ رفتہ اس سطح سے اونچی اٹھے گی۔اس لیے یوں فرض کر لینا کہ آپ کے ساتھیوں میں سے کسی کے دل میں انتقامی جذبہ پیدا نہ ہوگا، فطرت انسانی کا غلط اندازہ لگانا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ کومعلوم ہو جائے کہ آپ کے ساتھیوں میں سے فلاں شخص قریش کی جہالت کا انتقامی جواب دینا چاہتا ہے۔اس وقت آپؐ کا اس پر خاموش رہنا اور اسے اس امر سے نہ روکنا کیا آپؐ کواس کے فعل کا ایک حد تک ذمہ دارنہیں بنا دیتا؟ لیکن سوسائٹی میں یہ ناممکن ہے کہ کسی شخص کواس کی طبعی رفتار سے ترقی کرنے سے روکا جائے۔ایک شخص انتقامی جذبے سے جواب دیتا ہے وہ آخر تک پہنچ لے تو اس کے بعد تو درست کرنا ممکن ہے۔لیکن اگراس کے انتقامی جذبے ہی کو کچل دیا جائے تو وہ اپنی فطری تکمیل سے عاجز آ جائے گا۔اس کی تکمیل کی بہترین سبیل یہی ہے کہ اسے موقعہ دیا جائے کہ وہ اپنا کام پورا کرلے۔آخر میں اسے سمجھا دیا جائے گا کہ تم نے غلطی کی۔اس کی تلافی کرو۔اس طرح اسے اعتدال پر لانا ممکن ہے۔لیکن اس کی شخصیت میں سے انتقام کا جذبہ ہی نکال ڈالنا ممکن نہیں۔

جماعتی غلطیوں کی ذمہ داری لیڈر پر

رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں میں' مثال کے طور پر' حضرت عمرؓ ہیں۔ وہ ایک

(1) قرآن حکیم میں ہے کہ واصبر وما صبرک الا باللّٰہ ولا تحزن علیھم ولا تک فی ضیقٍ مما یمکرون (سورۂ نحل127:16)(اورتو صبر کراور تجھ سے صبر ہو سکے اللہ ہی کی مدد سے اوران پرغم نہ کھا اورتنگ مت ہوان کے فریب سے)(مرتب)

خاص شان رکھتے ہیں۔ ان کی فطرت یہ ہے کہ اگر ان سے کوئی زیادتی کرے تو وہ دس گنا زیادتی کر کے اس کا جواب دیں گے۔ یہ تو ممکن ہے کہ انہیں زیادہ انتقام لینے سے روک دیا جائے۔ لیکن یہ ناممکن ہے کہ انہیں نفس انتقام ہی سے باز رکھا جائے۔

کیا حضرت عمرؓ کے کاموں میں حضرت نبی اکرم ﷺ کی شرکت نہیں مانی جائے گی؟ اور کیا آپؐ ان کے ایک حد تک ذمہ دار قرار نہیں پائیں گے؟

یہ ہے ذُنب اور اس کا تدارک کرنا اس کی معافی کا سبب ہے۔

صلح میں ایک پوشیدہ حکمت

مسلمان دراصل عمرے کے لیے نکلے تھے۔ لیکن دشمن اسے ظاہری صورت کے لحاظ سے جنگی چال قرار دے سکتا تھا۔ کیا چپکے سے شہر میں داخل ہو کر قبضہ کر لینا لڑائی کی چال نہیں ہے؟ (1) اس لیے قریش کا آپؐ کو روکنا ایک حد تک حق بجانب تھا۔ اور اس پر حضرت عمرؓ کا برہم ہونا بھی طبعی چیز تھی۔ اب اگر رسول اللہ ﷺ حضرت عمرؓ کے طرف دار ہو جاتے تو لڑائی قطعی طور پر ہو کر رہتی۔ اور اگر لڑائی ہو جاتی تو نہ صرف قریش کا آنحضرت ﷺ کے ساتھ مل کر کام کرنا قیامت تک ناممکن ہو جاتا' جس سے آپؐ کی فطرت کی تکمیل اس طریق پر نہ ہوتی جس کے لیے قدرت نے آپ کو پیدا کیا تھا' بلکہ مسلمانوں کی ان خفیہ جماعتوں کو بھی نقصان پہنچ جاتا جو مکے میں موجود تھیں (ان کی تفصیل آگے آتی ہے)

صلح کا جواز

اسلام جس انقلاب کا نام ہے۔ اس میں دفاع (Defence) بھی ہے اور ہجوم اور اقدام (Offence) بھی۔ دفاعی جنگ سے تو کوئی منکر ہو ہی نہیں سکتا۔ اور اس

(1) مشہور یونانی شاعر ہومر (Homer) ٹرائے (Troy) کے شہر کی فتح کا حال لکھتے ہوئے یونانیوں کی اس چال کا ذکر کرتا ہے جس میں انہوں نے ایک بڑا لکڑی کا گھوڑا بنایا اور پھر بہت سے یونانی نوجوان رات کے وقت اس کے پیٹ میں گھس بیٹھے۔ ٹرائے (Troy) والے اس گھوڑے کو گھسیٹ کر اپنے شہر کے اندر لے گئے۔ رات کے وقت یہ نوجوان گھوڑے کے پیٹ میں سے نکل پڑے اور شہر پر قبضہ کر لیا۔ (مرتب)

میں حملہ آور کو جو نقصان پہنچے اس کی ذمہ داری مدافعت کرنے والوں پر عائد ہوتی ہی نہیں، لیکن ہجومی جنگ (Offensive War) میں ہجوم کرنے والوں پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ خصوصاً جب انقلاب اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہو۔ ان ہجومی حملوں میں مخالفین کا جو نقصان ہوگا اس کی ذمہ داری سے حملہ آور بچ نہیں سکتے۔ لیکن قرآن حکیم اس ذمہ داری کو ایک اونچی سطح پر لاتا ہے' اور وہ یہ کہ کیا ان حملہ آوروں کا مقصد لوٹ مار اور فتح تھا؟ اس کا صاف جواب یہ ہے کہ نہیں۔ کیونکہ اگر مسلمانوں کا مقصد اب اور پہلے فتح و غارت گری ہوتا تو وہ حدیبیہ کے واقعے میں' جب وہ مکہ والوں سے یقیناً زیادہ طاقتور تھے دب کر صلح نہ کرتے۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ قرآنی انقلاب کا منشا لوٹ مار اور فتح نہیں اور نہ وہ کسی امپیریلزم (Imperialism) کا حامی ہے۔ جسے دوسروں پر جبراً ٹھونستا پھرے۔

اس موقعے پر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اتنی سمجھ دی اور اتنا دل گردہ عطا فرمایا کہ تنہا ساری جماعت کے فیصلے کے خلاف ڈٹ گئے' اور قریش کی تمام شرطیں صرف اس لیے مان لیں کہ وہ بیت اللہ کی عزت کرانا چاہتے تھے۔ کیا آپؐ کے مشن کا مقصد یہ نہ تھا کہ ابراہیمی طریقہ رائج کیا جائے؟ جب قریش اس دین کے مرکز کی عزت کے لیے شرطیں پیش کرتے ہیں' چاہے وہ کیسی بھی نامعقول شکل میں ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ انہیں مان نہ لیا جائے۔ لیکن جماعت میں یہ سمجھ عام طور پر نہیں آ سکتی تھی۔ اس لیے قریش جارحانہ حملہ آور (Aggressors) کی شکل میں سامنے آئے ہیں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ صلح کی تجویز پیش کرنا ہی بڑی جرأت اور ہمت کا کام تھا۔ صرف ایک حضرت ابوبکرؓ تھے جو حضرت نبی اکرم ﷺ کے ساتھ متفق ہوئے۔ وہ آپ کی سوسائٹی میں نہایت سمجھدار اور اثر والے بزرگ تھے۔ ان کی سمجھ سب میں سرایت کرگئی' جس نے سب کو ٹھیک کرلیا۔ اور فیصلہ وہ ہوا جس سے قریش رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ملنے پر تیار ہوگئے۔

پچھلی ''غلطیوں'' کا ازالہ

جب میل ملاپ بڑھا تو قریش کو معلوم ہوا کہ آپؐ میں کوئی انتقامی جذبہ ہی نہیں۔ اور نہ آپ کا مقصد اپنا امپریلزم قائم کرنا ہے۔ جہاں ظاہر میں انتقام کی صورت نظر آتی تھی، وہاں بھی اصل میں رحمت ہی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ لوگ جو آپ کی جان کے لاگو تھے' اب آپ پر جان قربان کرنے کو تیار ہوگئے۔ بعد میں آپؐ کی تحریک کو عرب میں جو ترقی حاصل ہوئی اور قریش نے حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت تک جو کام کیا اور صرف رسول اللہ ﷺ کے اشارے کے ماتحت رہے' وہ سب اسی فیصلے کی برکت تھی جو حدیبیہ میں ہوا۔

غرض اسلامی انقلاب سے جو فائدے حاصل ہوئے تھے ان کا منبع حضرت نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارک اور آپ کے قریب ترین ساتھی تھے اور اس صلح نے ثابت کر دیا کہ آپؐ ذاتی طور پر فتح اور شکست اور لوٹ مار کے خیال سے بہت اونچے ہیں۔ لیکن آپؐ کی انقلابی جماعت کے اَور کارکن آپ کی طرح غلطی کرنے سے پاک نہیں تھے۔ ان سے جو غلطیاں سرزد ہوئیں' اس صلح نے آپؐ کو ان سے بھی بری ثابت کر دیا۔ اور یہ بھی دکھا دیا کہ آپؐ کے ساتھیوں کی غلطیاں بھی عام غارت گر جماعتوں کی خودغرضانہ غلطیوں سے زیادہ اونچی طرز کی تھیں۔ آگے چل کر آپؐ کے ساتھیوں کے اس کریکٹر پر مزید روشنی ڈالی جائے گی۔

اگلی ''غلطیوں'' کا ازالہ

قریش کے ساتھ آئندہ جو معاملات پیش آئیں گے ان میں بھی انتقامی صورتیں اسی طرح آئیں گی، جس طرح پہلے آ چکی ہیں۔ وہ بھی سب ظاہر ہیں۔ ''ذنب'' ہوں گی۔ لیکن اس واقعہ نے جس طرح پہلی نام نہاد غلطیوں کے متعلق تمام شبہے دور کر دیئے اور انتقام کا الزام آپؐ پر سے دھو دیا۔ اسی طرح آئندہ بھی جو شخص ظاہری انتقامی شکلوں کو اس فیصلے کی طرح سامنے رکھ کر دیکھے گا' وہ سوچ ہی نہیں سکے گا کہ رسول اللہ

ﷺ قریش کے لیے کوئی انتقامی فکر پیدا کر سکتے تھے۔ اس طرح آئندہ انتقامی صورتیں بھی اس واقعے کی روشنی میں صاف ہو جائیں گی۔ اور نام نہاد ''ذنب'' کا گمان کلیۃً زائل ہو جائے گا۔

جس قوم کے ساتھ تم اب مل کر کام کرنا چاہتے ہو اس کی یہ نظیر ہے۔

انسان کی ارتفاقی زندگی اور انتقام

امام ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت کا یہ ایک ادنیٰ حصہ ہے کہ انسان ارتفاقات (1) کی ترقی سے اپنی حیوانیت کی تکمیل کرتا ہے۔ اس تمام عمل کے نیچے انسان کی عقلیت یا ملکیت کام کرتی ہے۔ ارتفاقی زندگی میں پہلی منزل گھر کی زندگی ہے۔ گھریلو زندگی میں انتقامی جذبے کے ماتحت کوئی ترقی نہیں ہوسکتی اور نہ گھر کے لوگوں کو شتر بے مہار کی طرح چھوڑ کر کوئی کام ہوسکتا ہے۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ ایک بادشاہ کی اطاعت کر رہے ہیں مگر بادشاہ کون ہے؟ باپ میں انتقام نہیں ہوتا، صرف رحمت اور محبت ہوتی ہے۔ مگر بادشاہ کے حکم میں انتقام آتا ہے۔ جب ایک ہی شخص بادشاہ بھی ہو اور باپ بھی ہو تو صورت یہ ہوگی کہ ظاہر میں انتقام ہوگا لیکن اندر سے رحمت اور محبت۔ اس طرح خانگی زندگی ترقی کرے گی۔ محلے، گاؤں، شہر، ملک اور ممالک یا بین الاقوامی زندگی میں بھی اسی طرح ترقی کرنی چاہیے۔ اگر انتقام کی صورت آجائے تو کوئی ہرج نہیں مگر انتقام کی سپرٹ نہ ہو۔ جب مخالف لوگ ہمارے ساتھ مل کر بیٹھیں تو انہیں معلوم ہو کہ وہ انتقام نہیں تھا بلکہ رحمت تھی۔ جب کوئی تحریک اس انداز پر ترقی کرتی ہے وہ انسانیت میں جائے گیر ہو جاتی ہے۔

جن لوگوں نے اسلام کو فقط فاتحانہ انداز میں بند کر دیا ہے' یعنی لڑے اور فتح پائی تو یہ اسلام ہے' اور شکست کھا گئے تو کفر ہے۔ وہ کبھی اسلام کو دنیا میں کامیاب نہیں بنا سکتے۔ جب تک فتح و شکست میں ایک ہی جذبہ --- محبت اور رحمت --- کام نہ کر رہا ہو۔ اور اس کے نیچے فائدہ پہنچانا اور خدمت کرنا نظر کے سامنے نہ ہو' اس وقت تک

(1) زندگی بسر کرنے کے طور طریقے۔ (مرتب)

اسلام مکمل نہیں ہوتا(1) مگر لوگوں نے رسول ﷺ کو ایسی ہستی بنا رکھا ہے جس کے کسی فعل یا نمونے کی پیروی ممکن ہی نہیں۔ اس طرح وہ ایک نمونہ جو ساری انسانیت کے لیے پیش(2) کیا گیا تھا، نظروں سے اوجھل کر دیا گیا۔

''اتمام نعمت'' سے کیا مراد ہے؟

(ب) **وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ** ترجمہ: ''اور اپنی نعمت تجھ پر تمام کرے۔''

قریش جو تیری اپنی قوم ہے وہی تیرے دست و بازو بن کر کام کریں گے اور دعوت ابراہیم کو دنیا میں اونچے درجے پر غالب کریں گے یعنی اسے بین الاقوامی مرکز میں لا کر غلبہ دیں گے۔

''اتمام نعمت'' کے معنوں کے لیے امام ولی اللہ دہلویؒ کی وہ تشریح دیکھنی چاہیے جو وہ ''بین الاقوامی سیاست'' کے عنوان سے حجۃ اللہ البالغہ میں کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

فلما کثر ذٰلک فی الملوک اضطروا الٰی الخلیفۃ وھو من حصل لہ من العساکر والعدد مایرٰی کالممتنع ان یسلب رجل اٰخر ملکہ فانہ انما یتصور بعد بلاءٍ عامٍ وجھدٍ کبیرٍ و اجتماعاتٍ کثیرۃٍ وبذل اموالٍ خطیرۃٍ تتقاصر الانفس دونھا وتحیلہ العادۃ واذا وجد الخلیفۃ واحسن السیرۃ فی الارض وخضعت لہ الجبابرۃ انقادلہ الملوک تمت النعمۃ

(حجۃ اللہ البالغہ الجزء الاول' باب مبحث الارتفاقات' ص 47)

''یعنی جب قومی بادشاہوں میں حسد اور بغض بڑھ گیا تو انسانوں کو

---

(1) حضرت نبی اکرم ﷺ نے احد کے ایک معرکے میں شکست کھا کر دانت شہید کراتے ہوئے فرمایا رب اغفر قومی انھم لا یعلمون (خدایا میری قوم کو بخش دے یہ لوگ مجھے پہچانتے نہیں۔) یہ تھا جذبۂ محبت و اُلفت جس نے حدیبیہ کے بعد آپؐ کے مخالفین کے دلوں میں بھی اثر کیا۔ اور ثابت کر دیا کہ آپ معلم اور باپ ہیں، منتقم اور فاتح نہیں (مرتب)

(2) لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ (تمہارے لیے اللہ کا یہ رسول ایک نمونہ ہے) (سورة احزاب 21:33)

خواہی نخواہی ایسے خلیفہ کی ضرورت پڑی جسے فوج اور سامان جنگ کی اتنی کثرت حاصل ہو کہ کسی شخص کا اس سے ملک چھین لینا ناممکن کے قریب ہو۔ کیونکہ ایسے بادشاہ سے ملک کا چھیننا اسی صورت میں تصور میں آتا ہے جب اس کے سب ملکوں میں عام بغاوت پیدا ہو جائے اور اسے ملک داری سے ہٹانے کے لیے بہت ہی کوشش کی جائے۔ بڑے بڑے اجتماعات کیئے جائیں اور بے انتہا روپیہ صرف کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اتنی کوشش سے عام انسان عاجز ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسے ناممکن کے قریب سمجھا جاتا ہے کہ ایسے بادشاہ کو اس کے عہدے سے ہٹایا جائے۔ جب ایسا خلیفہ قائم ہو جائے اور اس کی سیرت بھی اچھی ہو اور بڑے بڑے زبردست لوگ اس کے تابع ہو جائیں اور اردگرد کے تمام بادشاہ اس کی اطاعت اختیار کرلیں تو سمجھنا چاہیے کہ نعمت انتہا کو پہنچ گئی۔"

گویا حضرت امامؒ کے نزدیک بین الاقوامی غلبہ ہی کا نام اتمامِ نعمت ہے۔

سیدھی راہ

(ج) وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ترجمہ: "اور تجھے سیدھی راہ چلائے۔"

رسول اللہ ﷺ کی کامیابی کا صحیح پروگرام یہ ہے کہ قریش آپؐ کی تعلیم کے خادم بنیں۔ اور آپؐ کے اصول پر جو حکومت پیدا ہو' اسے چلائیں۔ تاکہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی دعا عمل میں آئے۔

ان کی دعا کے الفاظ یہ ہیں:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٢٧﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٢٨﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾ (البقرہ 2:127-129)

ترجمہ: ''اے ہمارے رب! (اسے) قبول فرما۔ بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب ! ہم دونوں کو اپنا تابع بنائے رکھ اور ہماری نسل سے ایک ایسی امت پیدا کر جو تیرے حکموں کے نیچے رہ کر زندگی بسر کرے۔ اور ہمیں مناسک سکھا اور ہم پر رحم فرما۔ تو رحمت کرنے والا مہربانی کرنے والا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! ہماری اس نسل میں (جس کی ہم نے دعا کی ہے) انہی میں سے ایک (ایسا) رسول پیدا کر جو انہیں تیرے حکم پڑھ کر سنائے۔ قانون سکھائے (اس قانون کی) حکمت بتائے اور انہیں پاک کرے بے شک تو عزت دینے والا حکمت دینے والا ہے۔''

اگر یہ صورت پیدا نہ ہو اور آپؐ دوسری قوموں کی مدد سے اپنا پروگرام کامیاب بنا کر دکھا دیں۔ تو گو آپؐ انسانیت پر ایک بہت بڑا احسان کرنے والے گنے جائیں گے۔لیکن ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی دعا کا مصداق نہ ٹھہریں گے۔ پہلے نبیوں کی برکتوں کا مصداق بننا تو اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ آپؐ قریش کو اپنا مددگار بنائیں۔ پہلے سب نبی اپنی اپنی قوم کو دعوت دیتے چلے آئے ہیں۔ اور انہیں ساتھ ملا کر کام کرتے رہے ہیں۔ اس لیے آپؐ کا بھی فرض ہے کہ اپنی قوم کو ساتھ ملائیں۔ کیونکہ کام کرنے کا طبعی طریقہ یہی ہے۔ اس سے آپؐ کا طریقہ وہ ہو جائے گا' جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر آپؐ تک ایک ہی طرح قائم رہا۔ یعنی پہلے قومی انقلاب مکمل کرنا پھر اسے بین الاقوامی درجے تک کامیاب بنانے کی کوشش کرنا۔ اگر آپؐ بھی اس طریق پر کام کریں تو یہ طریقہ رہتی دنیا تک انسانیت کے لیے مستقل پروگرام بن جائے گا۔ اگر آپؐ پہلے نبیوں کے طریق سے ہٹ کر طریقہ اختیار کریں تو وہ آئندہ انسانیت کے لیے تبدیل نہ ہو سکنے والا پروگرام نہ ہوگا۔ غرض حضرت نبی اکرم ﷺ نے یہی طریق اختیار کیا کہ پہلے اپنی قوم کو درست کیا اور انہیں اپنا دست و بازو بنایا۔ پھر ان کی مدد سے دوسری قوموں کے ایک ایک حصے کو ساتھ ملایا۔ پھر اس حصے نے اپنی اپنی قوم میں یہ انقلابی کام کیا۔ اور قرآن حکیم کی تعلیم پھیلا کر اس انقلاب کی تکمیل کی۔ چنانچہ حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ نے قوم بقوم اسلام پھیلنے کا جو طریق تاریخی طور پر ثابت کیا ہے اس

کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں۔ آج بھی جو قوم قرآن کے انقلاب کو بین الاقوامی درجے پر کامیاب بنانے کا تہیہ کرے، وہ اسی طریق سے اسلام کی تعلیم کامیاب بنا سکتی ہے۔ یہ تنظیم و تربیت ہی انقلاب کی روح ہے۔

آیت نمبر3: وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا

ترجمہ: ''اور اللہ تجھے زبردست مدد دے۔''

کل قومی حکومت تیری اس کمزور جماعت ہی کے ذریعے سے مہیا ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت سے پہلے ان غریب اور بے کس عربوں نے قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کے تختے الٹ کر رکھ دیئے۔ اور ان کی جگہ قرآن کا قانون چلایا۔ اس انقلاب کی بنیاد انسانی فطرت کی ضرورتوں پر تھی۔ اس لیے رفتہ رفتہ سب قوموں کے عقلمند لوگوں نے اسے مان لیا۔ اس طرح یہ تحریک روز بروز بڑھتی گئی۔ یہ سب کچھ اس صلح حدیبیہ کا نتیجہ تھا۔

آیت نمبر4: (الف) هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے ایمانداروں کے دلوں میں اطمینان اتارا تاکہ ان کے ایمان کے ساتھ اور ایمان بڑھ جائے۔''

صحابہؓ کا ایمان

نبی اکرم ﷺ کی جماعت نے یہ سن کر کہ حضرت عثمانؓ جو اہل مکہ کے پاس گفت و شنید کرنے گئے تھے شہید کر دیئے گئے ہیں، آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی۔ اس خبر سے صلح کا دروازہ کھلا اور حضرت نبی اکرم ﷺ صلح کے لیے سب سے نچلے نقطے پر اتر آئے۔ یہ بات اس لڑنے والی طاقت کو جو موت پر بیعت کر چکی تھی سخت ناگوار گزری۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کے ذریعے سے سب کو ان ناگوار شرطوں پر اطمینان عطا کیا۔

پہلا ایمان موت کی بیعت سے ظاہر ہوا اور دوسرا ایمان ان ناگوار شرطوں پر صلح

قبول کرنے سے۔

(ب) وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

ترجمہ: ''آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ ہی کے ہیں۔''

اب ان کی کیفیت وہی ہے جو آسمان پر اللہ کے فرشتوں کی ہے۔ یہ جماعت رسول اللہ ﷺ کے لیے فرشتوں کی طرح ہے۔ کہ وہ آپؐ کے حکم کی پوری پوری اطاعت کرتے ہیں۔(1)

(ج) وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ترجمہ: ''اور اللہ علم اور حکمت (دینے) والا ہے۔''

اللہ دنیا والوں کو حکمت دینا چاہتا ہے۔ اس علم و حکمت کے دینے کے لیے اس نے فرشتوں جیسے انسانوں کا لشکر تیار کر دیا ہے۔

آسمانی فرشتے حکمت لاتے ہیں اور انسانوں کو دیتے ہیں۔ اب ان انسانوں (مسلمانوں) کا کام یہ ہے کہ حکمت الٰہی کو دنیا میں پھیلائیں۔ یہ لڑتے ہیں تو باغی طاقت کو تباہ کرنے کے لیے' جو مسکینوں کو آگے بڑھنے سے رکتی ہے۔ اور صلح کرتے ہیں تو مسکینوں کو آگے بڑھنے کا موقعہ دینے کے لیے۔ یہ اللہ کی خوشنودی انسانیت کی خدمت کے ذریعے سے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

انسانیت کی خدمت

یہاں ہم اس جملے کو صراحتاً دہرا دینا چاہتے ہیں کہ انسانیت کی خدمت کرنا ہر ایک شریف انسان کا طبعی فرض ہے۔ جس طرح ماں باپ بچے کی خدمت بے غرضی کے ساتھ کرتے ہیں' اسی طرح ایک شریف انسان اپنے احاطۂ انسانیت کی خدمت کرنا اپنا طبعی فرض جانتا ہے۔

یہ خدمت دو شکلیں اختیار کرتی ہے۔

1- ایک انسان ہے جو اس خدمت کا بدلہ دنیا میں سونے چاندی اور عزت کی شکل میں مانگتا ہے۔ یہ بادشاہوں کی جماعت ہے۔

---

(1) فرشتوں کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (وہ اللہ کے کسی حکم کی بھی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جائے) (التحریم 6:66)۔

2- دوسرا گروہ وہ ہے جو اس خدمت کا بدلہ دنیا میں پیسے اور عزت کی شکل میں لینا ضروری نہیں سمجھتا' اس کی عزت وہی ہے جو اللہ کے ہاں ہے۔ یہ نبیوں کی جماعت ہے۔

قرآن عظیم اس دوسری جماعت کو زندہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ ہر ایک قوم میں اس قسم کے لوگوں کا نمونہ پیدا کر دے گا۔ اس کے لیے نمونے کی جماعت وہ ہے جو حضرت نبی اکرم ﷺ نے تیار کی۔ اسی نمونے پر ہر ایک قوم میں جماعتیں بنی چاہئیں۔ یہاں تک کہ سب قومیں اسی نقطے پر جمع ہو جائیں۔ یہ ہے قرآن کا اصلی مقصد۔

اس خدمت سے اس جماعت کا مقصود کیا ہے؟ وہ اگلی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

آیت نمبر5: لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۙ

ترجمہ: ''تاکہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں میں پہنچا دے۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اور ان کی برائیاں ان پر سے اتار دے اور یہ اللہ کے ہاں بہت بڑی کامیابی ہے۔''

اس خدمت کا مقصد

اس جماعت کا نصب العین دنیا کی عزت نہیں ہے۔ وہ اپنی جان اور مال قربان کر کے اللہ کے قانون کو بلند کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ یہی قانون ہے جس کے ذریعے سے غریب اور مسکین طبقے کا انتفاع (Exploitation) ختم ہوسکتا ہے۔ وہ اللہ کی مخلوق کی یہ خدمت کسی دنیاوی لالچ سے نہیں کرتے۔ وہ جنت عدن (ہمیشگی کے باغات) کی زندگی چاہتے ہیں۔ گو ان کی خدمات کا طبعی نتیجہ یہ بھی ضرور ہوگا کہ وہ دنیا میں بھی سرفراز ہوں گے اور زرخیز اور زرریز علاقوں کے مالک بنیں گے۔

وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ

ترجمہ: (ان کی برائیاں ان سے اتار دے)

غلطی کی معافی کیوں؟

اب انہوں نے جس اطاعت شعاری کا اظہار کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی غلطیوں سے فائدہ اٹھانا اپنا مقصد نہیں بنایا۔ وہ جنگ کرتے تھے' تو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے۔ تاکہ اس کا قانون چلے اور مظلوم انسانیت ظالم طبقے کے ظلم سے چھوٹے۔ اور صلح قبول کی تو فقط اللہ کے حکم کے تابع ہو کر۔ تاکہ اس کا نام بلند ہو اور مظلوم انسانیت کچلی نہ جائے۔ ان کی اس ذہنیت کی وجہ سے ان کی غلطیاں جو انقلاب کے دوران میں ان سے ہوئی ہیں معاف کر دی جائیں گی۔

اس قسم کی بخشش کا اعلان ان لوگوں کے بارے میں بھی ہو چکا ہے جنہوں نے سب سے پہلے معرکۂ انقلاب یعنی جنگ بدر میں حصہ لیا۔ ان کی نسبت ایک روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی سب غلطیاں معاف کر دی ہیں۔ اس معافی کی وجہ بھی یہی ہے کہ ان لوگوں نے اپنی ان غلطیوں سے اپنی ذات کے لیے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا اور نہ ان کا یہ مقصود تھا۔

وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا

ترجمہ: (یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی کامیابی ہے۔)

اللہ تعالیٰ نے حجاز میں سے ایک جماعت کو چن لیا ہے۔ اور انہیں بہت سے امتحانوں میں آزما لیا ہے۔ اب یہ بہت اونچے درجے پر کامیاب ہوئے ہیں۔ اس لیے انہیں کل قومی غلبہ دیا جائے گا۔

آیت نمبر 6: وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝6

ترجمہ: "اور تاکہ دغاباز مردوں اور دغاباز عورتوں کو اور اللہ کے متعلق طرح طرح کے برے گمان کرنے والے مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے۔ مصیبت کا پھیر انہی پر پڑتا ہے۔ اللہ ان پر غصے ہوا اور اس نے ان پر لعنت کی اور ان کے لیے جہنم تیار کی اور وہ نہایت ہی برے ٹھکانے پر پہنچے۔"

تھڑ دلے: منافقین

قریش میں سے جو لوگ اس قرآنی انقلاب کے نظریے کو پوری طرح بغیر کسی شرط کے مان چکے ہیں' وہ غلبہ پائیں گے۔ لیکن جو اہل قریش کسی مصلحت کی وجہ سے اس انقلاب کو قبول کرتے ہیں یا حنیفیت --- تحریک ابراہیمی--- پر پورا یقین نہیں رکھتے وہ قطعاً ناکام رہیں گے۔

آئندہ چل کر بھی جو لوگ قرآنی نظریہ انقلاب پوری طرح مانیں گے وہی بین الاقوامی کامیابی حاصل کرسکیں گے۔ اور تھڑ دلی(1) کے ساتھ اطاعت کرنے والے (منافقین) یا اس پروگرام پر پورا بھروسہ نہ رکھنے والے' جو اس میں اِدھر اُدھر سے اور چیزیں شامل کرنا چاہیں گے (مشرکین) ناکام رہیں گے۔

(الف) وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ

ترجمہ: ''اور تاکہ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو عذاب میں مبتلا کرے۔''

مسلمانوں کے اندر ایک جماعت ہے جو قرآن کی اطاعت کا نام تو لیتی ہے۔ لیکن صلح و جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو عزت کے ساتھ قبول نہیں کرتی۔ بلکہ اپنی مصلحتوں کے ماتحت مانتی ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ان کی اپنی ضرورتوں کے مطابق ہوا تو مان لیتے ہیں نہیں تو انکار کر دیتے ہیں۔ گو وہ کھلم کھلا انکار نہیں کرتے لیکن عملاً اسے مانتے بھی نہیں۔ یہ منافقوں کی جماعت ہے۔ ان کا اصل مقصد دنیا کی عزت اور روپیہ حاصل کرنا ہے۔ اس لیے کبھی کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ان کے ذاتی فائدوں سے ٹکرا جاتا ہے۔ اور ان کی ساری سکیمیں برباد ہو جاتی ہیں۔ یہ ان کے لیے موت اور عذاب ہے۔

(ب) وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ

ترجمہ: ''اور شرک کرنے والے مرد اور شرک کرنے والی عورتیں۔''

رجعت پسند مشرکین

قریش میں مومنوں اور منافقوں کی جماعتوں کے علاوہ ایک اور گروہ بھی ہے۔ یہ

(1) بزدلی' نامردی' کم حوصلگی

لوگ حنیفیت پر پورا یقین نہیں رکھتے۔ حنیفیت سے پہلے جو دور تھا اور جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آ کر ارتجاعی (Reactionary) بنا دیا۔ اس کے علموں اور ہنروں سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ وہ فقط اللہ پر بھروسہ کر کے دنیا اور دین اس کے حوالے نہیں کرتے۔ بلکہ اس میں تھوڑا سا شرک ضرور ملا لیتے ہیں۔ انہیں اس بات کا یقین نہیں ہے کہ محض خدا پر بھروسہ رکھ کر کام کیا جائے' اور اس میں دنیا بھی شامل نہ ہو' تو دنیا سے بہتر زندگی (جنت میں) مل سکتی ہے۔ وہ آخرت کی زندگی کو محض خیال کے درجے پر سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ اس پرانی ذہنیت کو چھوڑ کر نئی انقلابی ذہنیت کو قبول نہیں کر سکتے۔ ان کا نام قرآن حکیم کی اصطلاح میں مشرکین ہے۔ جب مسلمانوں کو محض اللہ پر بھروسہ کر کے کامیابی ہوگی اور وہ آگے بڑھ جائیں گے' تو یہ مشرکوں کے اصول کے قطعاً خلاف ہوگا۔ وہ مسلمانوں کی کامیابی ناممکن سمجھتے ہیں۔ یہ مشرک لوگ بھی شکست کھا جائیں گے۔ مسلمانوں کے مقابلے میں کامیابی کا کوئی راستہ نہ پائیں گے اور عذاب میں پھنس جائیں گے۔

(ج) الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ط

ترجمہ: ''اللہ کی نسبت طرح طرح کے برے گمان باندھنے والے۔''

مشرکین کی تحلیل نفسی

یہ مشرک خدا پر پورا بھروسہ نہیں رکھتے۔ انہیں یقین نہیں کہ خدا پر پورا پورا بھروسہ کر کے آخرت میں ہماری ایسی مستقل زندگی شروع ہوسکتی ہے جس کے مقابلے میں اس عارضی دنیاوی زندگی کو قربان کر دینے میں کوئی گھاٹا نہیں ہے۔ وہ دنیاوی زندگی کی کامیابی کے لیے اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک بنانا ضروری سمجھتے ہیں۔ مثلاً تناسخ کو ماننے والی قومیں موت کے بعد زندگی مانتی ضرور ہیں مگر اس زندگی کو اس دنیاوی زندگی ہی میں مجسم مانتی ہیں۔ وہ اس مستقل زندگی کا تصور کر ہی نہیں سکتے جو اس دنیاوی زندگی سے آگے ہے۔ اس لیے انہیں دنیاوی زندگی قائم رکھنے کے لیے حکمران طاقتوں کے ساتھ مصالحت (Compromise) کرنا ضروری ہوتا ہے۔ وہ اپنے دینی پروگرام کی مخالفت کرنے والے حکمرانوں کے ساتھ سمجھوتہ کئے بغیر آگے بڑھ نہیں سکتے۔ یہ نتیجہ

ہے خدا کے متعلق ان کی بدظنی کا کہ وہ تنہا ہماری زندگی کا کفیل نہیں ہوسکتا۔ مشرکوں کی یہ بدظنی انہیں دنیاوی زندگی میں قدم قدم پر مصالحت (Compromise) کرنے پر مجبور کرتی رہتی ہے۔ اور وہ اپنے نصب العین (Ideal) پر قائم نہیں رہ سکتے۔

اللہ کے متعلق اس نیم منفیانہ ذہنیت کا آخری نتیجہ اس کا قطعی انکار ہی ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے متعلق انسان کی ذہنیت یہ ہو کہ آدھا اقرار ہوا اور آدھا انکار' تو کامیابی ناممکن ہے۔ اور صحیح معنوں میں بین الاقوامی انسانی حکومت پیدا نہیں ہوسکتی۔ تو خدا کا قطعی انکار کر کے تو یہ نعمت (کل قومی حکومت) حاصل ہونا قطعاً ناممکن ہو جاتا ہے۔

اس وقت یورپ میں امپیریلزم (Imperialism) کے ردعمل کے طرز پر' جو غلط سیاست اور غلط مذہبیت کی پیداوار تھا' کمیونزم (Communism) پیدا ہو چکا ہے۔ اس میں خدا کا انکار لازم ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ خدا کے انکار کی وجہ ہی سے وہ بھی امپیریلزم کی شکل اختیار کرتا چلا جا رہا ہے۔ اس کا پہلا قدم استعماریت (Dictatorship) ہے۔ جس کا لازم نتیجہ امپیریلزم ہوگا۔ اسے اس دوسری بڑی جنگ (1935ء) میں امپریلسٹ طاقتوں کے ساتھ مل کر کام کرنا پڑا جس کی وجہ سے اسے اپنا کمنٹرن (Commintern) یعنی بین الاقوامی نظام توڑ کر ان سرمایہ دار طاقتوں کے ساتھ مصالحت (Compromise) کرنی پڑی۔

نام نہاد کمیونزم میں جس قدر مسکین نوازی ہے' اس سے کہیں زیادہ مسکین نوازی امام ولی اللہؒ کے فلسفے میں ہے۔ اور اس میں مزدور اور کاشتکار کے حقوق کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے۔ لیکن اس کی بنیاد خدا کے صحیح اور صاف تصور پر ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک کارکن اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس زندہ تصور کے ساتھ گزارتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ہے یا کم سے کم یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ وہ یہ تصور بھی ایک زندہ اور پائیدار شکل میں اپنے سامنے رکھتا ہے کہ اگر اس نے کم تولا یا کسی کے حق کو ناجائز طور پر پاؤں تلے روندا تو وہ دنیا میں بھی سزا پائے گا اور مرنے کے بعد بھی اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو کر اپنے عملوں کی جوابدہی کرنی ہوگی۔ امام صاحب کی حکمت اسے یہ بھی سکھاتی ہے کہ قرآن حکیم پر عمل کرنے والے کارکن کو خدا کے سوا کسی سے اپنے عمل کا بدلہ

لینا ضروری نہیں۔ انسان بیشک اس لیے پیدا ہوا ہے کہ دنیا میں قرآن حکیم کی حکومت بین الاقوامی درجے پر چلائے۔ لیکن وہ اس حکومت کے ذریعے سے اپنے لیے یا اپنے خاندان کے لیے کوئی فائدہ حاصل کرنے کا حق نہیں رکھتا۔

قرآن حکیم کی تعلیم کا نتیجہ یہ نکلا کہ صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی حکومتیں بے نظیر ثابت ہوئیں۔ اور آج تک دنیا ان کی مثال پیدا نہیں کرسکی۔ اب اس دور میں بھی امیرالمومنین سید احمد شہیدؒ (1786ء-1831ء) اور ان کے ساتھیوں نے انہی اصول پر اس نمونے کی حکومت پیدا کر کے ایک دفعہ پھر دکھا دی۔ اور ثابت کر دیا کہ اس قسم کی حکومت پیدا کرنا ہر زمانے میں ممکن ہے۔ قرآن حکیم کے ماننے والوں کے لیے اس میں بہت بڑی عبرت اور ذمہ داری ہے۔

عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ترجمہ: ''ان پر مصیبت کا پھیر پڑتا ہے۔''

وہ نہ دنیا پائیں گے، نہ آخرت۔

وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ

ترجمہ: ''اللہ ان پر غضبناک ہوا، اور اس نے انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا۔''

یہ انقلاب ان مذہبی قوموں کے لیے عذاب ہے جو ابراہیمی طریق سے پہلے کے طریق کو نہیں چھوڑ سکتیں۔ اس میں یہودی اور عیسائی بھی شامل ہیں اور ہندو اور بدھسٹ بھی، جو ابراہیم علیہ السلام کے نئے پیدا ہوئے طریق کو قبول نہیں کرتے۔

آیت نمبر7: وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

ترجمہ: ''آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ ہی کے ہیں، وہ عزت دینے والا، حکمت دینے والا ہے۔''

منافقوں اور مشرکوں کی جماعتیں الگ کردینے کے بعد مومنوں کی جو خالص جماعت رہے گی وہ زمین پر آسمانی فرشتوں کی مانند ہوگی۔

قرآنی سیاست کے بنیادی اصول

قرآن حکیم کا پروگرام حقیقت میں پارٹی پالیٹکس (Party Politics) کے اصول پر صحیح اترتا ہے۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ صرف ایک خیال رکھنے والوں کو اکٹھا کرے۔ چنانچہ

رسول اللہ ﷺ نے اس اصول پر کام کیا۔ اور ان مٹھی بھر لوگوں کو جمع کیا جو قرآن کے سارے قانون کو دل و جان سے کامل طور پر بلا شرط مانتے تھے۔ اور صلح و جنگ میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو خوشی کے ساتھ قبول کر کے کیوں اور کیسے کے سوالات پوچھے بغیر اطاعت کرتے تھے۔

ہمارے خیال میں اب بھی جو لوگ سب ''مسلمانوں'' کو اکٹھا کر کے آگے بڑھنے کا پروگرام رکھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ انہیں ان مسلمانوں میں سے وہ جماعت بنانی چاہیے جو ذہن اور عمل کے لحاظ سے انقلابی ہو اور اس میں صرف ایک فکر کے لوگ شامل ہوں۔ صرف اسی صورت میں کام اچھا اور جلد ہوسکتا ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ترجمہ: ''اللہ عزت دینے والا' حکمت دینے والا ہے۔''

انٹرنیشنل طاقت کا وعدہ

اللہ تعالیٰ مومنوں کی اس جماعت کو عزت اور حکمت دینا چاہتا ہے۔ یعنی یہ جماعت مضبوط حکومت قائم کرے گی' جس کی کوئی دوسری حکومت بے عزتی نہ کر سکے گی۔ اور یہ حکمت و دانش کے مالک ہوں گے۔

آیت نمبر 4 میں تھا علیمًا حکیمًا (علم اور حکمت دینے والا) یعنی یہ لوگ علم اور حکمت میں طاق ہو کر تمام علمی سوسائٹیوں کو قائل کرلیں گے کہ ابراہیمی تحریک کے سوا کوئی تحریک انسانیت کو مجموعی طور پر آگے بڑھانے والی نہیں ہے۔ اس کے بعد وہ اتنی بلند انٹرنیشنل طاقت بنالیں گے کہ ان کا کوئی مقابلہ نہ کر سکے گا۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں اس انٹرنیشنل طاقت کا ڈھانچہ بنا۔ اور حضرت عثمان غنیؓ نے اسے بہت دور تک پھیلا دیا۔ اور اس کی عزت اتنی بلند ہوگئی کہ دنیا کی تمام دوسری طاقتیں مل کر بھی اس کا مقابلہ نہ کرسکیں۔

آیت نمبر8: اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ﴿۸﴾

ترجمہ: ''ہم نے تجھے احوال بتانے والا' خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا۔''

نبی اکرم ﷺ بطور معلم اور نذیر

حضور ﷺ کی دو حیثیتیں ہیں:

(1) معلم (2) جماعت کے لیڈر

معلم کی حیثیت میں آپؐ شاگردوں کے متعلق شہادت دیتے ہیں کہ فلاں شاگرد فلاں قابلیت کا ہے اور فلاں شاگرد فلاں قابلیت کا۔ یہاں آپؐ کی شان معلّمی ختم ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد وہ شاگرد آپؐ کے ساتھ ایک جماعت کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ آپؐ اس جماعت کے رہنما ہیں۔ یہ جماعت منافقوں اور مشرکوں سے بالکل الگ اور خاص صفتوں کی مالک ہے۔ یہ جماعت قرآن کے اس پروگرام پر چلتی ہے کہ مظلوم انسانیت کی خدمت کرو۔ ظالموں کو گراؤ۔ اور مظلوموں کی (1) داد رسی کرو۔ اور اس سارے کام کا بدلہ صرف اللہ سے مانگو۔ اس پروگرام پر جو ٹھیک ٹھیک طور پر کام کرتا ہے۔ اسے حضرت نبی اکرم ﷺ کامیاب زندگی کی بشارت دیتے ہیں۔ (مبشرا) اور اسے یقین دلاتے ہیں کہ اس کی دنیاوی اور اخروی زندگی کے فوائد محفوظ ہیں۔

جو لوگ اس پروگرام پر ٹھیک ٹھیک نہیں چلتے' انہیں خبردار کرتے ہیں کہ جن کی دنیاوی زندگی اور اخروی زندگی ناکام رہے گی' وہ بہانے بنا کر دل کو خوش کر لیں' لیکن کامیابی نصیب نہ ہوگی (نذیرًا)۔

آیت نمبر9: لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۭ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝

ترجمہ: ''تم ضرور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور اس کی مدد کرو۔ اور اس کا وقار قائم کرو۔ اور صبح و شام اس کی پاکیزگی بیان کرو۔''

خدا کی محبت کے معنی

(الف) لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

حضرت نبی اکرم ﷺ کو شاہد' مبشر اور نذیر بنا کر بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں خدا کی محبت ہے انہیں ایک استاد کی ضرورت ہے' جو انہیں بتائے کہ محبت کیسے کی جاتی ہے۔ اور خدا کی محبت کے دعوے سے انسانوں کی خدمت کس طرح ہونی چاہیے۔

(1) وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا (سورہ قصص 5/28)

خدا کی طرف سے الزام

مرنے کے بعد ہر ایک انسان سے اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ میں نے تجھ پر جو انعام کیا' تو نے اس سے میرے لیے کیا کیا؟ وہ لمبی چوڑی باتیں بنائے گا۔ مگر اسے یہ کہہ کر جھوٹا کر دیا جائے گا کہ میں تیرے دروازے پر بھوکا پیاسا اور بیمار ہو کر آیا۔ لیکن تو نے مجھے نہ کھانے کو دیا' نہ پینے کو' نہ میری تیمارداری کی۔ حضرت مسیحؑ اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی اپنی تعلیم میں اسے بہت اچھی طرح کھول دیا ہے۔ اس چیز کو عام ذہنیت سے نہیں سمجھنا چاہیے۔ بلکہ اسے پوری پوری اہمیت دینی چاہیے۔

معاشی مسئلے کی اہمیت امام ولی اللہؒ کے نزدیک

امام ولی اللہ دہلویؒ معاشی زندگی کے اس پہلو کو خاص اہمیت دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب تک انسان کھانے پینے کی فکروں سے آزاد نہ ہو جائے' وہ شائستگی کی ایک منزل سے دوسری منزل میں ترقی کر ہی نہیں سکتا۔ اور اگر وہ ان تفکرات میں پھنسا رہے تو اس کی طبعی ترقی رک جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت امام دھلویؒ بدور بازغہ ص 50 میں فرماتے ہیں کہ:

> ''انسان شائستگی کے دوسرے درجے تک اسی صورت میں ترقی کر سکتا ہے' جب وہ بھوک پیاس اور تسکین جذبہ جنسی ، وغیرہ طبعی حاجتوں سے فارغ البال ہو جائے۔'' (البدور البازغہ، ص 50)

اس حقیقت کو' کہ انسان کی ابتدائی ضرورتیں پوری نہ ہوں تو سوسائٹی پر کیا اثر پڑتا ہے' ایک تاریخی مثال کے ذریعے سے بھی واضح کرتے ہیں۔ جس میں ایرانی اور رومی سوسائٹی کی گراوٹ دکھا کر قرآنی انقلاب کی ضرورت ظاہر کرتے ہیں۔(1)

معاشی مسئلے کے بعد

غرض بھوک کا مسئلہ انسانی معاشرے (Society) کا بہت ضروری مسئلہ ہے۔ لیکن یہ مسئلہ فقط اسی پر ختم نہیں ہو جاتا کہ کسی انسان کا ایک وقت پیٹ بھر دیا جائے۔

1۔ حجتہ اللہ البالغہ جلد اول ص 105

اس کے بال بچوں کا کون ذمہ دار ہے؟ پس ضرورت ہے کہ اس مسئلے کو مستقل شکل میں حل کیا جائے۔ اور بھوکوں کو اس قابل بنا دیا جائے کہ انہیں خیرات کی ضرورت ہی نہ رہے۔اس کے بعد ہی وہ ترقی کرنے کے خیالات سوچ سکتے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ ایک بھوکے پیٹ کی ضرورت پوری نہ کرنے پر ایک بڑے آدمی کو جھوٹا قرار دے سکتا ہے۔تو کیا ایک انسان کی دماغی ضرورت پورا نہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی حساب نہ ہوگا؟ ایک انسان کا دماغ بھوکا ہے' اسے علم چاہیے جس کے پاس علم ہے وہ اسے علم کیوں نہیں پہنچاتا؟ خدا اور بندے کے درمیان بھوکوں اور پیاسوں کے متعلق جواب طلبی کے سلسلے میں جو بات چیت ہوگی' اس کے بعد یقیناً ان لوگوں سے بھی جواب طلبی کی جائے گی جو مظلوم انسانیت کو علم سے محروم رکھتے ہیں' جو شخص علم دینے کی اجرت طلب کرے گا' وہ سارا بنابنایا نظام بگاڑ دے گا۔

حجازی انقلابیوں کی افضلیت

ہم نے اشتراکی کارکنوں (Communist Workers) کو کام کرتے دیکھا۔ہم عش عش کر کے رہ گئے۔لیکن جب ہم نے کمیونسٹ حکمرانوں کو دیکھا تو ہمیں ان پر لعنت بھیجنی پڑی۔ ہم نے دیکھا کہ زار کی قیصریت ان کے گھروں میں ناچ رہی ہے۔ ان مشاہدوں اور تجربوں کے بعد ہی رسول اللہ ﷺ کی پہلی جماعت کی عزت سمجھ میں آتی ہے۔ہم قرآن عظیم کے اس پروگرام کے سوا (جسے حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت تک کامیاب کر کے دکھایا گیا اور جس کی تفصیل امام ولی اللہ دہلوی نے بیان کی ہے)'(1) اور کسی چیز کو قابل اطمینان نہیں پاتے۔ چنانچہ روس کے پنچائتی پرجاراج (U.S.S.R) کے آئین کی دفعہ 12 میں ہے کہ:

The principle applied in the U.S.S.R. is that of Socialism: "From each according to his ability, to each according to his work."

"روس کے پنچائتی پرجاراج میں اشتراکیت کا یہ اصول کارفرما ہے کہ ہر شخص پنچائت کا کام اپنی قابلیت کے مطابق کرے اور اسے اس کے کام کے مطابق دیا جائے۔"

(1) ازالۃ الخفاء میں (مرتب)

لیکن حضرت نبی اکرم ﷺ اور آپؐ کے پہلے جانشین (خلیفہ) حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد میں یہ اصول کارفرما تھا کہ ' ہر شخص اپنی قابلیت کے مطابق خدمت کرے اور اس کی ضرورت کے مطابق دیا جائے۔

چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ نے مال غنیمت کی تقسیم کے وقت جب بعض لوگوں نے بعض لوگوں کو افضل قرار دینے کا مطالبہ کیا تو فرمایا کہ:

اما ما ذکرتم من السوابق والقدم والفضل فما اعرفنی بذالک وانما ذالک شئی ثوابه علی الله جل ثناء ہ وھٰذآ معاش فالاُسوۃ فیه خیر من الاُثرۃ (کتاب الخراج للقاضی ابو یوسف ص 42۔ طبع بیروت)

ترجمہ: ''یعنی تم نے سب سے پہلے ایمان لانے والے اور بہت لمبے زمانے سے اسلام کی خدمت کرنے والے لوگوں کا جو ذکر کیا ہے تو مجھ سے کون بہتر جانتا ہے۔ لیکن وہ تو ایسی چیز ہے جس کا ثواب انہیں ان کے پروردگار کے ہاں سے ملے گا اور ہم تو معاش تقسیم کر رہے ہیں اس میں تو فوقیت کی بہ نسبت مساوات بہتر ہے۔''

غرض ہم نے رسول کو شاہد، مبشر اور نذیر بنا کر صرف اس لیے بھیجا ہے کہ یہ جماعت جو خدا سے محبت رکھتی ہے، ان سے محبت کا پروگرام سیکھ لے۔ اور اسے کامیابی سے چلائے۔ خدا سے محبت کرنے کا مطلب ہے خدا کی مظلوم مخلوق کی خدمت کرنا اور اس خدمت کا اجر اللہ سے مانگنا۔ اور یقین رکھنا کہ جو خدا تمہیں آسمان میں جنت دے سکتا ہے۔ وہ تمہارے لیے زمین پر بھی راحت' آرام اور عزت کی جنت پیدا کرسکتا ہے۔ یہ درجے طے کرانا رسول اللہ ﷺ کا کام ہے۔ اللہ پر یہ پکا ایمان ہونا چاہیے کہ اس نے جو تعلیم دی ہے وہ ٹھیک ہے۔ اور اس پروگرام پر عمل کرنے سے دنیا میں بھی ہمارے لیے جنت بن سکتی ہے۔ ہم یہاں بھی حکومت اور عزت کے لحاظ سے کسی سے پیچھے نہیں رہیں گے۔

(ب) وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۭ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝

ترجمہ: ''اس آیت میں غائب کی جتنی ضمیریں ہیں وہ سب اللہ کی طرف پھرتی ہیں۔''

وَتُعَزِّرُوْهُ : ''اللہ کی مدد کرو''

رسول اللہ ﷺ کی معرفت جو تعلیم ملی ہے اسے غالب کرنے میں جو مدد دی جائے گی وہ اللہ ہی کی مدد ہے۔

وَتُوَقِّرُوْهُ : ''اللہ کا وقار قائم رکھو۔''

رسول اللہ ﷺ کی معرفت جو تعلیم ملی ہے' اس کا وقار دنیا میں قائم کرنا اللہ کا وقار قائم کرنا ہے۔

وَتُسَبِّحُوْهُ : ''اسے پاک سمجھو۔''

یہ خیال نہ کرو کہ مدد مانگنے سے اللہ محتاج ہوگیا۔ یہ خیال غلط ہے۔ اسے عیب سے بالکل پاک سمجھو۔

حقیقت یہ ہے کہ اس تعلیم کے غلبے کا مطلب ہے غریبوں اور مسکینوں کا غلبہ۔ پس اللہ کی مدد کرنے اور اس کا وقار قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مسکینوں کی مدد کرو۔ اور وہ جس ظلم کے جوئے تلے آئے ہوئے ہیں۔ اس سے انہیں نکال کر ان کا وقار قائم کرو۔ اللہ تک پہنچنے کا اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔

آیت نمبر10: إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٠﴾

ترجمہ: ''جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔ جو شخص اس عہد کو توڑتا ہے وہ اسے اپنی جان پر توڑتا ہے اور جو شخص وہ عہد پورا کرتا ہے جو اس نے اللہ سے کیا تو عنقریب اللہ اسے بہت بڑا اجر دے گا۔''

بیعت رضوان کی حقیقت

یہ عہد اللہ سے براہ راست ہے۔ یہ گویا تعزّروہ اور توقّروہ کی عملی تفسیر ہے۔

يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ''اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔''

یہ ہے رسول اور مسلمانوں کا باہمی تعلق۔ رسول مسلمانوں کے سامنے خدا بن کر نہیں آتا۔ بلکہ وہ خدا کا نمائندہ ہے۔ اس لیے اس کے ہاتھ پر جو بیعت کی جاتی ہے اور اس کی کے ساتھ جو عہد باندھا جاتا ہے اس کے متعلق یہ یقین رکھنا چاہیے کہ وہ خدا کے ساتھ معاہدہ کیا جا رہا ہے۔ اس کی پوری پوری اہمیت ہر وقت آنکھوں کے سامنے رکھنی چاہیے کسی معاملے پر خدا کے ساتھ معاہدہ کرنا بہت بڑی ذمہ داری اپنے سر لینا ہے۔

فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ

''جو شخص اس عہد کو توڑتا ہے وہ اسے اپنی جان پر توڑتا ہے۔''

عہد شکنی کی سزا

جو شخص خدا کے ساتھ عہد باندھ کر توڑتا ہے وہ اپنی جان خطرے میں ڈالتا ہے۔ جماعتی سیاست (Party Politics) میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص پارٹی کے ڈسپلن کو قبول کرنے کے بعد اس کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ سزا سے نہیں بچ سکتا۔ جب وہ اپنی جماعت کے فیصلے کے خلاف کوئی حرکت کرنے لگے اسے یاد رکھنا چاہیے کہ اس کے خلاف ضابطے کی انتہائی کارروائی کی جاسکتی ہے۔ اور وہ غداری کر کے سزا سے نہیں بچ سکتا۔ مرنے کے بعد تو وہ خدا کے عذاب میں پڑے گا ہی' اس دنیا میں بھی وہ بڑی سے بڑی سزا پانے کے لائق ہے۔ جو جماعت خدا کے قانون کو چلانے کے لیے اٹھے اسے اس قسم کا انتہائی ضبط قائم کرنا پڑے گا۔ اور کسی رکن کے متعلق کسی قسم کی رواداری' جنبہ داری اور رعایت نہیں کرنی ہوگی۔ چونکہ اس کا فیصلہ قطعی ہوگا' اس لیے معاملے کے تمام پہلوؤں پر غور کر کے فیصلہ کرنا ہوگا اور پھر اسے انتہا تک پورا کرنا ہوگا۔ انقلابی جماعتوں میں ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ قرآنی انقلابی جماعت اس قسم کے شدید ضبط (Iron Discipline) سے مستثنیٰ نہیں ہوسکتی۔ یہ ہر ایک انقلابی جماعت کی طبعی

ضرورت ہے۔

وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۱۰

ترجمہ: ''جو شخص وہ عہد پورا کرتا ہے جو اس نے اللہ سے کیا تو عنقریب اللہ اسے بہت بڑا اجر دے گا۔''

جو شخص اپنے عہد کو پارٹی ڈسپلن (جماعتی انضباط) کے مطابق پورا کرے گا' وہ ہر قسم کی عزت اور اختیارات کا مستحق سمجھا جائے گا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے بہت بڑا اجر پائے گا۔ یہ اجر جلدی ہی ملے گا۔ (اس میں ایک جنگ کی طرف اشارہ ہے جس پر مسلمانوں کو جانا ہوگا۔ اس کا ذکر آیت نمبر 15 میں آئے گا۔)

==========

ارتجاعی ذہنیت

جو لوگ جند اللہ (خدائی لشکر) کے مخالف ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔

(1) منافق اور (2) کافر

آیات 11 تا 21 میں منافقوں کا ذکر ہے اور 22 تا 26 میں کافروں کا۔

آیت نمبر 11: (الف) سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا

ترجمہ: ''اور اب وہ لوگ جو گنواروں میں سے پیچھے رہ گئے' تجھے کہیں گے ہم اپنے مالوں اور گھروں کے کاموں میں لگے رہ گئے۔''

منافقین

جو بدوی (اَعراب) اس سفر میں آپؐ کے شریک نہ ہوئے' اب انہوں نے یہ بہانہ پیش کیا کہ ہم اتفاقاً مال اور گھر بار کے جھگڑوں میں پھنس کر پیچھے رہ گئے اور سفر میں آپ کے ساتھ نہ جا سکے' نہیں تو مسلمانوں نے نمونے کی جو زندگی دکھائی' ہم اپنے کو اس سے کم درجے کا نہیں مانتے۔

(ب) فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ''ہمارا گناہ بخشو''

ہم اسے غلطی مانتے ہیں کہ ہم آپؐ کے ساتھ سفر میں نہ جا سکے اور درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کریں۔

قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے قصور کو مان کر معافی مانگ لے، اس کا جرم اور قصور نہیں مانا جاتا۔ وہ گویا ایسا ہے جیسے اس نے جرم کیا ہی نہیں (1) تو گویا یہ لوگ اپنے آپ کو اس جماعت کے برابر ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن قرآن حکیم انہیں اس غلط بیانی پر تنبیہ کرتا ہے۔

(ج) يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ

(1) التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ (الحدیث) (جو شخص گناہ سے توبہ کر لے وہ اس شخص کی مانند ہو جاتا ہے، جس سے گناہ ہوا ہی نہ ہو) (مرتب)

ترجمہ: ''وہ اپنی زبان سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔''

چونکہ وہ منہ سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے اس لیے وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ سفر میں ان کے نہ جانے کی وجہ گھربار اور مال کے جھگڑوں میں پھنسنا نہیں تھا، بلکہ اصل میں ان کی جانے کی نیت ہی نہ تھی، کیوں؟ اس پر سے اگلی آیت میں پردہ اٹھایا گیا ہے۔

(د) قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا

ترجمہ: ''تو کہہ، کس کا بس چلتا ہے اللہ سے۔ اگر وہ چاہے تمہارا نقصان یا چاہے تمہارا فائدہ۔''

یعنی ہمارا تو اس معاملے میں کوئی دخل نہیں۔ تم اگر شوق سے ہمارے ساتھ چلتے تو ہم تمہیں پیچھے نہ رکھ سکتے تھے۔ اور نہ تمہیں کسی نفع سے روک سکتے تھے۔ اب اگر تم نے ہمارے ساتھ چلنے کا ارادہ نہ کیا، تو ہم تمہیں اس نقصان سے نہیں بچا سکتے جو اب تمہیں برداشت کرنا پڑے گا۔ (اس نقصان کا ذکر آگے آیت نمبر 15 میں آتا ہے) نفع و نقصان تمہارے اپنے فیصلے کا نتیجہ ہے۔ ہمارے ہاتھ میں کوئی چیز نہیں ہے۔ اس لیے ہمارے سامنے عذر پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس پروگرام کو صحیح سمجھ کر خود آگے نہیں بڑھتا اسے آگے بڑھانے کی نبی یا اس کی جماعت میں کوئی طاقت (اختیار) نہیں۔ اس لیے کہ یہ کام صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔

(ہ) بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ''بلکہ اللہ تمہارے سب کاموں سے خبردار ہے۔''

توفیق باندازۂ ہمت

وہ تمہارے عملوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ ان کے مطابق تمہیں کام کرنے کی توفیق دے گا۔ پس اس جماعت میں شامل ہونے کے لیے لگاتار نیکی کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ درجہ اس قسم کا نہیں ہے کہ اتفاقاً ہاتھ آجائے۔

آیت نمبر12: بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًا ۢ بُوْرًا ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ''کوئی نہیں ،تم نے تو خیال کر لیا تھا کہ رسول اللہ اور مسلمان کبھی اپنے گھر لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ اور کھب گیا تمہارے دلوں میں یہ خیال اور تم نے طرح طرح کی بری اٹکلیں کرنی شروع کیں۔ اور تم لوگ تباہ ہونے والے تھے۔''

منافقین کی نفسی تحلیل

یہ لوگ جو اس سفر میں شریک نہ ہوئے تو اس لیے نہیں کہ مال و اولاد کے جھگڑوں میں پھنسے رہے۔ بلکہ دراصل ان کی جانے کی نیت ہی نہ تھی۔ انہوں نے یہ خیال پکا رکھا تھا کہ قریش ان سے ضرور مقابلہ کریں گے۔ اس لیے جنگ ہوگی۔ یہ لوگ مارے جائیں گے ہم کیوں مفت کی مصیبت سہیڑیں (برداشت کریں)۔ یہ اب گھروں کو واپس نہیں آسکتے۔

وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ترجمہ: ''تمہارے دلوں میں بات کھب گئی تھی''

تمہارے دلوں میں یہ چیز جچ گئی تھی اور تم مان بیٹھے تھے کہ یہ لوگ شکست کھا جائیں گے اور زندہ نہ لوٹیں گے۔

وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ

تم نے یہ برا خیال پختہ بنا لیا تھا کہ بس اب اسلام ختم ہوگیا۔ جانے دو انہیں۔ ہم ان کے ساتھ موت کے منہ میں کیوں جائیں۔

یہ منافقت کی ایک کھلی نشانی ہے کہ منافق نفع کا تصور کئے بغیر کسی للّٰہی تحریک میں شامل نہیں ہوسکتا۔ وہ سب سے پہلے روپے اور پیسے کا حساب کرتا ہے اور سوچتا ہے کہ اس تحریک میں شامل ہونے سے مجھے کتنا نفع حاصل ہوگا۔ اگر وہ دیکھتا ہے کہ مالی نفع حاصل نہ ہوگا تو وہ بھولا بن کر کسی نہ کسی طرح اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ سچ ہے

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا (اقبال)

ایک منافق سے بڑھ کر اس حقیت کو اور کون سمجھ سکتا ہے؟

وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ترجمہ: ''تم تباہ ہونے والے لوگ تھے''

یہ بات نہیں کہ تم سے اتفاقاً غلطی ہوگئی اور تم پیچھے رہ گئے' بلکہ تم جان بوجھ کر فیصلہ کر کے پیچھے رہے۔ تم نے ایک غلط پروگرام کو زندہ کرنے کا ارادہ کیا ہوا تھا' لیکن ایک غلط پروگرام کو زندہ کرنے میں طاقت صرف کرنا اپنی محنت کو برباد کرنا ہے۔ اور تمہاری حرکت ایسی ہی ہے۔

آیت نمبر 13: وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ''اور جو کوئی یقین نہ لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر۔ تو ہم نے تیار کر رکھی ہے منکروں کے لیے دہکتی آگ''

حجاز کو پاک کیا جائے

جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر اس طرح ایمان نہیں لاتا جس طرح خالص مومنین ایمان لائے (جن کا ذکر آیت نمبر 4 میں آچکا ہے)' ان کے لیے کامیابی کا کوئی راستہ نہیں' ہے۔ تکلیفیں اٹھانا اور تکلیفیں اٹھاتے اٹھاتے آخر میں جلنا، یہ ان کے لیے طے شدہ ہے۔

یہ حجاز میں رہنے والے مخالفین کے لیے ہے۔ ان کے لیے اس سرزمین میں رہنے کے لیے زندگی کی کوئی صورت نہیں چھوڑی گئی۔ سوائے اس کے کہ وہ اس طرح ایمان لے آئیں جس طرح خالص مومنین ایمان لا چکے ہیں۔ چونکہ حجاز کو اس قرآنی انقلاب کا مرکز بنایا جانے والا ہے' اس لیے وہاں کی ارتجاعی طاقت کو زندہ رہنے کا موقعہ نہیں دیا جاسکتا۔ اب تک مسلمانوں میں یہ تخیل باقی ہے کہ حجاز میں خلاف اسلام کام کرنے کو بہت بڑا جرم مانتے ہیں۔ اس لیے کہ (ع)

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی؟

آیت نمبر 14: وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ''آسمانوں اور زمین کا راج اللہ ہی کے لیے ہے۔ بخشے جسے چاہے اور عذاب میں ڈالے جسے چاہے۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے''

زمین پر اللہ کی بادشاہی

آسمان کی پادشاہی تو فرشتوں کے ذریعے سے ہے۔ زمین کی پادشاہی اس جماعت کے ذریعے سے قائم ہوگی۔ وہ اللہ کے قانون کو زمین میں چلائیں گے۔

یہ انقلاب حضرت عثمانؓ کی شہادت تک رہا۔ اس وقت تک حجاز میں خدا کی پادشاہی قائم تھی۔ قرآن کا قانون تھا اور اس پر عمل کرنے والی ایک جماعت تھی۔ وہ اپنے آپ کو قانون کا مالک نہیں سمجھتی تھی۔ بلکہ اپنے آپ کو خدا کا نائب سمجھ کر اس کے حکموں کو بجالاتی تھی اور ان پر عمل کرتی کراتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے خود خدا کا نائب (خلیفۃ اللہ) بن کر اپنے ساتھیوں کو' جو خدا کے قانون کی عزت اور وقار قائم کرنے میں آپؐ کے شریک تھے' اپنے ذریعے سے خدا کا نائب (خلیفۃ اللہ) بنا دیا۔

يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۭ

ترجمہ: ''تا کہ جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب میں ڈالے''

جو شخص اس قانون کو جاری کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اور درجہ بدرجہ ترقی کر کے قانون کی تعمیل کے قریب ہوتا جاتا ہے' اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ جو آدمی اس قانون سے ہٹتا اور درجہ بدرجہ پیچھے ہی ہٹتا جاتا ہے اسے عذاب دیا جائے گا۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ترجمہ: ''اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے''

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جماعت کے ذریعے سے جو نظام قائم کیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں ہر ایک صحیح کام کرنے والے آدمی کے گناہ بخشے جائیں۔ اور اللہ کی رحمت سے وہ پروگرام سامنے لایا جائے جس میں انسانیت کی ترقی ہے۔

آیت نمبر15: سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ۭ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

ترجمہ: ''اب کہیں گے پیچھے رہ گئے ہوئے۔ جب تم چلو گے غنیمتیں لینے کو' آؤ ہم بھی چلیں تمہارے ساتھ، چاہتے ہیں کہ بدل دیں اللہ کا کہا۔ تو کہہ دے کہ تم ہمارے ساتھ ہرگز نہ چلو گے۔ یونہی کہہ دیا اللہ نے پہلے سے۔ پھر اب کہیں گے' نہیں تم تو جلتے ہو ہمارے فائدے سے۔ کوئی نہیں' لیکن وہ تھوڑی بات سمجھتے ہیں۔''

اخلاقی فتح کے نتیجے

جب مسلمان حدیبیہ سے واپس آئے تو خالی ہاتھ گھر آئے۔ یہ تو نہ تھا کہ کوئی فتح کر کے آئے یا کوئی معرکہ مار کر آئے تھے۔ اور وہی آ کر لوگوں کو بتاتے کہ ہم نے یہ فتح حاصل کی' وہ معرکہ مارا۔ بلکہ یہ صرف اخلاقی فتح (Moral Victory) ہے۔ وہ لمبی مدت کے لیے نتیجہ خیز ہے۔ اور آہستہ آہستہ اپنے ثمرات دیتی رہے گی۔ مگر وہ اس وقت تو کوئی چیز ہاتھ میں لے کر نہیں آ رہے۔ ان لوگوں کو وعدہ دیا گیا کہ چند روز گھر میں رہ کر تیاری کرلو۔ اس کے بعد تمہیں خیبر جانا ہوگا۔ اور وہ سارا ملک تمہیں مل جائے گا۔ جو غنیمت یہاں (اس سفر میں) چاہیے تھی اور نہیں ملی، اس کی جگہ خیبر کا وعدہ انہیں مدینہ پہنچنے سے پہلے دے دیا گیا۔ گویا ان کے پاس آج قیمتی مال نہیں ہے۔ لیکن کل کو مل رہے گا۔ ورنہ گھر جا کر بال بچوں کو سمجھانا کہ ہم فتح پا کر آئے ہیں' سخت مشکل ہے۔ چنانچہ چند روز کے بعد انہیں خیبر جانے کا حکم دیا گیا۔ اب جو لوگ حدیبیہ جانے سے رہ گئے تھے ان کی رال ٹپکنے لگی کہ ہم بھی ساتھ جائیں گے۔ انہیں جواب دیا گیا کہ تم نہیں جاسکتے۔ وہ کہنے لگے کہ ہاں صاحب! ہم سے تو حسد کیا جاتا ہے اور ہمیں فائدہ حاصل کرنے سے روکا جاتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات نہیں ہے۔ تم خدا کی بات جھٹلانا چاہتے ہو۔ خدا نے حکم دیا ہے کہ ہم حدیبیہ والوں کو خیبر بطور انعام دیتے ہیں۔ تم لوگ حدیبیہ میں شریک نہیں ہوئے' خیبر میں شریک ہو کر خدا کی بات کیسے جھٹلا سکتے ہو؟ یہ تمہاری شرارت ہے تم اب نہیں جاسکتے۔

اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ''غنیمتوں کی طرف کہ تم انہیں حاصل کرو''

یعنی خیبر کا مال غنیمت۔

كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ''اللہ نے پہلے ہی سے ایسا فرما دیا ہے۔''

خدا نے یہ حکم پہلے سے دے رکھا ہے کہ حدیبیہ والوں کے سوا کوئی دوسرا اس معرکے میں شریک نہ ہوگا۔ اس کا اشارہ آیت نمبر 10 کے آخری حصے میں آ چکا ہے جہاں ان مسلمانوں سے، جنہوں نے بیعت کی تھی، اجرِ عظیم کا وعدہ کیا گیا ہے۔

بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ''یہ لوگ بات پوری طرح سمجھتے ہی نہیں''

خیبر کی فتح کا بھید

وہ بات کو پوری طرح نہیں سمجھتے۔ وہ دنیاوی نفع کی باتوں کو تو خوب سمجھتے ہیں۔ مگر نفع کے ملنے یا نہ ملنے کا حقیقی راز نہیں سمجھتے۔ خیبر یہودیوں سے چھین کر مسلمانوں کو مفت دینا تو مقصود نہیں۔ یہ دنیا کا ایک باغ ہے جو یہودیوں کو ایک خاص خدمت پر مقرر ہونے کی وجہ سے دیا گیا تھا۔ اور وہ خدمت یہ تھی کہ وہ حقیقی دین کو قائم کریں۔ بعد میں انہوں نے نافرمانی کی۔ اب انہیں سزا دینا ہے۔ ایک دوسری قوم کو جو خدا کے حکموں کو فرشتوں کی طرح بجالاتی ہے۔ یہ جنت ارضی (1) دی جائے گی۔ جو شخص فرشتوں کی طرح کام نہ کرے اور وہ جنت چاہے تو سمجھنا چاہیے کہ وہ احمق ہے۔ وہ بات ٹھیک طرح سے نہیں سمجھتا۔

1۔ زمین کا باغ (مرتب)

کل قومی انقلاب کی تیاری



آیت نمبر16: قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝١٦

''پیچھے رہ جانے والے گنواروں سے کہہ دو کہ آئندہ تمہیں ایک قوم کے مقابلے میں بلائیں گے جو بڑے سخت لڑاکو ہیں۔ یا تو تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔ پھر اگر تم حکم مانو گے تو اللہ تمہیں اچھا بدلہ دے گا اگر تم پلٹ جاؤ گے' جیسے پہلی بار پلٹ گئے تھے تو تم کو دردناک عذاب دے گا۔''

آنے والا امتحان

جب آپؐ عمرے کے ارادے سے مدینہ منورہ سے تشریف لے جانے لگے تو آپ نے سب مسلمانوں کو شرکت کی دعوت دی۔ مگر بدوؤں نے سمجھا کہ یہ جو عمرے کو جا رہے ہیں تو یہ چال ہے۔ حقیقت میں لڑائی ہوگی اور یہ لوگ مارے جائیں گے۔ اس لیے بدو اس سفر میں ساتھ نہ ہوئے۔ پھر جب مسلمان صلح کر کے واپس آ گئے تو یہ بدو لوگ بہت پریشان ہوئے کہ ہم نے ساتھ نہ جانے میں غلطی کی۔ اور لگے طرح طرح کے بہانے اور عذر پیش کرنے (جن کا ذکر پہلے آ چکا ہے)۔ اب ان سے کہا گیا۔ اگر تم سچے ہو کہ تم ہمارے ساتھ جانے اور اس وقت آنے والے خطرات میں پڑنے کے لیے تیار تھے' لیکن کسی غلطی سے پیچھے رہ گئے تو ایک دفعہ بات گزر گئی' تمہیں دوسرا موقعہ دیا جائے گا۔ اگر تم نے اس وقت کام پورا کیا تو جو غنیمت خیبر کے معرکے سے نہیں ملنے والی تھی وہ بھی دلا دی جائے گی۔

اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ ''ایک جنگجو قوم''

قیصر و کسریٰ سے مقابلہ ہوگا

''ایک جنگجو قوم'' سے قیصر و کسریٰ کی بادشاہتیں مراد ہیں۔ ان کے مقابلے کے لیے اعراب کو دعوت دی جائے گی۔

تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ

''یا تو وہ تمہارے ہاتھوں قتل ہو جائیں گے یا وہ اطاعت اختیار کرلیں گے۔''

یا تو تم انہیں قتل کرو گے یا وہ اطاعت اختیار کرلیں گے۔ یعنی بعض لوگ مارے جائیں گے اور باقی اطاعت قبول کرلیں گے۔ ان دو باتوں میں سے ایک ہو کر رہے گی۔

فَاِنْ تُطِيْعُوْا　''اگر تم نے اطاعت کی''

اگر تم نے اس وقت اعلان جہاد کی اطاعت کی اور لڑائی میں شریک ہوئے۔

يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا　''تو اللہ تمہیں اچھا بدلہ دے گا''

تو اللہ تعالیٰ تمہیں بہت اچھی مزدوری دے گا یعنی بے اندازہ غنیمت ہاتھ آئے گی۔ جس سے اب کی کسر بھی نکل جائے گی۔

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦﴾

''اگر تم پلٹ گئے جیسے پہلے پلٹ گئے تھے' تو دردناک عذاب دے گا۔''

اگر تم پیچھے ہٹ گئے اور بے تیاری کئے بیٹھے رہے' جیسے اب حدیبیہ کے سفر سے ہٹ گئے تھے' اور بے تیاری کئے بیٹھے رہے تھے تو تم کو سخت سزا دی جائے گی اور دردناک عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

امام ولی اللہؒ کے خیالات

امام ولی اللہ دہلویؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

''اجماع مفسرین کے مطابق اس آیت کے نزول کا موقع اور صحیح حدیثوں کے مضمون کے مطابق اس آیت کے آگے پیچھے کی آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے 6 ھ میں ارادہ فرمایا کہ عمرہ ادا کریں۔ چنانچہ آپؐ نے بدوؤں کو اور وادیوں میں بسنے والوں کو دعوت

دی کہ وہ اس سفر میں آپ کے ساتھ چلیں۔ کیونکہ پختہ گمان تھا کہ قریش مکہ میں داخل ہونے سے روکیں گے اور بدر، احد اور خندق کی جنگوں میں قریش کے جو آدمی مارے گئے تھے' ان کے سبب سے ان کے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے کینہ بھرا ہوا تھا۔ اس لیے خیال تھا کہ وہ کہیں جنگ کرنے کو آمادہ نہ ہو جائیں۔ ایسے حالات میں عقل کا تقاضا ہے کہ بہت سے آدمی مل کر جائیں تاکہ قریش کے شر سے بچے رہیں۔ بہت سے بدوؤں نے آنحضرت ﷺ کی اس دعوت پر کان نہ دھرا اور سفر میں ساتھ نہ گئے۔ بعض گھربار اور کاروبار کے جھگڑوں میں پھنسے رہے اور نہ جا سکے۔ مگر مخلص مسلمان جو ایمان کی بشاشت میں سرتاپا غرق تھے۔ آپؐ کے ساتھ جانے کو سب سے بڑی نیکی سمجھ کر آپؐ کے ساتھ ہو گئے۔

جب یہ قافلہ حدیبیہ کے مقام کے قریب پہنچا تو قریش جاہلیت کی حمیت میں مبتلا ہو کر لڑنے کو تیار ہو گئے۔ قصہ مختصر وہاں مسلمانوں کو مغلوبانہ صلح کرنی پڑی۔ مکہ مکرمہ کے باہر ہی قربانیاں کیں اور واپس آ گئے۔ چونکہ عمرہ ادا نہ کر سکنے اور مغلوبانہ صلح کرنے کی وجہ سے یہ مخلص مسلمان بہت ہی غمزدہ تھے' حکمت الٰہی نے چاہا کہ ان دلوں کے زخموں کو بھر دے۔ چنانچہ انہیں خوشخبری دی گئی کہ تمہیں خیبر کا بہت سا مال غنیمت ملے گا۔ اور اسے ان لوگوں کے لیے مخصوص کر دیا جو حدیبیہ میں موجود تھے اور کسی کو ان کے ساتھ جانے کی اجازت نہ دی گئی چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ۚ قُل لَّن تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِن قَبْلُ

''تم غنیمتوں کی طرف جاؤ گے تاکہ انہیں لو' تو یہ پیچھے رہنے والے کہیں گے ہمیں اپنے ساتھ جانے دو۔ وہ اللہ کا فیصلہ بدلنا چاہتے ہیں۔ تو کہہ دے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہ جاؤ گے۔ اللہ نے پہلے سے یہ فرمایا ہے۔''

اور جس جماعت نے حدیبیہ میں بیعت کی اس پر اللہ تعالیٰ اپنی خوشنودی کا اظہار کرتا ہوا فرماتا ہے کہ:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (سورہ فتح 18/48)

''یقیناً اللہ خوش ہوا مومنوں سے جب وہ بیعت کرتے تھے تیرے ہاتھ پر درخت کے نیچے۔''

اور اس بیعت سے ایک شخص جد بن قیس کے سوا جو منافق تھا اور کوئی نہ پھرا، بغویؒ وغیرہ نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے درخت کے نیچے میرے ہاتھ پر بیعت کی تھی، وہ دوزخ میں نہ جائے گا۔ یہ مقام ان بہترین مقاموں میں سے ہے جہاں صحابہ کرام نے بلند مرتبے حاصل کئے اور وہ غنیمتیں حاصل کیں جو کچھ عرصے کے بعد ان کے ہاتھ لگیں۔ مثلاً حنین کی غنیمتیں اور دوسری غنیمتیں جن پر عرب کبھی قادر نہ ہوتے۔ ان غنیمتوں سے فارس اور روم کی غنیمتیں مراد ہیں۔ اس زمانے میں فارس اور روم کی وہ شوکت اور دبدبہ تھا اور لشکروں کی وہ کثرت تھی اور سامان جنگ کی وہ فراوانی تھی کہ عرب ان پر غلبہ پانے یا ان سے مال غنیمت حاصل کرنے کا خیال تک دل میں نہ لا سکتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ **وعدکم اللّٰہ مغانم کثیرۃً** (اللہ تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کرتا ہے)۔ یہ عرب کی غنیمتیں ہیں مثلاً حنین کے اموال غنیمت **فعجل لکم ھٰذہ** (پس جلدی کر دی تمہارے لیے یہ)۔ یہ خیبر کی غنیمتیں ہیں جو حدیبیہ کے بعد ہی انہیں حاصل ہوئیں۔ **واخریٰ لم تقدروا علیھا** (اور دوسری وہ جن پر تم نے قدرت نہ پائی) یہ فارس اور روم کی غنیمتیں ہیں۔

اس کے علاوہ حکمت الٰہی نے تقاضا کیا کہ جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے انہیں دھمکائے اور ان کی فضیحت کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ **قل للمخلفین** (الآیۃ) اور جنگجو قوموں کے ساتھ جنگ کرنے کی دعوت پہلے ہی سے دے دے۔ تاکہ وہ دعوت قبول کرنے نہ کرنے پر خوب غور کرلیں اور پہلے ہی بصیرت حاصل کرلیں۔ اور طرح طرح کے عقلی قیاسات ان کے حال کو پریشان نہ کر دیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ستدعون (تم کو عنقریب بلایا جائے گا)۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدوؤں کو کفار کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے بلایا جائے گا۔ یہ دعوت ان پر شرعی ذمہ داری ڈال دے گی۔ اگر وہ اس دعوت پر لبیک کہیں گے تو ثواب پائیں گے اور اگر اسے قبول نہ کریں گے تو عذاب پائیں گے۔'' (ازالتہ الخفا مقصد اول' ص 38)

آیت نمبر17: لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ''اندھے پر تکلیف نہیں اور نہ لنگڑے پر تکلیف ہے۔ اور نہ بیمار پر تکلیف ہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے اسے باغوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور جو کوئی پلٹ جائے اسے دردناک عذاب دے گا۔''

اجماعی جنگ

یہ جو دعوت دی جا رہی ہے کہ آئندہ جنگوں میں شریک ہو، یہ صرف اعراب (بدوؤں) کو ہی دعوت نہیں دی جا رہی بلکہ قرآن کے ہر ایک ماننے والے کا فرض ہے کہ جنگوں میں شریک ہو۔ تیاری کے اس حکم سے کوئی شخص بھی باہر نہیں ہے البتہ اندھے ،لنگڑے اور مریض کو تکلیف نہیں دی جاتی کہ وہ میدان جنگ میں جا کر ہی جنگ میں شامل ہو۔

اعمیٰ (اندھے) اعرج (لنگڑے) اور مریض (بیمار) کے متعلق سورۂ توبہ کی آیت نمبر 91 سامنے رکھنی چاہیے جس کے الفاظ یہ ہیں:

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ

''یعنی ضعیفوں اور بیماروں پر اور ناداروں پر جن کے پاس خرچ کرنے کو نہیں ہے کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کرتے رہیں۔''

ابوبکر جصاصؒ کا قول

سورہ توبہ کی ایک آیت(1) کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابوبکر جصاصؒ الرازی الحنفی جو چوتھی صدی ہجری کے نامور فاضل ہیں لکھتے ہیں کہ:

وقوله ''وجاهدوا باموالكم وانفسكم فى سبيل الله'' فاوجب فرض الجهاد بالمال والنفس جميعًا : فمن كان له مال وهوا مريض او مقعد اوضعيف لا يصلح للقتال فعليه الجهاد بما له بان يعطيه غيرهٗ فيغزوبهٖ.

كما ان من له قوة وجلد وامكنه الجهاد بنفسهٖ كان عليه الجهاد بنفسهٖ وان لم يكن ذا مالٍ ويسارٍ بعد ان يجد ما يبلغه.

ومن قوى على القتال وله مال فعليه الجهاد بالنفس والمال.

ومن كان عاجزًا بنفسهٖ معدمًا فعليه الجهاد بالنصح لله ولرسولهٖ بقولهٖ (ليس على الضعفاء ولا على المرضٰى ولا على الذين لا يجدون ما ينفقون حرج اذا نصحوا اللّٰه ورسولهٖ) (احکام القرآن' الجزالثالث ص 117)

''یعنی اللہ تعالیٰ کے اس حکم **وجاهدوا باموالكم وانفسكم فى سبيل الله** نے جہاد کا فرض مال اور جان دونوں سے ادا کرنا واجب کر دیا ہے:

(1) جو شخص مالدار ہو اور بیمار یا بیٹھنے ہی کے قابل ہو یا کمزور ہونے کی وجہ سے جنگ کے ناقابل' اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے مال سے جہاد کرے۔ یعنی کسی شخص کو جس کے پاس مال نہ ہو' مال دے دے۔ کہ وہ اس کے ذریعے سے جہاد کرے۔

---

1. وہ آیت یہ ہے: اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (التوبہ 9:41) (نکلو ہلکے اور بوجھل اور لڑو اپنے مال سے اور جان سے اللہ کی راہ میں) (مرتب)

(2) جو شخص مالدار نہ ہو لیکن وہ خود جہاد کرسکتا ہو اور مقام جنگ پر پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو تو وہ خود جہاد کرے یہ اس کا فرض ہے۔

(3) جو شخص تندرست بھی ہو اور مال دار بھی ہو وہ مال اور جان دونوں سے جہاد کرے اس کا یہی فرض ہے۔

(4) جو شخص جسمانی لحاظ سے عاجز ہو اور مفلس بھی ہو تو اس آیت **لیس علی الضعفاء ولا علی المرضٰی ولا علی الذین لا یجدون ماینفقون حرج اذا نصحوا للّٰہ ورسولہٖ** کے مطابق اس پر کم سے کم یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے حق میں خیر خواہی کرتے رہیں۔ (یعنی بری خبریں نہ خود پھیلائیں نہ حتی الامکان ایسی خبروں کو پھیلنے دیں بلکہ ان کی تردید کرتے رہیں۔ غرض ان سے جو بَن پڑے اس میں کوتاہی نہ کریں)۔

امام الحکمتہ امام ولی اللہ دہلویؒ ''حجتہ اللہ البالغہ جلد دوم ص 174 میں فرماتے ہیں کہ:

واذا اراد الخروج للغزو عرض جیشہ یتعاھد الخیل والرجال فلا یقبل من دون خمس عشرۃ سنۃً کما کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یفعل ذٰلک لا مخذلًا وھوالذی یقعد الناس عن الغزو (1) ولا مرجفًا وھوالذین یحدث بقوۃ الکفار")

''یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کسی جنگ پر تشریف لے جانے کے لیے نکلتے تو سارے لشکر کا جائزہ لیتے۔ چنانچہ آپؐ پندرہ سال سے کم عمر کے لڑکوں کو لشکر میں شامل نہ فرماتے۔ اور نہ مخذل اور مرجِف کو ساتھ لیتے۔ مخذل وہ ہے جو لوگوں کو جنگ سے باز رکھے اور مرجِف وہ ہے جو دشمن کے لشکر کی قوت اور طاقت بیان کر کے لوگوں کو مرعوب کرنے کی کوشش کرے۔''

(1) گویا حضرت امامؒ کے نزدیک نام نہاد امن پسندوں (Pacifists) کی تحریک کا معاشرہ انسانی میں کوئی مقام نہیں۔ اگر اس سے یہ نتیجہ پیدا ہو کہ لوگ حق کی حمایت میں لڑنے سے باز رہیں۔ (مرتب)

اب اگر یہ اندھے اور لنگڑے وغیرہ مخذل اور مرجف ہیں تو کیا وہ خدا اور رسول کے خیر خواہ ہوسکتے ہیں؟ ان کے خیر خواہ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ کم از کم اتنا کام ضرور کریں کہ لوگوں کو لڑنے کی ترغیب دیتے رہیں اور کفار کے زور کی جو باتیں ہوں ان کی تردید کرتے رہیں اور مسلمان کی کمزوریوں کو چھپائیں۔ گویا اس چوتھی جماعت (Category) کے لیے بھی جو نہ صحت سے مالا مال ہیں' نہ مالدار ہیں۔ پراپیگنڈہ کرنے میں حصہ لینا فرض قرار دیا گیا ہے۔

آج کی دنیا جانتی ہے کہ جنگ میں پراپیگنڈہ نصف سے زیادہ طاقت کا مالک ہے۔ اس اصول پر کوئی شخص بھی جہاد سے فارغ نہیں ہوسکتا۔ گویا قرآن کے نزدیک جنگ اجماعی چیز (Total War) ہے۔ جس میں جہاں تک طاقت ہو اس میں حصہ لے۔ کوئی مرد اور عورت تندرست اور بیمار اس سے الگ نہیں رہ سکتا۔

لڑنے والی طاقت (Battle Force) کو سامانِ جنگ اور روٹی' کپڑا وغیرہ بہم پہنچانا اور ملک کے انتظام کے لیے پیچھے سے نظام خانگی (Home Front) کو قائم رکھنا ' جنگ جیتنے کے لیے ضروری ہے۔ ہماری عورتیں اور بچے مریض اندھے اور لولے لنگڑے ہوم فرنٹ (Home Front) کے کام میں مصروف رہیں گے۔

وہ کیسے مسلمان ہیں جو عذروں کی بناء پر جہاد سے الگ رہنا چاہتے ہیں؟ میرے استاد (شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اسیر مالٹا) کے ارشاد کے لیے جس سند (ابوبکر جصاصؒ رازی کی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر) کی ضرورت تھی وہ وقت پر ہاتھ نہ آسکی۔ ورنہ ہماری دیوبندی جماعت میں سے سوائے اس شخص کے جو سچ مچ منافق ہوتا کوئی پیچھے نہ رہتا۔ اب ضرورت ہے کہ اس جماعت میں سے نفاق کو دور کیا جائے۔ جو جہاد کے لیے تیار نہیں ہے وہ کیوں میرے استاد کی جگہ پر بیٹھتا ہے؟ اسے اس جگہ سے ہٹا دیا جائے۔

غرض اولی باسٍ شدیدٍ (سخت جنگجولوگوں) سے لڑنا پڑے گا۔ ان سے یہ لڑائی قیامت تک جاری رہے گی۔ اس مقابلے کے متعلق قرآن حکیم کی کوئی آیت کبھی منسوخ نہیں ہوسکتی۔ اور بھرتی کے متعلق مذکورہ بالا حکم عمومی اور دائمی حیثیت رکھتا ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

''جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے گا اسے اللہ باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔''

دنیا اور آخرت کی زندگی کا تسلسل

اس حصۂ آیت میں خالدین (ہمیشہ) کا لفظ نہیں ہے۔ اس لیے اس سے مراد دنیا کی جنات ہیں۔ جہاں خالدین کا لفظ آئے گا وہاں مراد یہ ہوگی کہ مومن اس دنیا کے باغوں سے نکل کر سیدھے ان جنات میں پہنچ جائیں گے جو دائمی (خالدین) ہیں۔

ایک شخص (مثلاً فرعون) دنیا میں غرق کر دیا گیا اور وہ اس کے بعد ہی عذاب میں ڈال دیا گیا' گویا اس کا عذاب لگاتار رہا۔ اور اس عذاب کو خلود (ہمیشگی) حاصل ہوگیا۔ ہمیشگی کے باغات میں داخلہ بھی اسی طرح ہوگا کہ یہاں دنیا میں حکومت' امن' اطمینان و راحت کی زندگی بسر کرتے ہوئے خدا کی راہ میں شہید ہوئے تو سیدھے جنات عدن (ہمیشگی کے باغات) میں پہنچ گئے۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٧﴾

''جو شخص پیٹھ پھیرے گا اسے دردناک عذاب دیا جائے گا۔''

غلامی کا عذاب

جو لوگ ہمت اور طاقت کے باوجود جہاد میں حصہ نہیں لیں گے انہیں دوسری قوم کی غلامی کے عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ اور جو لوگ اس عذاب غلامی میں مبتلا ہونے کے باوجود اس سے بچنے کی پوری کوشش نہ کریں گے' انہیں اس میں مبتلا رکھا جائے گا۔

افسوس ہے اس قوم کے حال پر جو غلامی کا احساس بھی کھو بیٹھے اور بڑے اطمینان سے غیر فکر کی حکومت کا جوا برداشت کرتی رہے! اس کے عوام انقلاب یا جہاد میں کیا حصہ لے سکتے ہیں؟

صلح حدیبیہ میں ایک بھید

آیت نمبر18: لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۙ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ''یقیناً اللہ خوش ہوا مومنوں سے جب وہ بیعت کرنے لگے اس درخت کے نیچے' پھر ان کے دلوں میں جو تھا وہ اللہ نے معلوم کیا، پھر اتارا ان پر اطمینان اور انعام دیا قریبی فتح کا''

موت سے مصافحہ

جب حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کے سفیر حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کی افواہ پہنچی' رسول اکرم ﷺ نے سب صحابہ کو بلا کر موت پر بیعت طلب کی۔ سب نے بن پوچھے بیعت کرلی۔ یہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آنے والی خونریز جنگوں کے پیش نظر مسلمانوں کو موت کے لیے تیاری کرانی شروع کر دی تھی۔ جو جماعت اہل مکہ کے مقابلے میں موت قبول کر لیتی ہے' کیا وہ قیصر و کسریٰ سے مذاق کرنے جائے گی؟ سلطان محمد کی فوج قسطنطنیہ کے بادشاہ کے مقابلے میں کھیلنے کے لیے گئی تھی یا موت سے ہاتھ ملانے؟

واقعہ یہ ہے! کہ جس دن سے مسلمانوں نے موت قبول کرنے کا یہ فکر چھوڑا ہے' اسی دن سے ان کی حکومتیں برباد ہونے لگی ہیں۔ اب ہم اس حالت کو دیر تک برداشت نہیں کر سکتے۔ ہماری زندگی ایک دردناک عذاب میں مبتلا ہے۔ اب ہم اپنے ملک میں اپنی مضبوط حکومت بنائے بغیر دم نہیں لے سکتے۔ اب ہمیں بین الاقوامی جھگڑوں میں زیادہ دیر تک پھنسا کر منتظر نہیں رکھا جا سکتا۔ اور نہ ہم مخذلوں کی اطاعت کر سکتے ہیں۔ کوئی پیر ہو، کوئی لیڈر ہو، کوئی حاکم ہو، وہ اپنے اپنے گھر جا کر مریں۔ اب ہمارے سر پر حکومت چلانا چھوڑ دیں۔ اب ہم ان کی نہیں سن سکتے۔ اب ہمیں اپنے ملک میں اپنی

طاقت سے اپنی حکومت چلانی ہوگی۔ اس کے پروگرام پر غور کر کے اس کی مدّات کو آگے پیچھے کرنا ہمارا کام ہوگا۔ اب ہم کسی ایسے آدمی کی جو ہماری مصیبت میں شریک نہ ہو۔کوئی تجویز یا مشورہ سننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

''آپ ﷺ کی جماعت کا طریق تنظیم''

اب ہم اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ ہم خلافت باطنہ کی مدد سے خلافت ظاہرہ کے قیام کے ساتھ اپنا قدم آگے بڑھا سکتے ہیں۔ ہم اس اصول کو نہایت خوشی کے ساتھ قبول کرتے ہیں، اور اللہ کا شکرادا کرتے ہیں کہ ہمیں حضرت نبی اکرم ﷺ کی جماعت کے اس طریق تنظیم کی تفصیل امام ولی اللہ دہلویؒ کی کتابوں میں مل گئی۔ یہ ہماری ضرورت تھی، جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہماری رہنمائی فرمائی، جو شخص ہماری مصیبت میں ہمارا شریک نہیں ہے، وہ بھلا ہماری ضرورت کو کیا سمجھ سکتا ہے؟ ہماری سکیم میں ایک زبان بولنے والا گروہ جو کلچر میں ایک قسم کی یک رنگی رکھتا ہے، ایک اکائی ہے۔ جو شخص ان کی زبان نہیں بولتا، وہ ان کی مصیبت میں شریک بھی نہیں ہوسکتا۔

قومی حکومت

ملک کے ایک مستقل ٹکڑے میں، جس میں ایک زبان بولنے والا گروہ رہتا ہے، اور جس میں اکثریت مسلمانوں کی ہے، ہماری فقط یہ کوشش ہے کہ یہ اکثریت قانون سازی کی طاقت کی مالک بن جائے۔ اور اس کے ووٹ کے بغیر وہاں کوئی حکومت نہ چل سکے۔ اس کے لیے ہمیں اس اکثریت کو تعلیم دینی ہوگی۔ اسے مختلف سیاسی مسالک فکر (Schools of Political Thought) سمجھا کر اپنا مسلک معین کرنا ہوگا۔ جب ہم اس پروگرام سے فارغ ہو جائیں گے، تو ہمیں کوئی خطرہ نہیں رہے گا۔

(الف) لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

''بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے، جب وہ تیرے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے، اس درخت کی نیچے۔''

اللہ کا اظہار خوشنودی

اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اظہار خوشنودی ان کے موت قبول کرنے پر ہوا ہے۔ ان لوگوں نے جس ضبط اور قربانی کا اظہار کیا ہے' وہ یقیناً قابل فخر ہے۔ کوئی جماعت اس اعلیٰ درجے کے ضبط اور قربانی کے بغیر کامیابی کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔ یہ وہ جماعت ہے' جس کے نمونے کی پیروی کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ اور یہ ہر اس جماعت کے لیے جو کامیابی کی خواہش کرے' قیامت تک نمونے کی جماعت رہے گی۔

(ب) فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ''جو کچھ ان کے دلوں میں تھا اللہ اسے جانتا تھا۔''

یعنی وہ گھٹا ہوا جوش اور طاقتور ہونے کے باوجود مغلوبانہ صلح کے ماننے پر مجبور ہونے سے پیدا ہونے والے جذبات، جو ڈیڑھ ہزار کی عظیم الشان منظّم جماعت کے دلوں میں اندر ہی اندر لہریں مار رہے تھے۔

(ج) فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ ''ان پر اطمینان اتارا''

محض جوش کافی نہیں

محض جوش کامیابی کا کفیل نہیں ہوسکتا۔ محض جذبۂ قربانی منزل مقصود تک پہنچانے کی ہمیشہ کی گارنٹی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ٹھنڈے دل سے سوچنے اور غور کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنگ و صلح کی مصلحتوں پر غور کرنے میں مدد دینے والی فضا پیدا کر کے ان کے دلوں کو سکون بخشا۔ انہیں موت قبول کرنے میں کوئی تشویش پیدا ہی نہیں ہوئی۔ اس لیے ان کا موت قبول کرنے کا جذبہ عارضی ہیجانی حالت کا فیصلہ نہیں ہے۔ بلکہ سوچا سمجھا ہوا فیصلہ ہے' جس پر انہیں پورا پورا اطمینان ہے۔ اس قسم کے فیصلے سے ایک مستقل مزاج جماعت کبھی نہیں پھرا کرتی۔

(د) وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ''اور انہیں قریبی فتح کا بدلہ دیا''

خیبر کی فتح کا وعدہ

انہیں یہاں لُوٹ سے روک کر' خیبر کی جنگ میں کامیابی کا یقین دلایا۔

آیت نمبر19: (الف) وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ''اور بے شمار غنیمتیں جو وہ لیں گے''

اور ان سے یہ وعدہ بھی کیا گیا' کہ انہیں خیبر میں بہت سا مال ہاتھ آئے گا۔ چنانچہ حدیبیہ سے واپس ہونے پر' آپؐ نے اور آپ ﷺ کی اس جماعت نے جو حدیبیہ میں آپؐ کے ساتھ تھی' تین ہفتے کے قریب مدینے میں قیام کیا۔ اور پھر خیبر پر دھاوا بول دیا۔ وہاں سے بہت مال ہاتھ آیا۔

(ب) وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٩﴾

''اور اللہ عزت دینے والا حکمت دینے والا ہے۔''

''عزت'' کا مطلب یہ ہے کہ ان کی سلطنت اتنی مضبوط اور وسیع بنا دے گا' کہ کوئی ان پر حملہ نہ کر سکے گا۔ ظاہر ہے کہ اتنی بڑی سلطنت بہت سی قوموں کے ساتھ لڑ کر اور فتح پا کر ہی پیدا ہوسکتی ہے۔

آیت نمبر 20: (الف) وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا

ترجمہ: ''اللہ نے تمہیں وعدہ دیا بہت سی غنیمتوں کا جو تم لو گے۔''

اللہ نے تم سے وعدہ کیا' کہ تم بہت سی غنیمتیں حاصل کرو گے۔

(ب) فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ ''اس نے یہ (خیبر کی فتح) قریب کر دی' تمہارے لیے۔''

یعنی خیبر کی فتح جلد ملے گی۔ اس کے بعد درجہ بدرجہ دوسری فتوحات حاصل ہوتی رہیں گی۔

(ج) وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ''اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے۔''

وہ تم سے مقابلہ نہ کرسکیں گے۔

(د) وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ''تا کہ یہ مومنوں کے لیے ایک نشانی ہو۔''

یہ بات مومنوں کے لیے ایک نشانی ہوگی' کہ اگر ہم موت کے لیے تیار ہو کر گئے' تو لوگوں کے ہاتھ رک جائیں گے۔ اور وہ مقابلہ نہ کرسکیں گے۔ جیسے حدیبیہ اور خیبر میں ہوا۔

(ہ) وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٢٠﴾ ''اور تمہیں سیدھی راہ پر چلائے گا۔''

تمہیں انسانیت کی بنیادی ہدایت عطا کی جائے گی' جس کی آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک تمام نبی دعوت دیتے چلے آئے ہیں۔ اور تمہیں اس کل قومی قانون کے چلانے کی طاقت دی جائے گی۔

آیت نمبر21: (الف) وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا

''اور ایک اور فتح جو تمہارے بس میں نہیں آئی۔''

روم اور ایران کی فتوحات کا وعدہ

تم نے ابھی ایران اور روم سے لڑنے کی تیاری نہیں کی' جب تم اس جنگ کے قابل ہو جاؤ گے' تو اور غنیمتیں بھی حاصل کرو گے۔

(ب) قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝21

''وہ (فتح) اللہ کے قابو میں ہے۔ اور اللہ ہر بات پر قدرت رکھنے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم ان کے مقابلے کے لیے بھی تیار ہو جاؤ گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان حدیبیہ کے واقعے تک اپنی قومی تنظیم کر چکے تھے۔ اب انہیں بین الاقوامی غلبہ حاصل کرنے کے لیے تیاری کرنے کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے۔

آیت نمبر22: (الف) وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ

''اگر کافر تم سے لڑتے تو وہ ضرور پیٹھ پھیر جاتے۔''

اس وقت کافر نہیں لڑے۔ گو بعض لوگ لڑنا چاہتے تھے۔ اگر وہ لڑتے تو انہیں شکست ہوتی۔

(ب) ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝22

''پھر وہ کوئی حمایتی اور مددگار نہ پاتے۔''

انہیں کسی قبیلے کی طرف سے مدد نہ ملتی۔

آیت نمبر23: سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ښ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝23

ترجمہ: ''اللہ کی یہی سنت ہے' اور یہ پہلے سے چلی آتی ہے۔ تُو اللہ کے اس قاعدے کو بدلتے ہرگز نہ پائے گا۔''

نبی کے مقابلے میں کافروں کا شکست کھانا قانون الٰہی ہے۔ یہ کبھی نہیں بدلتا۔ اسی طرح نبی کی تعلیم پر چلنے والی قوم بھی کبھی شکست نہیں کھاسکتی۔

آیت نمبر24: وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝24

ترجمہ: ''اور وہی ہے جس نے ان کے ہاتھ تم سے' اور تمہارے ہاتھ ان سے مکے کی گھاٹی میں روک رکھے، بعد اس کے کہ تمہارے ہاتھ لگا دیا انہیں۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے اللہ دیکھتا ہے۔''

اس سفر میں جنگ نہ ہونے کی وجہ

چند آدمی لڑنے کی کوشش کرنے کے لیے آئے تو دونوں جماعتوں کے ہاتھ ایک دوسرے سے روک دیئے گئے۔ اہل مکہ ڈر گئے۔ اور انہوں نے مسلمانوں کا غلبہ مان لیا۔ اور مسلمانوں کو نبی اکرم ﷺ کی حکمت عملی نے روکے رکھا۔ اور لڑائی ہوتے ہوتے رہ گئی۔

آیت نمبر25: (الف) هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ

ترجمہ: ''یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے انکار کیا' اور تمہیں مسجد حرام سے روکا۔ اور نیاز کی قربانی بند پڑی رہ گئی' اس بات سے کہ اپنی جگہ پہنچے۔''

یہ لوگ مجرم تھے۔ انہوں نے قرآن کے احکام کی خلاف ورزی کی۔ مسجد حرام سے روکا اور ھدی (قربانی) کو اپنے مقام پر پہنچنے نہ دیا۔ یہ حقیقت میں شکست کے مستحق تھے۔ ان کی شرارت کے باوجود انہیں شکست کیوں نہ دلائی گئی؟

(ب) وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَئُوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ

ترجمہ: ''اگر نہ ہوتے کتنے ایک مرد ایمان والے اور عورتیں ایمان والیاں جن کا تمہیں علم نہیں تھا کہ تم انہیں پیس ڈالتے۔ پھر تم پر ان کی وجہ سے خرابی پڑتی بے خبری سے۔''

بات یہ ہے کہ چند کمزور اور محتاج مرد اور عورتیں جو ایمان والے ہیں' (1) مکے میں

(1) چنانچہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے حضرت عثمان غنیؓ کو قریش کے پاس سفیر بنا کر بھیجا تو انہیں یہ بھی حکم دیا کہ مکے میں جو مسلمان مرد اور عورتیں مومن ہیں' ان سے مل کر انہیں فتح کی خوشخبری دیں۔ اور انہیں خبر دے دیں کہ عنقریب ''اللہ تعالیٰ مکہ مکرمہ میں اسلام کو غلبہ عطا فرمائے گا۔ پھر وہاں ایمان پوشیدہ رکھنے کی ضرورت نہ رہے گی۔'' (زاد المعاد جلد دوم ص 123)
''صلح حدیبیہ کے بعد یہ لوگ اس قابل ہو گئے کہ اپنا اسلام ظاہر کر سکیں۔'' (ایضاً ص 130) (مرتب)

موجود ہیں۔ وہ اپنا ایمان ظاہر نہیں کر سکتے۔ تم میں سے عام مسلمان انہیں نہیں جانتے۔ اگر لڑائی ہوتی تو انہیں بھی کفار کی طرف سے شریک ہو کر خواہ مخواہ تم سے لڑنا پڑتا اور وہ مارے جاتے' یا اگر وہ اس سے انکار کرتے تو خود کفار انہیں قتل کر ڈالتے۔ دونوں صورتوں میں وہ مقصد جس کے لیے تم کھڑے ہوئے ہو' یعنی ''دنیا سے ظلم دور کرنا'' بے خبری میں خود تمہارے ہاتھوں برباد ہو جاتا۔ اس طرح تمہیں بھی نقصان پہنچتا' انہیں بھی۔

جنگ مقصود اصلی نہیں

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کے نزدیک لڑنے کا اصل مقصد جنگ کرنا نہیں ہے، اصل مطلب مظلوموں سے ظلم دور کرنا ہے۔ چاہے وہ جنگ کے ذریعے سے ہو یا جنگ کو روک کر۔ اگر لڑائی سے ظلم زیادہ ہو جانے کا ڈر ہو تو لڑائی روک دی جائے گی۔ اگر صلح سے ظلم دور ہوتا ہو تو صلح کر لی جائے گی۔ چاہے وہ کیسی بھی کمزور شرطوں پر کیوں نہ کرنی پڑے۔

حکمت قرآنی کا ایک نکتہ

حکمت قرآنی کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ایک قوم میں اس قوم کے لوگوں کے ہاتھوں انقلاب لایا جائے۔ چنانچہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے یہی طریق اختیار کیا۔ اس کی تفصیل حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ نے حجتہ اللہ البالغہ میں بیان فرمائی ہے۔(1) آپ فرماتے ہیں کہ مہاجرین اور انصار کا پہلا طبقہ قریش اور ان کے اردگرد کے قبیلوں کے اسلام میں داخل ہونے کا سبب بنا۔ اس کے بعد اللہ نے ان کے ہاتھوں عراق اور شام فتح کرائے (2) پھر ان کے ہاتھوں فارس اور روم فتح کرائے (3) پھر ان کے ہاتھوں ہند، ترکستان اور سوڈان فتح ہوئے۔(4)

(1) جلد دوم باب الجہاد (2) عراق اور شام میں ملی جلی قومیں بستی تھیں۔ ان میں عرب بھی تھے۔ ان عربوں کو ساتھ ملا کر عراق اور شام میں انقلاب برپا کیا گیا۔ ہمارے زمانے میں اس کی مثال آذربائیجان کے انقلاب کی ہے جس میں روسیوں کا ہاتھ تھا۔ لیکن انقلاب کرنے والے آذربائیجانی خود تھے۔ روسیوں نے ان ایرانیوں سے کام لیا جن کا تعلق روسی علاقے میں بسنے والے ایرانیوں سے تھا۔ (مرتب)

(3) یعنی اہل عراق کے ہاتھوں فارس کو فتح کرایا۔ کیونکہ ان کا تعلق ایران کے ساتھ تھا۔ اور اہل شام کے ہاتھوں روم کو فتح کر دیا۔ کیونکہ شامیوں کا تعلق رومیوں کے ساتھ تھا۔ (مرتب)

(4) چنانچہ ایرانوں نے ہندوستان اور ترکستان فتح کیے اور رومیوں کے ہاتھوں حبشہ فتح ہوا کیونکہ ان کا آپس میں تعلق تھا۔ (مرتب)

خود قرآن حکیم میں بھی اس حکمت کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔ چنانچہ سورۂ صف کے آخر میں ہے کہ:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُونُوٓا۟ أَنصَارَ ٱللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ٱبْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّـۧنَ مَنْ أَنصَارِىٓ إِلَى ٱللَّهِ ۖ قَالَ ٱلْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ ٱللَّهِ ۖ فَـَٔامَنَت طَّآئِفَةٌ مِّنۢ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ وَكَفَرَت طَّآئِفَةٌ ۖ فَأَيَّدْنَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ عَلَىٰ عَدُوِّهِمْ فَأَصْبَحُوا۟ ظَٰهِرِينَ ﴿١٤﴾ (14:61)

ترجمہ: ''یعنی اے ایمان والو! تم اللہ کے مددگار بن جاؤ۔ جیسے عیسیٰ بن مریم نے اپنے حواریوں سے کہا کہ کون ہے جو میری مدد اللہ کی راہ میں کرے؟ حواری بولے ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ چنانچہ (ان کی کوششوں سے) بنی اسرائیل کا ایک فرقہ ایمان لے آیا اور ایک فرقہ منکر ہی رہا۔ پھر ہم نے بنی اسرائیل کے ایمان لانے والے طبقے کو قوت دی ان کے دشمنوں پر اور وہ غالب آئے۔''

گویا بنی اسرائیل کے اندر کام کرنے والی جماعت کی کوشش سے اس قوم کے اندر انقلاب لایا گیا۔ اور یہ طبعی بات بھی ہے کیونکہ عرب اٹھ کر چینیوں میں انقلابی تحریک نہیں پھیلا سکتے۔ انقلاب لانے کے لیے ہر قوم میں وہی لوگ کام کرسکتے ہیں جو اس قوم کی زبان اور معاشرت میں شریک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے عربوں میں عربی بولنے والی جماعت کے ذریعہ سے انقلاب پھیلایا اور ایران میں فارسی بولنے والوں کے ذریعے سے۔ گو انقلاب کی ابتدائی تعلیم دینے والے عرب ہی تھے۔ اب ہندوستان میں بھی ہر ایک مسلم لسانی گروہ میں اسی طرح الگ الگ انقلاب لانے کی ضرورت ہے۔

(ج) لِّيُدْخِلَ ٱللَّهُ فِى رَحْمَتِهِۦ مَن يَشَآءُ ۚ

ترجمہ: ''تاکہ اللہ داخل کرے اپنی رحمت میں جسے چاہے۔''

اللہ کی رحمت میں داخل ہونے والی جماعتیں

قرآن حکیم کو ایسی ہی جماعت کی ضرورت تھی جو اپنا فکر چلانے کی طاقت رکھتے

ہوئے بھی ظاہری شکست کو جس کی مصلحت امام اور اس کا مشیر خاص یعنی صدیق اکبرؓ ہی سمجھتے تھے، قبول کر کے اس امام کی اطاعت پر قائم رہے۔ اسی قوت اطاعت نے انہیں آگے چل کر تمام دوسرے دینوں کے ماننے والوں پر غلبہ عطا کر دیا۔ اس قسم کا نظام اطاعت نہ یہودیوں میں موجود تھا نہ عیسائیوں میں۔ مجوسیت بھی اس سے خالی تھی اور دوسرے دین والے بھی اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز تھے۔ یہ اللہ کا فضل تھا کہ اس نے بنی اسماعیل کی اس چھوٹی سی جماعت کو اپنی رحمت میں شامل کر کے انہیں ایسی شاندار طاقتِ ضبط عطا کی۔

دوسری جماعت، جسے اللہ نے اپنی رحمت میں جگہ دی، مسلمانوں کی وہ خفیہ جماعتیں تھیں جو مکہ معظّمہ میں موجود تھیں۔ اب صلح کے بعد انہیں اپنے اظہار کا موقعہ مل جائے گا۔

اللہ کی رحمت سے فائدہ اٹھانے والی تیسری جماعت ان لوگوں کی ہے جو اس صلح کے بعد مسلمانوں سے میل جول پیدا کریں گے۔ اور ان سے اثر لے کر اسلام قبول کرلیں گے۔ اور ان کے بعد وہ قومیں ہوں گی جو اسلام قبول کر کے قیامت تک قرآن کی خدمت کرتی رہیں گی۔

(د) لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

ترجمہ: ''وہ لوگ ایک طرف ہو جاتے تو ان میں سے جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا تھا انہیں ہم ضرور دردناک عذاب دیتے۔''

لڑائی کیوں رکی؟

اگر وہ کمزور ایک طرف ہو جاتے تو ہم ان کافروں کو سخت عذاب دیتے اور انہیں خوب پٹواتے۔ لیکن اب وہ مظلوم بھی ان کافروں میں ملے جلے موجود ہیں۔ اگر لڑائی ہوتی تو وہ بھی پٹ جاتے۔ اس لیے لڑائی روک دی گئی۔

آیت نمبر 26: (الف) اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

ترجمہ: ''جب کافروں نے جاہلی کد اپنے دل میں رکھی تو اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر اطمینان اتار دیا۔''

جب لڑائی ٹلنے کا فیصلہ معلوم ہوگیا تو کافر جاہلیت کی حمیت میں ان سے شرطیں منوانے بیٹھ گئے۔ ممکن تھا کہ ان شرطوں کی سختی ہی کی وجہ سے لڑائی ہو جاتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور مومنوں پر دل کا اطمینان نازل کیا اور وہ بڑے سکون سے بیٹھے رہے اور انہوں نے وہ سب شرطیں مان لیں اور جاہلیت کے ان حامیوں کو موقعہ نہ دیا کہ لڑائی چھیڑیں۔

(ب) وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى

ترجمہ: ''انہیں انصاف کی بات پر قائم رکھا۔''

ان مومنوں کا طریقہ یہ رہا کہ ابراہیمی دین کے احترام کے لیے انہوں نے سب کچھ قبول کر لیا۔ اگر لڑائی میں مومنوں کی طرف سے نفسانیت مقصود ہوتی تو جیسے کافر چڑا رہے تھے یہ ضرور لڑ پڑتے۔ لیکن یہ اپنی انصاف کی بات پر جمے رہے۔

(ج) وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ؕ

ترجمہ: ''اور وہی انصاف کے زیادہ لائق اور قابل تھے۔''

یہ انصاف قائم کرنے کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ یہ انصاف کی خاطر لڑتے ہیں اور انصاف ہی کی خاطر (ضرورت پڑے تو دب کر بھی) صلح کرتے ہیں۔ وہ جاہل جو ملت حنیفی کی شکل ہی شکل لیے بیٹھے' اور مر رہے ہیں اقتدار پر، انصاف کیا قائم کریں گے؟

(د) وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿٢٦﴾

ترجمہ: ''اللہ ہر ایک بات جانتا ہے۔''

اس نے جو لڑائی روکنے کا حکم دیا ہے تو وہ بھی علم ہی پر مبنی ہے۔ اور وہ یہ بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ ان دونوں جماعتوں میں سے کونسی زیادہ اس قابل ہے کہ حق قائم کر سکے۔

قرآنی انقلاب کا نصب العین

آیت نمبر27: (الف) لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ

ترجمہ: ''اللہ نے سچ دکھایا اپنے رسول کو خواب، تحقیق تم ضرور داخل ہو گے مسجد حرام میں، اگر اللہ نے چاہا آرام سے، بال مونڈتے ہوئے اپنے سروں کے اور کترتے ہوئے، بے کھٹکے۔''

نبی اکرم ﷺ کا خواب

اب واقعے کا مختصر بیان آتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے خواب دیکھا کہ ہم مکے میں پہنچے ہیں۔ عمرہ ادا کیا ہے۔ کوئی بال منڈا رہا ہے، کوئی چھوٹے کرا رہا ہے اور سب امن و امان سے وہاں بیٹھے ہیں۔ مہاجرین کی جماعت یہ خواب سن کر بے تاب ہوگئی۔ انہوں نے سمجھا کہ یہ وحی ہے۔ اس یقین کے ساتھ لوگوں نے مکہ جانے کی تیاری کرلی۔ آپؐ بھی تیار ہوکر عمرے کے لیے آ گئے۔ مگر حدیبیہ کے مقام پر کفار نے روک دیا اور آپؐ رک بھی گئے۔ اس پر لوگوں کے دلوں میں شبہ پیدا ہوا کہ یہ کیا ہوا؟ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، آپؐ نے فرمایا کہ کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال ہوگا؟ لوگوں نے کہا کہ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ پھر ہوگا اور ضرور ہوگا۔ اس آیت میں اسی خواب کا ذکر ہے۔

اٰمِنِيْنَ امن و امان سے بغیر لڑے بھڑے داخل ہو جاؤ گے۔

لَا تَخَافُوْنَ تمہیں یہ خوف نہ ہوگا کہ تمہیں کوئی وہاں سے نکال دے۔

(ب) فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا ترجمہ: ''اسے معلوم تھا جو تم نہیں جانتے تھے۔''

مکہ میں خفیہ مسلم سوسائٹیاں

اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس میں کیا حکمت ہے۔ اگر تم لڑتے تو تمہارا اپنا ہی نقصان ہوتا۔ یعنی تمہاری اپنی پارٹی کے آدمی مارے جاتے۔ تمہیں ان کی خبر بھی نہ ہوتی۔

رسول اللہ ﷺ کو خبر دینے والی خفیہ سوسائٹیاں مکہ میں موجود تھیں۔ انہی کے زور پر مکہ فتح ہوا۔ اگر اب لڑائی ہو جاتی تو وہ پس جاتے۔ ان کی نجات کا ذریعہ سوچ کر لڑائی ہونی چاہیے تھی۔ صلح کے بعد قریب قریب سب لوگ نکل آئیں گے اور مدینے پہنچ جائیں گے یا اپنا کوئی اور انتظام کر لیں گے۔ اس لڑائی میں اچانک نہیں پسیں گے۔ اگر وہ پس جاتے تو مسلمان اپنے ہاتھوں اپنی طاقت برباد کرنے والے ہوتے۔

یہ چیز اللہ جانتا ہے۔ عام مسلمان اس بات سے بے خبر تھے۔

(ج) فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿٢٧﴾

ترجمہ: ''پھر مقرر کر دی اس سے ورے ایک نزدیکی فتح۔''

''نزدیکی فتح'' سے خیبر کی فتح مراد ہے۔

آیت نمبر 28: هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿٢٨﴾

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے اپنے رسول کو سیدھی راہ اور سچا دین دے کر بھیجا کہ اس دین کو ہر ایک دین پر غالب کر دے۔ اور اللہ حق ثابت کر دینے کے لیے کافی ہے۔''

قرآن کا مقصد

جس طرح حدیبیہ، خیبر اور فتح مکہ کے واقعات ہیں ان کی جزئیات (Details) کو یاد رکھو اور ان کے مطابق تمام دنیا پر غلبہ حاصل کرو۔ اس قسم کے ضبط اور ایثار والی جماعت ہی غلبہ حاصل کر سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ تم ہی غالب رہو گے۔ چنانچہ بعد کے واقعات نے اسے صحیح ثابت کر دیا۔

هُدَى دین کی اصل روح اور حکمت۔

دین الحق سچا دین جو دائمی قانون پر مشتمل ہے۔ کیونکہ وہ انسانیت کے اصلی تقاضوں

کو پورا کرتا ہے۔

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ اس دین (قرآن) کو باقی تمام دینوں پر غالب کرنا ضروری ہے اور اسے ہمیشہ غالب رہنا چاہیے۔ یہ نہیں کہ پہلے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں غالب آیا، پھر قیامت سے پہلے غالب آجائے گا۔ اور غلبے سے محض علمی غلبہ بھی مراد نہیں ہے، بلکہ سیاسی غلبہ بھی اس میں شامل ہے یعنی قرآنی قانون، قانون کی حیثیت سے بھی ہمیشہ غالب اور نافذ رہے اور علمی لحاظ سے بھی ہر ایک دین پر فوقیت حاصل رہے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس کا خیال رکھیں۔ اگر مسلمان اس سورت کو اپنی سیاست کی بنیاد بنالیں تو یہ ساری دنیا میں کام کرنے کے لیے کافی ہے۔

امام ولی اللہؒ کے خیالات

اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

''دین حق خود آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں باقی تمام دینوں پر کلی طور پر غالب نہیں آیا۔ کیونکہ ابھی نصاریٰ اور مجوس اپنے طمطراق کے ساتھ قائم تھے۔ اس لیے عام مفسرین اس آیت کی تفسیر سے عاجز رہے۔ چنانچہ ضحاکؒ کہتے ہیں کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت ہوگا۔ حسنؒ بن فضل کا قول ہے کہ واضح دلائل سے غالب کرنا مراد ہے۔ البتہ امام شافعیؒ نے ان سب لوگوں سے زیادہ مضبوط بات پیش فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

''اللہ نے اپنے رسول کو تمام دینوں پر غلبہ دیا۔ جس نے سنا اسے یقین ہوگیا کہ یہ دین سچا ہے۔ اور اس کے خلاف جو کوئی بھی ہے وہ باطل پر ہے۔ دنیا میں شرک کا مجمع دو ہی دینوں میں ہے۔ اہل کتاب کے دین میں اور اُمّیوں کے دین میں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اُمّیوں پر غلبہ پالیا۔ یہاں تک کہ وہ اس کے تابع ہوگئے اور بعض اہل کتاب نے مغلوب ہو کر جزیہ دینا قبول کر لیا۔ اور ان پر اس دین کا قانون نافذ ہوگیا۔ تمام دینوں پر اس دین کے غلبے کے یہی معنی ہیں۔''

فقیر عرض پرداز ہے کہ(1)----- ان سب صحیح احادیث کا لب لباب یہ نکلا کہ دین کا کامل غلبہ آنحضرت ﷺ کے بعد ہوگا۔ مختصر یہ کہ اس زمانے میں زمین کی حکومت دو بادشاہوں کے درمیان بٹی ہوئی تھی جو بہت شان وشوکت والے تھے۔

(1) کسریٰ ایران

(2) قیصر روم

ان دونوں بادشاہوں کے دین دوسرے دینوں پر غالب تھے اور ان دونوں دینوں کا اباحت(2) کی طرف میلان تھا اور عقیدہ ارجاء (3) دونوں پر غالب تھا۔ خود کسریٰ اور قیصر بھی ان دینوں کے حامی تھے۔ اوران کے امراء اس قاعدے کے مطابق کہ **الناس علٰی دین ملوکھم** (لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں) اپنی باتوں اور اپنے کاموں میں انہی کی طرف مائل تھے۔ چنانچہ قیصر کے اتباع میں روم ، روس ، جرمنی ، افریقہ ، شام ، مصر یعنی مغربی مما لک اور حبشہ نصرانیت کے پیرو تھے۔ اور خراسان ، توران ، ترکستان ، زاولستان اور باختر وغیرہ کسریٰ کے اتباع میں مجوس تھے اور یہودیت ،مشرکوں کا دین، ہندوؤں کا دھرم اور صابیوں کا مذہب ان دونوں بادشاہوں کے دبدبے کے نیچے تھے اور کمزور ہوکر ان کے مطیع ہو چکے تھے۔ پس ظہور دین اسلام اور کافروں اورقانون شکنوں کو برباد کرنے کے داعیے نے کسریٰ و قیصر کی حکومتوں کو برباد کرنے کی شکل اختیار کی۔ کیونکہ جب یہ دونوں حکومتیں برباد ہوجائیں گی سب سے بڑے اور سب سے مشہور دین شکست کھا جائیں گے۔'' (ازالۃ الخفاء مقصد اول ص 173)

---

(1) یہاں حضرت امام نے بہت سی احادیث نقل کی ہیں جن کی مدد سے آپ اظہار دین (غلبہ دین) کے معنی معین کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نے بات مختصر کرنے کی غرض سے وہ حدیثیں چھوڑ دی ہیں۔ اصل کتاب میں ملاحظہ فرمائی جائیں۔ (مرتب)

(2) کھانے پینے اور نکاح کے معاملے میں کسی قاعدے کی پابندی نہ کرنا اور ہر چیز کو جائز سمجھنا (مرتب)

(3) یہ عقیدہ کہ جو چاہو کرو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بخش دے گا۔ (مرتب)

''جاننا چاہیے کہ اس آیت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ دین حق کو جس طرح کا غلبہ بھی حاصل ہو، غلبہ کی وہ تمام شکلیں'' لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ '' کے کلمہ کے ضمن میں شامل ہیں، اور اس غلبہ کی سب سے بڑی قسم کہ قیصر و کسریٰ کی حکومت ختم ہوئی اس آیت کے مفہوم میں بطریق اولیٰ داخل ہے، اور ان حکومتوں کے خاتمہ کا کام خلفاء راشدین کے زمانہ میں ہوا۔'' (ازالۃ الخفاء' ص 175)

اس کے بعد ہر زمانے میں اس قانون کو غالب رکھنا مسلمانوں کا فرض ہے۔

آیت نمبر29: (الف) مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ

ترجمہ: ''محمد رسول اللہ اور اس کے ساتھی۔''

نبی اکرم ﷺ کی اجتماعی حیثیت

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک اجتماعی تحریک ہے۔ اکیلے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا کام نہیں ہے۔ وہ مزمل' رفقاء کار جمع کرنے والے ہیں۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر اور ان کے مشورے سے کام کرتے ہیں۔ (ان کی نبوت کی حیثیت جداگانہ، مستقل حیثیت ہے۔ اس میں ان کا کوئی شریک نہیں اور نہ ان کا کوئی مشیر ہے)۔ قرآن حکیم میں حضرت نبی اکرم ﷺ کی اس اجتماعی حیثیت کی طرف جابجا اشارے موجود ہیں۔ مثلاً

(1) فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ (آل عمران 195:3)

ترجمہ: ''جن لوگوں کو گھر بار سے ہجرت کرنی پڑی اور جن کو اپنے وطن سے نکالا گیا۔''

ظاہر ہے کہ وہ تنہا حضرت نبی اکرم ﷺ نہیں تھے۔ بلکہ آپؐ اور آپؐ کے ساتھی سب مراد ہیں۔

(2) يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۠ (سورہ انفال 64:8)

ترجمہ: ''اے نبی! اللہ تجھے اور تیرے مومن ساتھیوں کے لیے کافی ہے۔''

اس میں نبی کرام ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کو ملا کر ایک جماعت ظاہر کیا گیا ہے۔

(3) ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ (سورۂ توبہ 26:9)

ترجمہ: ''یعنی پھر اللہ نے اپنے رسول اور مومنین سب پر اطمینان قلب نازل فرمایا۔''

(4) لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٨٨﴾ (سورۂ توبہ 88:9)

ترجمہ: یعنی ''رسول اور وہ لوگ جو اس کے شریک ایمان ہیں' اپنے مال و جان سے اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں۔ جملہ بھلائیاں ان سب کے لیے ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔''

یہاں بھی صحابہ کرامؓ کو رسولؐ کا شریک ایمان یا رفیق فکر اور جہاد میں شریک یعنی رفیق عمل ظاہر کر کے کامیابی کے نمونے کے لیے ساری جماعت کو پیش کیا گیا ہے۔

یہی وہ چیز ہے جسے حضرت نبی اکرم ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے **ما انا علیہ و اصحابی** (جس اصول کار پر میں اور میرے ساتھی ہیں) کے الفاظ میں ظاہر فرمایا ہے۔

مشورہ کرنا آنحضرت ﷺ کے لیے ضروری تھا

آپؐ کی یہ اجتماعی حیثیت ہے جو مشورہ کرنے کے حکم کو قبول کرسکتی ہے جس کا ذکر قرآن حکیم میں ان لفظوں میں آیا ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ (آل عمران 159:3)

ترجمہ: ''ان سے معاملات ملی میں مشورہ (ضرور) لیا کرو۔ اور جب پختہ ارادہ کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔''

امام ابوبکر جصاص الرازی الحنفی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

''حضرت نبی اکرم ﷺ پر اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنا لازم تھا۔ دینی امور میں بھی اور ان امور میں بھی جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی صریح حکم موجود نہ تھا۔ اور دنیاوی امور میں بھی.... یہ غلط ہے کہ یہ مشاورت محض ان کا جی خوش کرنے اور ان کی قدر بڑھانے کے لیے تھی اور اس لیے بھی کہ آپؐ کی امت اسی طرح کرے۔ کیونکہ جب کسی کو معلوم ہو کہ مجھ سے جس امر کے متعلق مشورہ لیا جا رہا ہے اور جس بارے میں صحیح رائے

پوچھی جا رہی ہے' اس کے متعلق میں نے ایک مشورہ اپنی پوری کوشش سے پیدا بھی کرلیا' یا سوچ بچار کر کے کوئی صحیح رائے قائم کرلی تو بھی اس پر عمل نہ کیا جائے گا اور نہ اسے قبول کیا جائے گا۔ تو بھلا اس مشاورت سے اس کا جی کیا خوش ہوسکتا ہے اور اس کی قدر کیا بڑھ سکتی ہے؟ بلکہ اس کا اثر الٹا یہ ہوگا کہ ایسے مشورہ لینے والے سے وحشت بڑھے گی۔ کیونکہ اسے علم ہوگا کہ میری رائے نہ کسی کو سننی ہے اور نہ اس پر عمل کرنا ہے۔''

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

''نبی ﷺ کے لیے ضروری تھا کہ آپؐ اپنے ساتھیوں سے ان معالات میں مشورہ کرتے جن میں کوئی صریح حکم موجود نہ تھا۔ البتہ صریح احکام کے بارے میں مشورہ ناجائز تھا۔ مثلاً یہ پوچھنا کہ نماز ظہر یا عصر کے بارے میں یا زکوٰۃ یا روزے کے بارے میں ''تمہاری کیا رائے ہے؟'' بالکل غیر ضروری تھا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مشورے کا حکم دیتے وقت یہ نہیں کہا کہ فلاں بات میں مشورہ کرو اور فلاں میں نہ کرو۔ اس لیے لازم تھا کہ ہر دو معاملات میں صحابہ کرام سے مشورہ لیتے۔''

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

''عزیمت (پختہ ارادہ) کا ذکر مشاورت کے بعد آیا(1) ہے۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں وہ عزیمت مراد ہے جو مشاورت سے پیدا ہو۔''

(احکام القرآن جلد دوم ص 41 طبع بیروت)

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت کے مطابق آپؐ سے دریافت کیا گیا کہ عزم سے کیا مراد ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ (**مشاورت اھل**

(1) الفاظ کی ترتیب یوں ہے: **وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ** ظاہر ہے کہ اس میں شاورھم (ان سے مشورہ لیا کرو) پہلے واقع ہوا ہے۔ اور فاذا عزمت (جب تو پختہ اردہ کرے) بعد میں آیا ہے۔ (مرتب)

الرأی ثم اتباعهم) یعنی جو لوگ مشورہ دینے کے قابل ہوں، ان سے رائے لے کر ان کی رائے کی پیروی کرنے کا نام عزم ہے۔

مشاورت کی اہمیت

لیکن افسوس ہے کہ مسلمانوں نے عام طور پر حضرت نبی اکرم ﷺ کے اس بلند اجتماعی تصور کو آپؐ کی انفرایت میں گم کر دیا۔

مشاورت کا مسئلہ اسلام میں بہت بڑا مسئلہ ہے۔ لیکن اسلامی حکومتوں کو مشورے سے خالی کر کے مطلق العنان، جاہل حکمرانوں اور امیروں کا کھیل بنا دیا گیا۔(1) وہ مسلمانوں کی امانت (سرکاری خزانے) سے اپنی شہوت پرستیوں پر روپیہ صرف کرتے ہیں۔ وہ بڑی سے بڑی مصلحت کے مقابلے میں خیانتیں کرتے ہیں اور ان سے کوئی پوچھنے والا نہیں(2) اس قسم کی غلطیوں کا خمیازہ مسلمانوں کو صرف اس غلط تفسیر کی وجہ سے بھگتنا پڑا۔ ورنہ ہر ایک مسلمان ایک حاکم کے اوپر ننگی تلوار ہے۔ وہ حاکم کیوں قانون الٰہی کی اطاعت نہیں کرتا؟ اگر وہ اطاعت نہیں کرتا تو کس بنا پر ہم سے اطاعت کا طلبگار ہوتا ہے؟ یہ طاقت مسلمانوں میں پھر سے پیدا ہو سکتی ہے۔ اور اس سے ان کی جماعتی زندگی آسانی کے ساتھ قرآن کے مطابق بن سکتی ہے۔

---

(1) تازہ ترین مثال حکومت ایران کی ہے۔ کہ 942ھ میں اتحادیوں نے روپے کے بل بوتے پر چند گھنٹوں میں سارے ایران پر قبضہ کرلیا۔ (مرتب) 1942ء-942ھ

(2) سید الطائفہ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی اپنے ایک مکتوب گرامی میں لکھتے ہیں:

''بڑی خرابی امراء اور رئیسوں کو اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے مشورہ لینے کی سنت کو اپنی کم فہمی سے ترک کر دیا ہے، مسلمان لوگوں کی تعلیم کے واسطے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو''شاورهم فی الامر'' بتاکید فرمایا ہے، نصرانیوں نے اس آیت پر اس درجہ عمل کیا کہ ہزاروں قسم کی مجلسیں مقرر کیں، ہر اخبار اور رعایا کو رائے دینے کا مجاز کیا، اس کا نتیجہ جو کچھ ہے آپ کو بھی معلوم ہے۔ (لیکن) مسلمانوں کو یہ خبط ہے کہ جب ہم دوسروں سے رائے لیں گے تو ''ہم کو لوگ کم عقل سمجھیں گے'' یا ''ہماری حکومت میں شریک ہوں گے'' یا تکبر سے کسی کو مشورہ کے قابل نہیں سمجھتے، غرض کہ (مسلمانوں کو) بیسیوں خبط ہیں۔''

(تربیت السالک از حضرت تھانوی، ص 59) (آزاد)

حقیقت یہ ہے کہ شوریٰ کو مستحب (1) بنا کر اسے سیاست اسلامی سے نکال ڈالنے والے لوگوں نے اسلام کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔

صحابی سے کون مراد ہیں؟

ایسے ہی صحابی کی وہ تعریف عوام میں مشہور ہوگئی ہے جس سے بہت غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ صحابی کی یہ تعریف کہ ''اس نے ایمان کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو'' حدیث کی روایتیں جمع کرنے کی خاطر بنائی گئی ہے ورنہ اصل میں سیرت نبوی کے اعتبار سے صحابی وہ ہے جس نے آپؐ کی معیت لازم پکڑی اور آپؐ کے ساتھ آخر تک انقلاب میں شریک رہا۔ تکلیفیں اٹھائیں اور اس تحریک کی صداقت کے متعلق پورے یقین کے ساتھ یہ اطمینان کر لیا کہ انسانیت کے لیے اس کے سوا اور کوئی پروگرام نہیں ہے۔(2) یہی وہ لوگ ہیں جن کی تعریف قرآن حکیم ان الفاظ میں کرتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (انفال 74:8)

ترجمہ: یعنی ''جو لوگ ایمان لائے جنہوں نے اپنے گھر چھوڑے اور اللہ کی راہ میں لڑے اور جن لوگوں نے انہیں جگہ دی اور ان کی مدد کی' وہی ہیں سچے مسلمان۔ ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے۔''

(1) مستحب وہ امر ہے کہ اس پر عمل کریں تو اچھا ہے اور نہ کریں تو کوئی حرج نہیں۔ (مرتب)

(2) چنانچہ محدث مازری شرح برہان میں رقمطراز ہیں کہ:

(لسنا نعنى بقولنا ''الصحابه عدول'' كل من راه صلعم يوما ما ، اوزراه لماما، اواجتمع به لغرض وانصرف مكث انما نعنى به الذين لا زموه و عزروه ونصروه واتبعوا النور الذى انزل معه اولئک هم المفلحون) منقول از اسوہ صحابہ از مولانا محمد سعید انصاری جلد اول ص 11 بحوالہ ''فتح المغیث'' ص 377) یعنی جب ہم کہتے ہیں کہ الصحابتہ عدول (صحابی سب عادل ہیں) تو اس سے ہماری مراد ہر وہ شخص نہیں جس نے آنحضرت ﷺ کو کسی روز دیکھ لیا یا کبھی زیارت کر گیا۔ یا کسی کام سے آیا اور فوراً واپس لوٹ گیا۔ بلکہ ہماری مراد ان بزرگوں سے ہے جنہوں نے آپؐ کی معیت لازم پکڑی۔ جہاد میں آپؐ کی مدد کی۔ آپ کی حمایت میں آپؐ کے دشمنوں سے لڑے اور اس نور کی پیروی کی جو آپؐ پر نازل ہوا۔ یہ لوگ ہیں جو حقیقی معنوں میں کامیاب ہوئے۔ (مرتب)

رسول اللہ ﷺ اور آپ ؐ کے ساتھیوں کی' جنہوں نے آپ ؐ کی سیرت (حالات زندگی) کے بنانے میں حصہ لیا' چند صفتیں ہیں:

(1) اشدآء علی الکفار ''کافروں پر سخت۔''

نبی ﷺ کے ساتھی اشدآءُ علی الکفار ہیں

ان کی سختی کے دو پہلو ہیں:

(i) یہ لوگ مخالفوں سے لڑنے میں بڑے سخت ہیں کہ موت قبول کر کے لڑنے کے لیے جاتے ہیں۔

(ii) جو لوگ اس تحریک کے کھلم کھلا دشمن (کافر) ہیں۔ یہ لوگ ان کافروں کو انتہائی سزا دینے کے طرفدار ہیں۔ قتل کی ضرورت ہو تو قتل کر دیئے جائیں (1) ورنہ جو اس سے کم سزا ضروری ہو' وہ دی جائے۔

قتل ہمیشہ اسی وقت کیا جائے گا جب انہوں نے قتل کیا ہو یا وہ لڑنے کے لیے تیار ہوئے ہوں۔ ورنہ ان کی انتہائی سزا یہ ہے کہ ان کی سیاسی تحریک روک دی جائے۔ اور انہیں سیاست میں حصہ نہ لینے دیا جائے۔ ان کی عقلمندی سے جو ارتفاقی اور تمدنی فائدے حاصل ہو سکتے ہیں ان سے جماعت کو محروم کرنا مقصود نہیں ہے۔

(2) رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ ''آپس میں رحمدل''

وہ ''رُحمآء بینھم'' بھی ہیں

جو لوگ اس تحریک کی تائید میں ان کے ساتھی ہیں ان کے لیے ان کے پاس سوائے رحمت کے اور کچھ نہیں۔ جیسے ماں باپ اپنی اولاد پر رحمت کرتے ہیں۔ ایسے ہی یہ لوگ اپنے ساتھیوں کے ساتھ رحمت سے پیش آتے ہیں۔ اور اپنے بعد آنے والوں کے لیے بھی رحمت کے دروازے کھولتے ہیں۔ جس شخص کے متعلق امکان نظر آتا ہے کہ وہ اس تحریک کی تائید کرے گا' اسے مخالف بننے کا موقعہ نہیں دیتے۔

ان کے جو ساتھی مظلوم اور ضعیف ہیں' اگرچہ یہ انہیں پہچانتے بھی نہیں' مگر ان پر

(1) جنگ بدر میں جو کافر قیدی گرفتار ہو کر آئے حضرت عمرؓ نے ان کے متعلق تجویز کیا کہ ہر ایک مسلمان ان میں سے اپنے اپنے عزیزوں کو قتل کر دے۔ (مرتب)

رحم کرنے کے لیے اپنی تمام عزت قربان کر دیتے ہیں۔ جیسے انہوں نے حدیبیہ کی صلح میں کیا۔ یا حضرت فاروق اعظمؓ نے عراق کی زمین فوجیوں میں تقسیم کرنے سے اس بناء پر انکار کر دیا تھا کہ ان اراضی کا فائدہ بعد میں آنے والی نسلوں کو ملنا چاہیے۔
(ازالتہ الخفا: امام ولی اللہ دہلویؒ مقصد دوم ص 127)

فائدہ

یہ ایک طبعی چیز ہے کہ اگر کسی جماعت میں مخالف جماعت کے خلاف دشمنی کے جذبات پیدا کر دیئے جائیں تو خود اس جماعت کے اندر محبت و رحمت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو جماعت قرآن حکیم کو تمام دینوں پر غالب کرنے کے لیے اٹھے' اسے اپنے اندر انتہا درجے کی محبت و رحمت پیدا کرنی چاہیے۔ اور اس آپس کی محبت کے جو تقاضے ہیں وہ پورے کرنے چاہئیں۔ یعنی آپس میں کامل تعاون اور ایک دوسرے کی ضروریات کی کفالت۔

(3) **تراھم رکعًا سُجَّدًا** ''تو دیکھتا ہے، انہیں رکوع میں اور سجدے میں۔''

خدا پرست لوگوں کی اصطلاح میں رکوع اور سجدہ خدا کے سامنے اپنی ذمہ داری کا مظاہرہ ہے۔

رکوع کیا ہے؟

رکوع کا مطلب یہ سمجھنا چاہیے کہ ذمہ داری کا جو بوجھ اللہ نے ہم پر ڈالا ہے' ہم اسے برداشت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی انسان کو جو دل و دماغ دیتا ہے اسی نسبت سے اس پر فرض عائد کرتا ہے۔ یہ فرض اس پر ایک بوجھ ہے جسے وہ رکوع کی شکل میں اٹھاتا ہے۔ گویا وہ اقرار کرتا ہے کہ میری جو ڈیوٹی مقرر کی گئی ہے میں اسے خوشی کے ساتھ قبول کرتا ہوں۔ اور اس پر اسی طرح کاربند رہوں گا' جیسے ایک حیوان ایک انسان کے آگے اپنا فرض ادا کرتا ہے۔

سجدہ کیا ہے؟

سجدہ یہ ہے کہ میں کامل اطاعت کا اعلان کرتا ہوں۔ پہلا سجدہ کر کے اعتراف کرتا

ہوں کہ میری جان تیری راہ میں حاضر ہے۔ دوسرے سجدے کے ذریعے اس امر کا اعتراف مقصود ہے کہ ہر وہ چیز جس کا تعلق میری جان کے ساتھ ہے۔---مال و اولاد--- سب کچھ تیری راہ میں قربان کرتا ہوں۔ یہ تکمیلی درجہ ہے۔ اور **ان اللّٰـہ اشترٰی من المؤمنین انفسھم و اموالھم** (1) (التوبہ 11:0) کی عملی تفسیر ہے۔

جو انسان اپنے فرض کے ادا کرنے سے قاصر رہا' وہ انسانیت سے گر گیا۔ اگر اس نے اپنا فرض پورا ادا کر دیا تو وہ تعریف کے قابل ہے۔ یہ رکوع کی تکمیل ہے۔ لیکن ایک شخص اس سے بھی آگے بڑھ کر اپنے فرض سے بھی زیادہ کام کرتا ہے وہ جان و مال اور سب کچھ مکمل طور پر اس انقلاب میں جھونک دیتا ہے۔ یہ سجدہ ہے۔

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا (29:48) ''تو انہیں رکوع اور سجدہ میں دیکھتا ہے'' سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھی اپنے کام میں غرق ہیں۔ وہ اس کی تکمیل کے بغیر دم نہیں لیں گے۔ اور اسے انتہا تک پورا کریں گے۔ وہ اس کی تکمیل پر جان و مال سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہیں۔

اسی آمادگی اور عمل کا نتیجہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی آخری زندگی میں یہ آیت نازل ہوئی کہ:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (3:5)

''میں نے آج تمہارا دین تمہارے لیے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی۔''

بقول امام ولی اللہ دہلویؒ ''اتمام نعمت'' سے مراد بین الاقوامی حکومت دینا ہے۔

یہ درخت قیامت تک پھل لاتا رہے گا۔

(ج) يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ

''وہ اللہ سے فضل مانگتے ہیں۔''

فضل کیا ہے؟

اگر وہ محض فرض ادا کرتے تو وہ اپنا حق پورا پاتے۔ مگر وہ زیادہ ترقی چاہتے ہیں۔ اس

(1) بیشک اللہ نے مومنوں کے جان و مال مول لے لیے ہیں۔

لیے تکمیلی کام بھی کرتے ہیں۔ وہ اس فضل کی وجہ سے قوموں کی دوڑ میں اتنا آگے بڑھ جائیں گے کہ وہ سب کے امام مان لیے جائیں گے۔اس لیے انہیں یہ دعا سکھائی گئی ہے کہ:

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (الفرقان 25:74)

ترجمہ:''بال بچے ایسے ہوں کہ ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔یعنی اپنے گھر میں جو پروگرام چلانا چاہتے ہیں وہ انہیں پورا ہوتا نظر آئے جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔اس کے علاوہ وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ خدا سے ڈر کر انصاف کرنے والے متقیوں کے امام بنیں۔''

(د) وَرِضْوَانًا ''اور اللہ کی رضا''

رضوان سے کیا مراد ہے؟

اللہ کی رضا اس کی تجلی میں محویت سے حاصل ہوتی ہے۔حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ نے انسان کے کمالات کے دو حصے کر دیئے ہیں:

(1) ارتفاق یعنی دنیا میں آرام سے زندگی بسر کرنے کے ڈھنگ۔

(2) اقتراب یعنی قرب الٰہی میں ترقی کرنا یا دوسرے لفظوں میں حظیرۃ القدس میں مقام حاصل کرنا۔

رضوان کا تعلق اقتراب سے ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کے قلب میں ایک آئینہ ہے۔جس میں اللہ کی تجلی کا عکس آتا ہے۔اس آئینے کو جتنا زیادہ صاف کیا جائے اتنا ہی یہ عکس زیادہ روشن اور صاف آئے گا۔اس تجلی کا جو نزول انسان کے قلب میں ہوتا ہے اسے قرب الٰہی (اقتراب) سمجھنا چاہیے اور تجلی کا نازل ہونا ہی اللہ کی خوشنودی (رضوان) کی علامت ہے۔اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ انسان اس دنیا میں رہتا ہوا ملاء اعلیٰ کے ساتھ تعلق قائم کر لیتا ہے۔اور وہ اللہ کی شانوں کا ہر وقت احساس کرتا رہتا ہے اور جامد نہیں ہو جاتا۔صالح انقلابی ذہنیت کا یہی نتیجہ ہونا چاہیے۔ایسا انقلابی مرنے کے بعد حظیرۃ القدس میں جگہ پاتا ہے۔

اللہ کا فضل انسان کی ارتفاقی زندگی کا انتہائی درجہ ہے۔
اللہ کا رضوان انسان کی اقترابی زندگی یعنی اللہ کا قرب اور نزدیکی حاصل کرنے کا آخری درجہ ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی جماعت کی خوبی

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ ''محمد رسول اللہ اور ان کے ساتھی'' سے جو جماعت پیدا ہوئی ہے اس کی زندگی ارتفاق اور اقتراب دونوں کے لحاظ سے نمونے کی زندگی ہے۔ انہوں نے بین الاقوامی حکومت بھی پیدا کی اور قربِ الٰہی کے بھی اونچے سے اونچے درجوں تک پہنچے۔ ان کا یہ کارنامہ قیامت تک کے انقلابیوں کے لیے اعلیٰ درجے کا نمونہ ثابت ہوگا۔ بیچ میں اس نمونے پر اور نمونے ڈھلتے رہیں گے۔ لیکن اصل نمونہ یہی ہوگا۔ حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ نمونے کے اس اولین دور کو حضرت عثمانؓ کی شہادت پر ختم مانتے ہیں(1) اور اس دور کی تاریخ کے جس اعلیٰ پائے کے وہ شرح کرنے والے ہیں اس سے بہتر کوئی دوسرا عالم نہیں مل سکتا۔

اس سے پہلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ قرآن کا قانون بین الاقوامی درجے پر غالب رہنا چاہیے۔ یہ جماعت اپنے فیصلے سے اس ذمہ داری کو قبول کرتی ہے۔
یبتغون (چاہتے ہیں) سے یہی مراد ہے کہ اپنی مرضی اور فیصلے سے ''چاہتے ہیں''۔

(ہ) سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ

''ان کی نشانی ان کے مونہوں پر ہے سجدے کے اثر سے۔''

سجدے کی روح — قربانی — ان کے اندر داخل ہو چکی ہے اور اس سے وہ اس قدر نڈر ہو چکے ہیں کہ ان کے چہرے سے ایک نور ابلتا ہے۔ وہ ہر ایک مصیبت کو برداشت کرنے کے لیے آمادہ ہیں۔ انہیں راہ حق سے کوئی مصیبت ہٹا نہیں سکتی۔

(و) ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ

''ان کی یہ تمثیل تورات میں (پہلے ہی) بیان کر دی گئی ہے۔''

1۔ ازالۃ الخفاء، مقصد اول، باب مبحث، ص 121 (مرتب)

تورات اور انجیل میں اس جماعت کا ذکر

تورات میں اس کا اشارہ مجمل ہے۔ چنانچہ تورات میں ہے کہ میں بنی اسماعیل کو اتنا ہی بڑھاؤں گا جتنا بنی اسحاق کو۔ میں انہیں ایک بڑی قوم بناؤں گا۔

(ز) وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ ۚ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ

ترجمہ: ''اور انجیل میں ان کی تمثیل جیسے کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا' پھر اس کی کمر مضبوط کی۔ پھر وہ موٹا ہوا' پھر کھڑا ہوگیا اپنی نال پر۔ خوش لگتا ہے کھیتی والوں کو۔''

اس سلسلے میں انجیل کے مندرجہ ذیل مقامات لائق توجہ ہیں:

انجیل مرقس باب 4 آیۃ 3-9 میں ہے کہ:

''سنو' دیکھو' ایک بونے والا بیج بونے نکلا اور بوتے وقت ایسا ہوا کہ کچھ راہ کے کنارے گرا اور پرندوں نے آ کر اسے چگ لیا۔ اور کچھ پتھریلی زمین پر گرا جہاں اسے بہت مٹی نہ ملی۔ اور گہری مٹی نہ ملنے کے سبب جلد اگ آیا۔ اور جب سورج نکلا تو جل گیا اور جڑ نہ ہونے کے سبب سوکھ گیا۔ اور کچھ جھاڑیوں میں گرا۔ اور جھاڑیوں نے بڑھ کر اسے دبا لیا۔ اور وہ پھل نہ لایا۔ اور کچھ اچھی زمین پر گرا وہ اُگا اور بڑھ کر پھلا اور کوئی تیس گنا' کوئی ساٹھ گنا' کوئی سو گنا پھل لایا۔''

پھل لانے کی مزید کیفیت آگے چل کر آیات 26-27-28 میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

''اور اس نے کہا: خدا کی بادشاہت ایسی ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے' اور رات کو سوئے اور دن کو جاگے' اور وہ بیج اس طرح اُگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے' زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے' پہلے پتی' پھر بالیں' بعد اس کے بالوں میں تیار دانے۔''

(ح) لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ''تاکہ ان سے کافروں کا جی جلائے۔''

خدا نے قوموں کو رسولوں کے ذریعے سے اپنی کتابیں اور ہدایتیں دیں۔ وہ لوگ اس دین کی عزت کرتے اور اپنی کتاب پر عمل کرتے تو ان کی عزت قائم رہتی۔ اور ان پر کوئی دوسرا حاکم نہ ہوسکتا۔ مگر انہوں نے ان کتابوں کی عزت نہ کی اور اپنے دین کا احترام قائم نہ رکھا بلکہ اس کی عملاً مخالفت کی۔ یہ کفار ہیں۔

اب ایک دیندار جماعت پیدا ہوتی ہے جو ان پر غالب آجاتی ہے۔ کفار اپنے آپ کو بھی دیندار سمجھتے ہیں۔ انہیں غصہ آتا ہے یہ لوگ ہمارے دین پر غالب کیوں آگئے؟ لیکن حکمت الٰہی کا تقاضا ہے کہ یہ باعمل جماعت جو مرنے پر آمادہ ہے' ان ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنے والوں یا نیم دلی سے اپنے دین کو ماننے والوں پر غالب آجائے۔

ان نام نہاد ''دیندار'' قوموں کو مغلوب کرنا ایک دن کا کام نہیں ہے۔ یہ انقلاب قیامت تک جاری رہے گا۔

کیا مہاجرین کی پہلی جماعت کے ذریعے ہندوستان' ترکستان اور سوڈان فتح ہوسکتے تھے؟ پس قرآنی تحریک کی ترقی ایسی ہے جیسے کھیتی کا نشوونما پانا۔ یہ چھومنتر کا کام نہیں ہے' ارتقائی کام ہے۔ یہ طبعی چیز ہے' ہو کر رہے گی۔ مگر بعض لوگ جن کی نظر قرآن پر گہری نہیں ہے طبعی رفتار کو دین سے الگ کرتے ہیں لیکن ہم امام ولی اللہؒ کے واسطے سے نیچر اور دین کو ایک ہی چیز مانتے ہیں۔ یہ تحریک اس کی مثال ہے۔ یعنی جس طرح بیج بونے کے بعد کھیتی طبعی رفتار سے ترقی کرتی ہے' ایسے ہی یہ قرآنی تحریک طبعی طور پر ترقی کرے گی' اور تمام دنیا پر چھا جائے گی۔

یہاں تک حضرت نبی اکرم ﷺ کی جماعت کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں جو ان کی کامیابی کے کفیل بنے۔ اب ایک کلیے کے طور پر جامع اصول بیان کیا جاتا ہے۔

(ط) وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٢٩﴾

ترجمہ: ''ان میں سے جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے' ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ انہیں معافی ملے گی اور بڑا اجر ملے گا۔''

یہ نمونے کی جماعت ہے

اس انٹرنیشنل تحریک کو چلانے والی جتنی جماعتیں ہیں (الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ) ان سب سے وعدہ ہے کہ ان کی غلطیاں معاف کر دی جائیں گی' بشرطیکہ وہ اس پروگرام پر چلتی رہیں۔ وہ اس تحریک سے بڑے بڑے فائدے حاصل کریں۔ گے اِس دنیا میں بھی اور اُس دنیا میں بھی۔

رسول اللہ ﷺ کی جماعتی کامیابی جو نمونے کے طور پر قرآن کی عملی زندگی پیش کرتی ہے وہ اس آخری آیت میں ضبط کر دی گئی ہے اس نمونے پر قیامت تک عمل کرنا ہوگا۔ اب قرآن شریف کو کسی اور نمونے کی ضرورت نہیں ہوگی اور نہ انسانیت کو کسی اور کتاب الٰہی کی حاجت ہوگی۔ تمام مسلمانوں پر ایسی جماعت کا قائم رکھنا فرض ہے۔

سورۂ فتح کا خلاصہ
اور
سورہ حجرات کے ساتھ ربط

سورۂ فتح کا خلاصہ

سورۂ فتح میں قرآن حکیم کے عظیم الشان نصب العین کا اعلان کیا گیا ہے۔ جس کا منشاء یہ ہے کہ قرآن حکیم کا قانون تمام دوسرے قانونوں پر غالب رہنا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ یہ نصب العین قرآن حکیم کے بین الاقوامی غلبے کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس لیے اس سورت میں آنے والی بین الاقوامی جنگوں کی طرف بھی صاف الفاظ میں اشارہ کر دیا گیا ہے۔ پھر اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ قومی انقلاب کی تکمیل کے بغیر کوئی بین الاقوامی انقلاب سوچا بھی نہیں جاسکتا۔ اور قومی اور بین الاقوامی انقلابوں کے لیے نہایت اعلیٰ درجے کے ضبط کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس سورت میں اس قسم کے ضبط کی حد یہ بیان کی گئی ہے کہ جو شخص قرآن حکیم کی انقلابی جماعت میں شامل ہو کر اس کے

کسی حکم کو ماننے سے انکار کر دے' اسے سخت سے سخت سزا دی جاسکتی ہے۔ یہاں تک کہ آخری حالت میں موت کی سزا بھی مل سکتی ہے۔ پھر اس قانون کے ماننے والوں کی حالت بھی یہ بیان کر دی ہے کہ وہ ان لوگوں پر بڑی سے بڑی سختی کرنے کو تیار ہیں جو اس قانون کو تسلیم کرنے سے انکار کر کے علانیہ میدان جنگ میں اتر آئیں۔

اس قسم کی نئی جماعت جب فاتح ہو کر پرانے رجعت پسندی کے دور کو ختم کر دینا چاہے تو اس کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ سوسائٹی میں نئی تہذیب کی بنیاد رکھے۔ وہ نئی تہذیب اس نئے نظام کے پوری طرح مناسب ہوتی ہے۔ جب سوسائٹی اس نئی تہذیب میں پرورش پانے کی عادی ہو جاتی ہے تو اسے نئے نظام پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اگر فقط حکومت میں تبدیلی پیدا کی جائے اور تہذیب پہلی ہی قائم رکھی جائے تو چند دنوں کے بعد ویسی ہی رجعت پسند جماعت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے انقلابی جماعت رجعت پسندی کا دور ختم کرنے کے لیے عموماً نیا مرکزی شہر بساتی ہے جس میں نئی تہذیب منظّم کی جاتی ہے۔

اسلام کی سیاسی قوت فتح مکہ کے وقت سے شروع ہوتی ہے اور مکہ حجاز کا پرانا مرکز تھا۔ نئی تہذیب کے لیے ایک نئے مرکز کی ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے واسطے مدینہ طیبہ میں رہنا آسان کر دیا۔ مدینہ منورہ کی حالت شروع میں شہر کی نہ تھی۔ وہ چند بستیوں کا مجموعہ تھا۔ جن میں انصار و یہود کے قبیلے بستے تھے۔ انہیں میں بنی نجار کی بستی تھی جس میں حضرت نبی اکرم ﷺ نے مسجد بنائی۔ اور اس مسجد اور بستی کو نئی تہذیب کا منبع بنایا۔

سورۂ حجرات کے ساتھ ربط

اس نئی سوسائٹی کی تہذیب جن قاعدوں پر چلے گی ان کا ذکر سورۂ حجرات میں آتا ہے۔



قرآنی حزبِ انقلاب

سورت المجادلہ کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

حزب اللہ کے بنیادی اصول

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ
الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝9

(اے مسلمانو! تم جب آپس میں مشورہ کرو تو اثم' عدوان اور معصیت الرسول کے لیے مشورے نہ کرو۔ بلکہ نیکی (بر) اور انصاف (تقویٰ) پھیلانے کے لیے مشورے کرو۔ اس خدا سے ڈرتے رہو جس کی طرف اٹھا کر لوٹائے جاؤ گے۔)

آیت نمبر 9 تا 11 میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس قسم کی خفیہ سوسائٹی بنائیں نیز اس کے قواعد بتائے گئے ہیں۔ مسلمانوں کو جس قسم کی جماعت بنانے کا حکم دیا گیا ہے اس کا مقصد متعین کر لینا چاہیے۔ یعنی: (الف) بر (اخلاقی قانون) (ب) اور تقویٰ (انصاف) کے قیام کے لیے۔

قانون کے بعض حصے اخلاقی ہوتے ہیں۔ یہ قانون کی روح ہوتے ہیں اور دوسرا حصہ وہ ہوتا ہے جس کے چلانے میں حکومت قوت بھی استعمال کر سکتی ہے۔ اسے تقویٰ کہا گیا ہے۔ پس وہ جماعت قانون کی شکل (تقویٰ) اور روح (بر) دونوں کو قائم رکھنے کے لیے ہو نہ کہ اثم' عدوان اور معصیت الرسول کے لیے۔

اپنی سوسائٹی کا اصل حاکم اللہ ہی کو سمجھو۔ وہ غائب اور حاضر سب کو جانتا ہے۔ جب مسلمان اس قسم کی سوسائٹی بنالیں گے' ان کا ڈر جاتا رہے گا۔

حرفِ اوّل

از ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

یہ حقیقت مسلم ہے کہ یہ دور اجتماعیت کا دور ہے۔ اس دور میں وہی فکر انسانیت کے اجتماعی تقاضوں سے عہدہ برآ ہوسکتی ہے، جو قرآنی اجتماعیت کے قیام کی نقیب ہو۔ اسی اجتماعیت کے قیام کے لیے پہلا عملی مرحلہ تنظیم سازی کا ہے۔ کیونکہ کوئی بھی فکر خواہ وہ کس قدر بلند اور اعلیٰ کیوں نہ ہو، تنظیم اور حزب کے بغیر چند الفاظ سے زیادہ اہمیت نہیں پاتا۔ اسی بناء پر قرآن حکیم نے اجتماعی زندگی کی اہمیت اور نظم و ضبط کی ضرورت کو زیادہ واضح کیا۔ جس کے نتیجے میں جماعت صحابہ جیسی حزب اللہ وجود میں آئی۔ جس نے عالمی طاغوتوں کی سرکشی کا قلع قمع کر کے نظامِ عدل قائم کیا۔

زیر نظر کتابچہ میں قرآن حکیم کی سورۃ مجادلہ کی روشنی میں اسی حزب انقلاب کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ جس کو مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ نے حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے افکار کی روشنی میں ترتیب دیا ہے۔ امید ہے کہ احبابِ فکر اسے نہ صرف پسند کریں گے بلکہ اس کی روشنی میں اپنے لائحۂ عمل کا جائزہ بھی لے سکیں گے۔

(کتابچہ کی صورت میں طبع اول کا دیباچہ)

عرضِ اوّل

از غازی خدا بخش تلمیذ امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ

("خدام الدین" میں طبع شدہ مضمون کا ابتدائیہ)

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ دیوبندی نے فرمایا کہ میرے شاگردوں میں:

(الف) ادبِ قرآن (قرآنی فصاحت و بلاغت) میں جو درجہ کشمیر کی وادی لولاب کے سید (محمد) انور شاہ (کشمیری) کو حاصل ہوا، وہ کسی اور کو نہیں۔

(ب) اور قرآنی سیاست میں جو درجہ عبیداللہ سندھی نے حاصل کیا، وہ کسی اور کے حصہ میں نہ آیا۔

یہ بات شیخ الہند نے کب کہی؟ جب انگریز نے (انھیں) مالٹا میں قید کر دیا۔ یہ بات کس نے سنی؟ یہ ان کے شاگرد (مولانا) حسین احمد مدنی نے سنی جب وہ ان کے ہمراہ اسیر مالٹا تھے۔ اور مولانا سندھی عملی طور پر قرآنی سیاست میں حصہ لے رہے تھے۔ اور استاد محترم کے ارشاد کے مطابق افغانستان پہنچ کر افغان فوجوں کو ہمراہ لے کر انگریز فوجوں کے مقابلے میں سینہ سپر تھے۔ آخر انگریز صلح پر مجبور ہو گئے اور ایک شرط یہ قرار پائی کہ عبیداللہ سندھی کو افغانستان میں نہ رہنے دیا جائے۔ حضرت سندھی نے اپنی پچیس سالہ جلاوطنی کی میعاد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے روس، ترکی اور حجاز کا رخ کیا۔ انگریز نے حضرت سندھی کو افغانستان میں نہ رہنے دیا۔ مولانا سندھی نے اپنی جدوجہد جاری رکھی اور اسے آخر ہندوستان سے نکلوا دیا۔ پچیس سالہ جلاوطنی کے بعد اپنی قوم کو ووٹ کی قیمت سمجھانے کی غرض سے ہندوستان میں قدم رکھا۔ یہ پاکستان بننے سے پہلے کی باتیں ہیں۔

شیخ التفسیر حضرت (مولانا احمد علی) لاہوری سے امام انقلاب سندھی نے ان کے شاگردوں میں سے دو نوجوان طلب کیے۔ حضرت لاہوری نے اپنے دو شاگرد ان کے حوالے کیے۔ ایک تھے شیخ بشیر احمد بی اے اور دوسرا راقم آثم خدا بخش عفی عنہ' جو کچھ عرصہ کے لیے کابل' مکہ معظّمہ اور سندھ کے گوٹھ پیر جھنڈا میں حضرت سندھی کی رفاقت میں رہا۔ حضرت سندھی نے وصال سے پہلے چار ہزار صفحات مختلف امالیوں میں قرآن و حدیث' سیاست اور تصوف وغیرہ کے موضوعات پر لکھوا دیئے۔ انہیں امالیوں میں سے ایک املی کی ایک سورۃ قارئین کے غور و فکر کے لیے شائع کی جاتی ہے۔

غازی خدا بخش

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ المجادلہ (58)

تمہید سورت

سورت کا موضوع: حزب اللہ کی ضرورت

یہ سورۃ حزب اللہ کی تشکیل کی ضرورت ثابت کرتی ہے۔ یہ عقلی طور پر طے ہو چکا ہے کہ کوئی انقلاب پارٹی ڈکٹیٹرشپ (Party Dictatorship) کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتا۔ قرآن حکیم جو انقلاب لانا چاہتا ہے اس کا حاصل یہی ہے کہ کتاب الٰہی کی حکومت تمام قانون پر غالب ہو جائے۔ اس مضمون کو پورا کرنے والی جماعت حزب اللہ کہلائے گی۔ یہ سورت حزب اللہ کی ضرورت کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کرتی ہے۔

مسلمانوں کے سامنے دو جماعتیں تھیں:

(1) مکے کے مشرکین اور (2) منافقین مدینہ

خلافت باطنہ

مسلمان مشرکین مکہ پر ایک حد تک بدر میں فتح پا چکے ہیں۔ مکہ معظّمہ میں حزب اللہ کی جو بنیاد رکھی گئی تھی وہ ایک لحاظ سے مخفی جماعت کی شکل میں تھی، مہاجرین کی اس جماعت کو منظّم کرلیا گیا تو اطراف مکہ معظّمہ میں اسلام پھیلایا گیا۔ یہ لوگ اسلام لانے کا اس کے سوا اور کوئی مطلب نہ سمجھتے کہ قرآن حکیم کے خلاف کوئی چیز نہیں ماننی چاہیے۔ اس طرح قرآن حکیم کی حکومت پیدا کرنے والی جماعت منظّم ہوگئی مگر شروع شروع میں اس کی تنظیم مخفی تھی۔ اس لیے لوگوں کو اب تک عام طور پر علم نہیں ہے کہ مکہ معظّمہ ہی میں حکومت پیدا ہو چکی تھی۔ اس لیے شاہ ولی اللہؒ اسے خلافت باطنہ کے نام سے موسوم کرتے تھے۔

(فیوض الحرمین وتفہیمات الٰہیہ جلد اول ص 13)

اس جماعت کے نظام سے السابقون الاولون من المهاجرین والانصار واقف تھے۔

حزب اللہ کی ضرورت

دوسری جماعت جس سے مسلمانوں کا واسطہ پڑا وہ مدینہ منورہ کے یہودیوں کے طرفدار منافقین تھے۔ وہ خفیہ چالیں چلتے مگر بظاہر اسلام کا دعویٰ بھی کرتے جاتے۔ اندیشہ تھا کہ جب تک مسلمانوں کے خاص لوگ ان غلط کاروں کی تدابیر کے رد کرنے کی طرف متوجہ نہ ہوں گے اسلام میں ایک بڑا رخنہ پیدا ہو جائے گا۔ پس ایک ایسی جماعت کی تشکیل کی ضرورت تھی جو اشرار کی شرارتوں کا سدباب کرتی رہے۔ اس جماعت کا نام حزب اللہ رکھا گیا۔

سورۃ مجادلہ میں اس جماعت کی تشکیل کا اعلان کیا گیا ہے اور اس کی ضرورت سمجھائی گئی ہے۔ اب قرآن حکیم کی خدمت کرنے والی جماعت کا نظام مکمل ہوگیا۔ اگر کوئی لڑے تو یہ جماعت اس کے ساتھ لڑے گی اور کوئی پراپیگنڈہ کرے تو اس کے خلاف پراپیگنڈہ کرے گی۔

ایک اسلوب نزول

قرآن حکیم کے نزول کا عام اسلوب یہ رہا ہے کہ عام عرب کی ذہنیت میں حکمت کا کوئی اعلیٰ مسئلہ مرتکز کرنے کے لیے اس امر کا انتظار کیا جاتا ہے کہ کوئی ایسا حادثہ پیش آ جائے جو اس مقصد سے کسی قدر قرب رکھتا ہو۔ اس واقعہ سے لوگ متاثر ہو جائیں تو ذہن عامہ کی اس توجہ سے فائدہ اٹھا کر قرآن ایک اعلیٰ اصول سمجھا دیتا ہے۔ اور عوام کو اس کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

ترتیب نزول وکتابت کا فرق

نزول قرآن میں جس قسم کی تقدیم وتاخیر منقول ہے' کتابی صورت میں وہ ملحوظ نہیں رکھی گئی۔ اس لیے کہ نزول کے وقت عوام کی ذہنی حالت کو ملحوظ رکھا جاتا تھا تاکہ وہ جلدی سمجھ جائیں۔ مگر واقعات کی ترتیب ایسی نہیں ہوسکتی کہ ان کے مطابق ایک کتاب مرتب

ہو سکے۔ اسی سے ظاہر ہے کہ جب مُنَزَّلُ آیتیں کتابی صورت میں لائی جائیں گی تو جو لحاظ مخاطبین اولین کی ذہنیتوں کا پہلے رکھا گیا تھا' اب وہ ملحوظ نہ رکھا جائے گا۔ اس لیے اب ان کو ایسے ابواب و سورتوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ جس کا سلسلہ نیا فکر پیدا کرنے کے لیے مفید ہو۔ اس میں گہرا فکر کرنے والے پیش نظر رکھے جائیں گے۔ پس سورتوں کی کتابی ترتیب کا نزولی ترتیب سے مختلف ہونا ضروری ہے۔

سورت کی ابتدائی آیات کا نشانِ نزول

ایک بڑھیا ہے (خولہ) اس کا خاوند (اوس بن ثابت) اُسے ایسے لفظوں میں طلاق دے دیتا ہے کہ اب وہ کسی حالت میں رجوع نہیں کر سکتا۔ وہ بڑھیا بال بچے لے کر کہاں جائے؟ اور کیا کرے؟ رجوع نہ کرنا جاہلیت کی پرانی رسم ہے۔ یعنی جب کوئی شخص یہ کہہ دیتا کہ ''انت علیّ کظهر اُمّی'' (تو میرے میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔ اسے فقہی اصطلاح میں ''ظہار'' کہتے ہیں)۔ تو جاہلی خیال کے مطابق وہ عورت کسی شکل میں بھی مرد کے گھر نہیں رہ سکتی۔

جس عورت پر مصیبت کا یہ پہاڑ ٹوٹا ہے' وہ رسول اللہ ﷺ کے گھر آتی ہے اور علیحدہ بیٹھ کر اپنی مصیبت کا اظہار کرتی ہے۔ اور یہ کہتی ہے کہ بتائیے! میں کہاں جاؤں؟ اور بچوں کو کس طرح پالوں؟ رسول اللہ ﷺ اسے کوئی خلاصی کا طریقہ نہیں بتاتے اور فرماتے ہیں کہ اب کیا کیا جا سکتا ہے؟ قانون یہی ہے۔ مگر بڑھیا ہے کہ برابر بپتا کہے جاتی ہے اور دم نہیں لیتی۔ وہ بار بار یہی کہتی ہے کہ خدا کے لیے بتائیے اب میں کیا کروں؟

یہ واقعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں پیش آیا۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں پاس ہی بیٹھی تھی۔ مگر وہ خاتون اتنی دبی زبان میں باتیں کرتی تھی کہ میں اس کی بات نہ سمجھ سکتی تھی۔ اس پر سورۃ مجادلہ کی آیات نمبر 1 تا 4 نازل ہوئیں' جن میں حکم دیا گیا کہ ظہار کے کفارے کے بعد عورت اپنے شوہر کے گھر بس سکتی ہے۔

ایک اور اسلوب قرآن

قرآن حکیم کا یہ بھی عام اسلوب ہے کہ وہ اجتماعی سیاسی امور کے سمجھانے کے لیے گھریلو واقعات کو عنوان بناتا ہے' کیونکہ عرب اپنے گھر پر حاوی تھے۔ اگر ملک کو ایک بڑا گھرانا فرض کرلیا جائے تو جو اصول تدبیر منزل میں کام دیتے ہیں وہی تدبیر ملک میں کام دے سکتے ہیں۔

یہ ایک مخصوص واقعہ ہے، عام طور پر اس قسم کے حادثات پے در پے نہیں ہوا کرتے۔ اس حادثے کے واقع ہونے پر قرآن حکیم نے عرب کے ایک مسلّم (تسلیم شدہ) قانون میں مناسب ترمیم کر دی۔ اس قسم کی جتنی ترمیمیں قرآن حکیم میں نازل ہوئی ہیں وہ سب ایسے وقت میں نازل ہوئی ہیں جب لوگوں نے مشقت کو محسوس کیا، یہی وجہ ہے کہ ترمیم کا حکم نازل ہونے پر لوگوں نے محسوس کیا کہ ان کے لیے ایک آسانی کر دی گئی ہے۔ مگر یہ واقعہ حکم کے نزول کا سبب خفی ہی بن سکتا ہے گو یہ قوم کے ذہن میں جلی ہو کر نہیں آیا۔ بایں ہمہ اس قسم کی مشقت کو ہر شخص محسوس کرسکتا ہے۔ اور ترمیم کو سن کر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس حکم نے سوسائٹی کے لیے کتنی سہولت کر دی ہے۔

یہاں سے انتقال ذہنی کیا جاتا ہے۔ اسے عربی فن شعر میں ''**براعة الاستهلال**'' کہتے ہیں۔ یعنی ایک غیر متعلقہ چیز کہہ کر شاعر لوگوں کی توجہ نہایت لطیف انداز سے ایک اور مضمون کی طرف لے جاتا ہے۔ اس میں سننے والوں کو بڑا لطف آتا ہے۔ عرب ذہنیت اس طرح کے تکلم سے بخوبی آشنا تھی۔

واقعہ ظہار اور قیام حزب اللہ میں ربط

سیاست اجتماع سے پیدا ہوتی ہے۔ اور عرب شعوب و قبائل میں متفرق ہیں۔ ایک قبیلے کی اجتماعیت اپنے ہی اندر محصور ہے۔ مابین القبائل کوئی اجتماعیت نہیں ہے۔ جو جماعت اس قسم کی محدود اجتماعیت پر قناعت کرلے وہ رفتہ رفتہ تفرقہ اور انفرادیت میں مبتلا ہو جاتی ہے اور ہر گھر دوسرے گھر سے الگ ہو جاتا ہے۔ اور اپنے مصالح میں

منہمک ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کے بعد یہ منزل آتی ہے کہ خود اس گھر کے اندر کی اجتماعیت میں تفرق وتشتت پیدا ہونے لگتا ہے اور افراد خانہ میں انفرادیت آجاتی ہے۔ اس طرح فطرت انسانیہ جو اجتماعیت پر مجبول (پیدا کی گئی) ہے خراب ہو جاتی ہے۔

عرب میں ایک رسم ظہار تھی جس کے ذریعے مرد اپنی بیوی سے کنارہ کشی کر لیتا تھا، پھر ایک ایسی ہی رسم ''ایلاء'' تھی۔ اور تیسری رسم طلاق تھی۔ ان کے ذریعے سے اجتماعیت خانگی کو توڑا جاتا تھا۔ قرآن حکیم نے ان تخریبی رسوم کو یا تو بالکل منسوخ کر دیا یا نہایت محدود کر دیا۔ اور ایسی شرطوں سے مشروط کر دیا جن سے ان کی مضرت محدود ہوگئی۔

چنانچہ اس سورت میں جو مجادلہ اور شکوہ مذکورہ ہے' اس سے مقصود اس تخریبی حالت کی اصلاح ہے۔ وہ عورت رسم ظہار کی مضرت کو محسوس کرتی ہے اور چاہتی ہے کہ اس سے نکلنے کا راستہ مل جائے۔ وہ ان سینکڑوں عورتوں میں سے ہے جن کو یہ مصیبت پیش آچکی ہے یا آسکتی ہے۔ خود حضرت محمد ﷺ بھی اس کی مضرت محسوس کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کوئی طریقہ معلوم ہو جائے جس سے اجتماع ملّی کو نفع پہنچے اور یہ رسم ختم ہو جائے۔ اس احساس کے جواب میں سورۃ مجادلہ میں آیات نمبر 1 تا 4 نازل ہوئیں۔

اس طرح اجتماعیت قومی میں ایک خرابی موجود ہے کہ عرب لوگ ایک غیر عرب قوم کے ایماء پر ایک ترقی کن جماعت (مسلم) میں تفرقہ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ اجتماعیت خانگی کی خرابی دور کرنے کے ساتھ اجتماعیت قومیہ کی اس دشمن طاقت کا بھی استیصال کر دیا جائے۔

چنانچہ آیت نمبر 4 کے آخر الفاظ

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۴

(اور یہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود ہیں اور جو ان کا انکار کریں گے' ان کے لیے دردناک عذاب ہے) اور آیت نمبر 5

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَاۗدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۵

(جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کرتے ہیں وہ اوندھے منہ گرائے جائیں گے، جیسے ان سے پہلے لوگ اوندھے منہ گرائے گئے۔ یقیناً ہم نے یہ آیات واضح نازل کی ہیں اور جو لوگ ان کی پیروی سے انکار کریں گے، ان کو بے عزتی اور ذلت کا عذاب چکھایا جائے گا)

ان دونوں چیزوں کی مشابہت پر دال ہیں۔ آیت 4 کے آخر میں ''عذاب الیم'' ہے۔ آیت نمبر 5 کے آخر میں ''عذاب مھین'' ہے۔ یعنی جو لوگ اجتماعیت خانگی کو برباد کرتے ہیں وہ ''عذاب الیم'' کے مستحق ہیں۔ اور جو لوگ اجتماعیت ملّیہ کو برباد کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ ''عذاب مھین'' کے سزاوار ہیں۔ اول الذکر لوگوں کے لیے حدود مقرر کر دی گئیں اور آخرالذکر لوگوں کے لیے حزب اللہ کا قیام وقوام ضروری قرار دیا گیا۔ آگے چل کر حزب اللہ کی تفصیل اور حزب الشیطان کے ساتھ مقابلہ بیان کر دیا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)

==========

سورت المجادلہ (مدنیہ، نمبر 58)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ
تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝١ اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ مَّا
هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰۗـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ
الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝٢ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ ثُمَّ
يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۭ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ
بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝٣ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ
مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۭ ذٰلِكَ
لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝٤ اِنَّ
الَّذِيْنَ يُحَاۗدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ
اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝٥ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا
فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝٦ ع
اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى
ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ
اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ
شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝٧ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ
وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۡ وَاِذَا جَاۗءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا
لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۭ حَسْبُهُمْ
جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝٨ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا
تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝٩ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَاۗرِّهِمْ شَيْـــًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُؤْمِنُوْنَ ● يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا

يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ
وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝١١ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ
لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝١٢ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ
تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ
فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ ۝١٣

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ
وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝١٤ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ
اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝١٥ اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝١٦ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ
شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝١٧ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا
فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ
الْكٰذِبُوْنَ ۝١٨ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ
الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝١٩ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ۝٢٠ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ
عَزِيْزٌ ۝٢١ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ
كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ
حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝٢٢

تفسیر سورۃ المجادلہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آیت نمبر 1: قَدۡ سَمِعَ اللّٰہُ قَوۡلَ الَّتِیۡ تُجَادِلُکَ فِیۡ زَوۡجِہَا وَ تَشۡتَکِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ٭ۖ وَ اللّٰہُ یَسۡمَعُ تَحَاوُرَکُمَا ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ ①

ترجمہ: ”بے شک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو تجھ سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑتی تھی اور اللہ کی جناب میں شکایت پیش کر رہی تھی اور اللہ تم دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔ یقیناً اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔“

ایک غلط رسم کی اصلاح

آیت نمبر 2: اَلَّذِیۡنَ یُظٰہِرُوۡنَ مِنۡکُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِہِمۡ مَّا ہُنَّ اُمَّہٰتِہِمۡ ؕ اِنۡ اُمَّہٰتُہُمۡ اِلَّا الّٰٓیِٴۡ وَلَدۡنَہُمۡ ؕ وَ اِنَّہُمۡ لَیَقُوۡلُوۡنَ مُنۡکَرًا مِّنَ الۡقَوۡلِ وَ زُوۡرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ لَعَفُوٌّ غَفُوۡرٌ ②

ترجمہ: ”تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں تو وہ ان کی حقیقی مائیں نہیں بن جاتیں۔ ان کی حقیقی مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے انہیں جنا۔ ان کا اپنی بیویوں کو ماں کہہ دینا بری بات اور جھوٹ ہے۔ مگر اللہ اس قسم کی لغو حرکت کو معاف کرسکتا ہے اور بخش سکتا ہے۔“

آیت نمبر 3: وَ الَّذِیۡنَ یُظٰہِرُوۡنَ مِنۡ نِّسَآئِہِمۡ ثُمَّ یَعُوۡدُوۡنَ لِمَا قَالُوۡا فَتَحۡرِیۡرُ رَقَبَۃٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِکُمۡ تُوۡعَظُوۡنَ بِہٖ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ③

ترجمہ: ''جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں اور پھر اپنے قول سے رجوع کرنا چاہیں' ان کے لیے لازم ہے کہ وہ ایک غلام آزاد کریں' اس سے بیشتر کہ وہ اپنی بیویوں کو چھوئیں۔ تمہیں اس بات کی نصیحت کی جاتی ہے' ورنہ اللہ تمہارے ہر ایک عمل سے باخبر ہے۔''

یعنی اگر تم اس قانون کی خلاف ورزی کرو گے تو اللہ کو دھوکہ نہ دے سکو گے اور وہ تم کو اس کی ضرور سزا دے گا۔

آیت نمبر 4: فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴﴾

ترجمہ: ''جس شخص کے پاس آزاد کرنے کے لیے غلام نہ ہو تو وہ دو ماہ متواتر روزے رکھے' اس سے پہلے کہ وہ اپنی بیوی کو چھوئے اور جو اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو' وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ یہ قانون اس لیے بنایا گیا ہے کہ اللہ پر عمومی ایمان قائم رہے اور رسولؐ پر بھی ایمان قائم رہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود ہیں۔ جو لوگ ان حدود کی پابندی قبول کرنے سے انکار کریں گے' وہ درد ناک عذاب پائیں گے۔''

حزب اللہ کی تشکیل کی ضرورت

اب یہاں سے حزب اللہ کی تشکیل کی ضرورت بیان کی جاتی ہے۔

آیت نمبر 5: اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵﴾ۚ

ترجمہ: ''جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کرتے ہیں وہ اوندھے منہ گرائے جائیں گے جیسے ان سے پہلے لوگ اوندھے منہ گرائے گئے۔ یقیناً ہم نے یہ آیات واضح نازل کی ہیں اور جو لوگ ان کی پیروی سے انکار کریں گے ان کو بے عزتی کا عذاب چکھایا جائے گا۔''

منافقین کی شکست کا اعلان

مذکورہ آیت نمبر 5 میں :

(الف) اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا (بے شک جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی وہ اوندھے منہ گرائے جائیں گے)

سے مراد منافقین ہیں۔

(ب) كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (جیسے ان سے پہلے لوگ اوندھے منہ گرائے گئے)

سے مراد مشرکین مکہ ہیں، جنہیں بدر میں شکست اور ذلت نصیب ہو چکی ہے۔

(ج) وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ (بے شک ہم نے واضح آیات نازل کی)

اس دوسری جماعت (منافقین مدینہ) کو ذلیل کرنے کے لیے یعنی تمہاری جماعت کے اندر جو رخنہ پیدا ہوسکتا ہے، اس کا سدباب کرنے کے لیے ہم نے واضح اور صاف اصول بیان کر دیئے ہیں کہ تم یوں اپنی جماعت منظّم کرلو۔

(د) وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (اور انکار کرنے والوں کے لیے ذلت والا عذاب ہے)

اس پارٹی کا نیا نظام منظّم ہوجانے کے بعد یہ منافقین منہ نہ دکھا سکیں گے۔

آیت نمبر 6 : يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝

ترجمہ : ’’جس دن ان سب کو اللہ قبروں سے اٹھائے گا، پھران کو بتائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے، جس کو اللہ نے یاد رکھا ہے، اور وہ بھول گئے ہیں اور اللہ کے سامنے ہر چیز موجود ہے۔‘‘

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے اکٹھے کیئے جائیں گے تو ان کا جماعتی حساب ہوگا۔ اس دن اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مخفی اعمال بتائے گا۔

(فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا)۔ ’’پھران کو بتائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے۔‘‘

(اَحْصٰىهُ اللّٰهُ)۔ ''اللہ نے ان کے اعمال کو گن رکھا ہے۔'' (وَنَسُوْهُ)۔ ''حالانکہ وہ بھولے ہوئے ہیں۔'' (وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ)۔ ''اللہ ہر چیز پر شاہد ہے۔''

جیسے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز منافقین کو ان کے اعمال بتائے گا' اللہ چاہتا ہے کہ مومن بھی کوشش کر کے ان کو بتائیں۔ اور جس طرح یہ خفیہ خفیہ کام کرتے ہیں' مومن بھی ان کے کام پر تنقید کر کے ان کو یہیں دنیا میں بتا دیں (یہ ہمارا استنباط ہے)۔ اس سے حزب اللہ کے منظّم ہونے کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔

جماعت کی اہمیت

آیت نمبر 7 :

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

ترجمہ: ''کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز سے واقف ہے؟ جب تین آدمی آپس میں مشورہ کرتے ہیں تو چوتھا خدا ہوتا ہے۔ اور اگر پانچ ہوں تو چھٹا خدا ہوتا ہے۔ اگر ان سے کم یا زیادہ ہوں تو بھی وہ جہاں کہیں ہوں وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ قیامت کے روز ان کے اعمال بتائے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔''

چھوٹی سے چھوٹی جماعت تین یا پانچ آدمیوں کی بنائی جاسکتی ہے اور اگر اتنے بھی میسر نہ ہوں تو ان سے کم بھی بنائی جاسکتی ہے۔ غرض جتنے آدمی ملیں' کام شروع کر دینا چاہیے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح حزب الشیطان کام کر رہی ہے اس کے مقابلے میں حزب اللہ بھی اپنا کام شروع کرے۔

حزب الشیطان کے اصول

آیت نمبر8: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۫ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۭ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑧

ترجمہ: ''کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو خفیہ مشورہ بازی سے روکا گیا؟ مگر وہ وہی کام کرتے ہیں جن سے ان کو روکا گیا۔ اور گناہ سرکشی اور رسولؐ کی نافرمانی کے لیے مشورہ کرتے ہیں۔ چنانچہ جب یہ لوگ تیرے پاس آتے ہیں تو تجھے ایسے لفظوں میں سلام کرتے ہیں جن سے اللہ تجھے سلام نہیں کرتا۔ اور اپنے جی میں کہتے ہیں کہ جو ہم کہتے ہیں اس پر اللہ ہم پر عذاب کیوں نہیں کرتا؟ ان کے لیے جہنم کافی ہے۔ وہ اس میں پڑیں گے اور وہ نہایت برا ٹھکانہ ہے۔''

اس آیت میں حزب الشیطان کے کام بیان کئے گئے ہیں۔ اور سمجھایا گیا ہے کہ کن باتوں کے لیے خفیہ سوسائٹی بنانا ممنوع ہے۔ اور وہ یہ ہیں:

(1) اثم (گناہ)

(2) عدوان (ظلم و سرکشی)

(3) معصیت الرسول (رسولؐ کی نافرمانی)

یعنی جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے ہیں تو بعض ذومعنی فقرے استعمال کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کی خبر ہوتی تو اللہ ہم پر عذاب نہ کرتا؟ اس طرح وہ اپنی خفیہ جماعت کے کارنامے بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔

حزب اللہ کے بنیادی اصول

آیت نمبر 9 تا 11 میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس قسم کی خفیہ سوسائٹی بنائیں نیز اس کے قواعد بتائے گئے ہیں۔

آیت نمبر 9: يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا تَنَٰجَيۡتُمۡ فَلَا تَتَنَٰجَوۡاْ بِٱلۡإِثۡمِ وَٱلۡعُدۡوَٰنِ وَمَعۡصِيَتِ ٱلرَّسُولِ وَتَنَٰجَوۡاْ بِٱلۡبِرِّ وَٱلتَّقۡوَىٰۖ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ٱلَّذِيٓ إِلَيۡهِ تُحۡشَرُونَ ۝٩

ترجمہ: ’’اے مسلمانو! تم جب آپس میں مشورہ کرو تو اثم‘ عدوان اور معصیت الرسول کے لیے مشورے نہ کرو۔ بلکہ نیکی (بر) اور انصاف (تقویٰ) پھیلانے کے لیے مشورے کرو۔ اس خدا سے ڈرتے رہو جس کی طرف اٹھا کر لوٹائے جاؤ گے۔

مسلمانوں کو جس قسم کی جماعت بنانے کا حکم دیا گیا ہے اس کا مقصد متعین کر لینا چاہیے۔ یعنی:

(الف) بر (اخلاقی قانون)

(ب) اور تقویٰ (انصاف) کے قیام کے لیے۔

قانون کے بعض حصے اخلاقی ہوتے ہیں۔ یہ قانون کی روح ہوتے ہیں اور دوسرا حصہ وہ ہوتا ہے جس کے چلانے میں حکومت قوت بھی استعمال کرسکتی ہے۔ اسے تقویٰ کہا گیا ہے۔ پس وہ جماعت قانون کی شکل (تقویٰ) اور روح (بر) دونوں کو قائم رکھنے کے لیے ہو‘ نہ کہ اثم‘ عدوان اور معصیت الرسول کے لیے۔

وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ٱلَّذِيٓ إِلَيۡهِ تُحۡشَرُونَ اپنی سوسائٹی کا اصل حاکم اللہ ہی کو سمجھو۔ غائب اور حاضر سب کو جانتا ہے۔ جب مسلمان اس قسم کی سوسائٹی بنالیں گے‘ ان کا ڈر جاتا رہے گا۔

حزب اللہ کا فائدہ

آیت نمبر 10: إِنَّمَا ٱلنَّجۡوَىٰ مِنَ ٱلشَّيۡطَٰنِ لِيَحۡزُنَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَلَيۡسَ بِضَآرِّهِمۡ شَيۡـًٔا إِلَّا بِإِذۡنِ ٱللَّهِۚ وَعَلَى ٱللَّهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ ٱلۡمُؤۡمِنُونَ ۝١٠

ترجمہ: ’’شیطانی خفیہ مشورہ بازی مسلمانوں کو غم میں ڈالتی ہے مگر یہ ان کو اللہ کے حکم کے بغیر ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اور مومن صرف خدا ہی پر بھروسہ رکھیں۔‘‘

منافقین نے خفیہ جماعت بنا کر مسلمانوں کو یہ کہہ کر ڈرانا شروع کر رکھا ہے کہ ہمارا

تعلق یہودیوں کے ساتھ ہے‘ جن کے آگے قیصر روم کے ساتھ تعلقات ہیں۔ اس لیے ہم اور یہودی قیصر کی طاقت استعمال کر کے مسلمانوں کو برباد کر دیں گے۔ لیکن اسے (ان کے اس دعویٰ کو) معمولی چیز سمجھنا چاہیے۔ اور جب ان کے پروپیگنڈے کا استیصال کرنے والی حزب اللہ قائم ہو جائے گی تو اس حزب الشیطان کا ضرر (نقصان) ختم ہو جائے گا۔

جیسے ایک چیز سے بیماری پیدا ہوتی ہے تو اللہ نے اس کا علاج پیدا کر دیا ہے‘ وہ علاج کرنا چاہیے۔ اس سے فائدہ ہوگا۔ ایسے ہی سوسائٹی میں حزب الشیطان کا دنبل پیدا ہوگیا ہے۔ یہ حزب الشیطان ضرر پہنچانے کے لحاظ سے اصل چیز نہیں ہے۔ بلکہ نفع و ضرر اصل میں اللہ کے دست قدرت میں ہے۔ حزب الشیطان کا پیدا ہو جانا حزب اللہ کے قیام کا معمولی سبب ہے۔ پس مسلمانوں کو اللہ کے بھروسے پر کام کرنا چاہیے۔ اور اسلامی سوسائٹی کو ان بادشاہوں کے پروپیگنڈے کے اثرات سے محفوظ و مطمئن کرنے کے لیے ایک جماعت بنا لینی چاہیے۔ جیسے عام مضر اسباب کا توڑ سوچنے کے لیے انسان اللہ پر بھروسہ کر کے کام کرتا ہے‘ ویسے ہی اس صورت میں بھی کرنا چاہیے۔

داخلی تنظیم

آیت نمبر 11: يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَإِذَا قِيلَ انْشُزُوا فَانْشُزُوا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿١١﴾

ترجمہ: ’’اے لوگو! جو ایمان لائے ہو‘ جب تمہیں کہا جائے کہ مجالس میں کھلے کھلے بیٹھو تو کھل کر بیٹھ جاؤ۔ اللہ تمہیں پھیلا دے گا۔ اور جب تم سے کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو‘ تو اٹھ کھڑے ہو۔ تم میں سے جو لوگ ایمان والے ہیں اور جن کو علم دیا گیا ہے۔ اللہ ان کے درجے بلند کرے گا اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے۔‘‘

اس آیت میں سوسائٹی کے اندرونی نظام پر بحث ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم میں ایک شخص حکم دینے والا ہونا چاہیے۔ تم اس کے حکم کے مطابق بیٹھو اور اس کے حکم سے

جلسہ برخاست کرو، وہ ''صدر'' کون ہوگا؟ وہ ایسا شخص ہوگا جسے ایمان اور علم زیادہ دیا گیا ہو۔ پس ایسے شخص کو ''صدر'' بنالو اور اس کے حکم کے مطابق جلسہ کیا کرو۔

جس طرح ایک عورت نے اللہ کے حکم سے اپنا گھر درست کرلیا، تم بھی اسی اللہ کے حکم سے اپنا گھر درست کرلو۔

آیت نمبر 12 : يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢﴾

ترجمہ: اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! جب تم اپنے مشورے رسول اللہ کے سامنے پیش کرو تو مشورہ پیش کرنے سے پہلے صدقہ دیا کرو۔ یہ تمہارے لیے اچھی اور زیادہ پاک بات ہے۔ اگر صدقہ دینے کے لیے نہ پاؤ تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اس مالی قربانی کی شرط سے اکثر منافقین جھڑ جائیں گے۔ پھر باقی ایمان اور علم کی شرط کے ماتحت رک جائیں گے۔ اس طرح سوسائٹی کا اندرونی نظام منافقین سے پاک ہو جائے گا۔

اس جماعت کے فیصلے رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش ہونے چاہئیں۔

آیت نمبر 13 : ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٣﴾

ترجمہ: ''کیا تمہیں خوف ہوا اس چیز کا کہ اپنے مشورے پیش کرنے سے پہلے صدقات دو؟ تو جب تم نے یہ نہ کیا دراں حالیکہ اللہ تمہیں معاف کر چکا ہے تو نماز قائم کرو اور زکوۃ دو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ؐ کی اطاعت کرو اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے بخوبی واقف ہے۔''

یعنی جو شخص صدقہ نہ دے سکے یہ نہیں کہ وہ اس وجہ سے اپنا حق رکنیت ہی کھو بیٹھے گا بلکہ وہ اپنا استحقاق اپنے علم و عمل سے پیدا کرسکتا ہے یعنی اس مجلس کے مقاصد پر عمل پیرا ہو

کر دکھائے اور لوگوں کو خیرات اور اطاعت رسول پر جمع کرے۔

ان میں سے کوئی آیت منسوخ نہیں ہے دونوں محکم ہیں۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ اس جماعت کا مالی نظام الگ ہونا چاہیے۔ اور انہی لوگوں کی کمائی میں سے اس کے فنڈ کی بنیاد پڑنی چاہیے۔ اگر کسی کے پاس روپیہ نہ ہو تو اس کے ایمان اور عمل صالح کی بناء پر اسے ممبر بنایا جاسکتا ہے۔

یہاں حزب اللہ کی تشکیل اور اندرونی نظام کے متعلق ہدایات پوری ہوگئیں۔

حزب الشیطان سے سلوک

اس کے بعد آیت نمبر 14 تا 20 حزب الشیطٰن یعنی مسلمانوں کے مخالف کام کرنے والی جماعت کی تصریح آتی ہے۔

آیت نمبر 14 : اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۱۴

ترجمہ: ”کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اس قوم سے رشتہ الفت استوار کیا ہے جو اللہ کی مغضوب علیہ ہے؟ وہ لوگ نہ تم میں سے ہیں نہ ان میں سے۔ وہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور وہ اس چیز کو بھی جانتے ہیں۔“

الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا سے مراد منافقین ہیں

قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ سے مراد یہود ہیں۔

جب قرآن حکیم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ دنیا میں غالب ہوگا تو منافقین یہ باتیں سن کر یہودیوں سے جا کر کہہ دیتے ہیں، جو یہ باتیں قیصر تک پہنچا دیتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کا یہ خیال پورا ہونے سے پہلے قیصر کی طاقت عرب کو ہڑپ کر لے۔ یہودی نہ مسلمانوں کے دوست ہیں (مَا هُمْ مِّنْكُمْ) کہ ان کے فائدے کی بات کریں گے، نہ منافقوں کے دوست ہیں (وَلَا مِنْهُمْ) کہ عرب کی ترقی کی حمایت کریں گے۔ وہ جھوٹی باتوں پر قسمیں کھا کھا کر اپنا وقار قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

منافقین اور یہود سے سلوک

آیت نمبر 15: اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ عَذَابًا شَدِيۡدًا ‌ؕ اِنَّهُمۡ سَآءَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ''اللہ نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے اور جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں وہ نہایت ہی برا ہے۔''

یعنی ان منافقین اور یہود کو عنقریب نہایت دردناک سزائیں ملیں گی۔ تاریخ شاہد ہے کہ ایسا ہی ہوا۔

آیت نمبر 16: اِتَّخَذُوۡۤا اَيۡمَانَهُمۡ جُنَّةً فَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ''ان لوگوں نے قسموں کو اپنے بچاؤ کے لیے ڈھال بنا کر رکھا ہے اور اس طرح وہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔ ان کے لیے بے عزت کرنے والا عذاب ہے۔''

آیت نمبر 17: لَنۡ تُغۡنِىَ عَنۡهُمۡ اَمۡوَالُهُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ شَيۡـًٔا ‌ؕ اُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ‌ ؕ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ''ان کے اموال اور اولاد ان کے کسی کام نہ آئیں گے، اللہ کے مقابلے میں۔ یہ لوگ آگ کے مستحق ہیں۔ اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔''

یہ لوگ مسلمانوں میں شامل ہو کر قسمیں کھا کھا کر اپنی خیر سگالی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس کے باوجود وہ مسلمانوں کی جماعت میں رخنہ پیدا کرنے کی کوششیں کرتے رہتے ہیں۔ حزب اللہ جب مضبوط ہو جائے گی تو ان کو ذلت آمیز شکست دے کر نکال کر باہر کرے گی۔

اس وقت ان کے اموال اور اولاد جن کے بھروسے پر وہ اس قسم کی کارروائیاں کر رہے تھے کسی کام نہ آئیں گے اور موت کے بعد اپنے اعمال کی پاداش میں جہنم کی آگ میں ڈالے جائیں گے۔

آیت نمبر 18: يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝۱۸

ترجمہ: ''جس روز اللہ ان سب کو اٹھائے گا یہ اس کے سامنے بھی اس طرح قسمیں کھائیں گے جیسے اب تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ ان کی بات بن جاتی ہے۔ خبردار! یہ لوگ جھوٹے ہیں۔''

یعنی یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ جس طرح مسلمانوں کے سامنے قسمیں کھا کھا کر اپنا وقار قائم کر لیتے ہیں اللہ کے سامنے بھی اپنا صدق ثابت کر لیں گے۔ لیکن وہ اس خیال میں غلطی پر ہیں۔ اس دن سے پہلے ہی اللہ مسلمانوں کے سامنے ان کے جھوٹے وقار کا بھانڈہ پھوڑ دے گا' اور وہ یوں کہ حزب اللہ ان کا پردہ فاش کر دے گا۔

منافقین اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں مگر مذہبی کام کچھ نہ کرتے تھے۔ اس پر بھی گمان کرتے تھے کہ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ یعنی ہم ایمان پر ہیں۔ یعنی ہم اللہ تعالیٰ، اس کے رسولؐ اور اس کی کتاب کو مانتے ہیں۔ اس لیے وعدہ انعام یعنی فتح میں ہمارا بھی حصہ ہے اور آخرت میں بھی ہمیں بلند درجات نصیب ہوں گے۔ مگر وہ اسلام کی خاطر جانی اور مالی قربانی نہیں کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ جھوٹے ہیں مثلاً رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوتا ہے:

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ (النساء: 84)

ترجمہ: ''راہ حق میں لڑیئے۔ آپ اپنی ذات کے ہی مکلّف ہیں اور مسلمانوں کو آمادہ قتال کیجئے۔'' تو وہ (رسول اللہ ﷺ) کہتے ہیں: **انا اول المسلمین** ''فرمانبرداروں میں پہلا'' مگر یہ منافق اس کے خلاف کرتے ہیں۔

شکست کی مکرر پیش گوئی

آیت نمبر 19: اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۱۹

ترجمہ: ''ان پر شیطان چھا گیا ہے اور اس نے ان کو اللہ کی بھیجی ہوئی یاد دہانی بھلا دی ہے، یہ حزب الشیطان ہے اور خبردار یہ حزب الشیطٰن ہمیشہ ناکام ہی رہتا ہے۔''

یعنی شیطان نے ان کو تورات بھلا دی ہے اور ان کی کوششیں صرف کھانے پینے اور دنیاوی عزت و جاہ کے حصول تک محدود رہ گئی ہیں۔ تورات کو زندہ کرنے والا نبی آیا ہے تو یہ اس کی مخالفت کرنے لگے ہیں۔ یہ کیسے احمق ہیں! یہ حزب الشیطٰن ہیں۔ یہ حزب اللہ کے مقابلے میں کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔

آیت نمبر 20 : اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِى الْاَذَلِّيْنَ ﴿٢٠﴾

ترجمہ: ''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل لوگوں میں سے ہیں۔ بھلا اس سے ذلیل تر کون ہوسکتا ہے جو اپنے دین اور اپنی قوم کی مخالفت شروع کردے؟ پس یہ لوگ دنیا میں ذلیل ہوں گے۔''

انبیاء کی جماعتوں کے غلبہ کا اعلان

آیت نمبر 21 : كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيْزٌ ﴿٢١﴾

ترجمہ: ''اللہ نے لکھ دیا ہے کہ بلا شک و شبہ میں اور میرے رسول ہی غالب آیا کرتے ہیں۔ یقیناً اللہ قوت وعزت دینے والا ہے۔''

اللہ کا یہ قاعدہ تمام آسمانی کتابوں میں مرقوم ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ کا غلبہ مقدر ہے اور ان کا غلبہ گویا تمام رسولوں کا غلبہ ہے۔

آیت نمبر 22 : لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٢٢﴾

ترجمہ: ”تجھے ایسے آدمی نہیں ملیں گے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے دوستی گانٹھیں‘ چاہے یہ مخالفین ان کے آباء‘ بیٹے اور بھائی بند اور اہل قبیلہ ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ لوگ وہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان رقم کر دیا ہے اور اپنی طرف سے روح (روح القدس) کے ذریعے مدد دی۔ ان کو اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرتا ہے جن کے نیچے پانی کے سوتے بہتے ہیں اور ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوگیا ہے اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے۔ یہ حزب اللہ ہے اور یقیناً ہمیشہ حزب اللہ ہی غالب رہتا ہے۔“

رضی اللّٰہ عنھم: اللہ ان سے راضی ہے اس لیے جب قرآن کی حکومت پیدا ہوگی تو وہ اس کے حاکم ہوں گے۔

ورضوا عنہ: وہ اللہ کی اس کتاب کو چھوڑ کر اور کچھ نہیں چاہتے‘ وہ اس پر راضی ہیں۔

المفلحون: وہ حزب اللہ ہی ہمیشہ غالب رہا ہے اور قاعدے کے مطابق اب بھی کامیاب وکامران ہوگا۔

حزب الشیطٰن: ہرگز کامیاب نہ ہوسکے گا۔

تمت سورۃ المجالہ (سورۃ نمبر 58)

مورخہ 16-04-43

بروز اتوار

بشیر احمد لدھیانوی



ولی اللّٰہی اُسلوبِ ترجمہ نگاری پر اہم کتاب

المقدمة في قوانين الترجمة
و
مقدمہ فتح الرحمٰن بترجمة القرآن

(فارسی متن)

ترجمہ نگاری کے اُصول و قوانین
و
ترجمہ قرآن کی اہمیت اور بنیادی اُصول

تالیف

الإمام الأكبر، المحقق الأجل، حجة الله على العالمين

الشيخ أحمد بن عبد الرحيم العمري المعروف شاه ولي الله الدهلوي

مقدمہ، ترجمہ و تحقیق

مفتی عبد الخالق آزاد رائے پوری

رحیمیہ مطبوعات لاہور، پاکستان

قرآنی اقدامِ انقلاب

سورت الحشر کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

حضرت عمرؓ کا دانش مندانہ فیصلہ

''جب عراق کی اراضی فتح ہوئیں تو وہاں کسریٰ کی حکومت متغلب تھی اور ملکی کاشتکار ہی اراضی کی مالک تھے۔ مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کے زمانے میں یہ سوال اٹھایا کہ یہ زمینیں ہمیں تقسیم کر دی جائیں۔ سیدنا عمرؓ نے نہایت دور اندیشی سے کام لے کر مجاہدین کا یہ مطالبہ منظور کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کی رائے تھی کہ ان زمینوں کی آمدنی مسلمانوں کی فوجی قوت اور سلطنت کا نظام قائم رکھنے والی طاقت کے لیے وقف کر دی جائے' تاکہ انقلاب کو اور آگے بڑھا سکیں۔ مگر جن لوگوں کا مطالبہ تھا' وہ راضی نہ ہوتے تھے۔ اس پر بارہ ماہ برابر جھگڑا ہوتا رہا۔ آخر حضرت عمرؓ کو یہ آیت (الحشر 7) یاد آئی۔ سیدنا عمرؓ نے اس سے یہ استدلال کیا کہ یہ چیز تو سارے مسلمانوں کی ہے' فقط مجاہدین کی نہیں ہے۔ اس لیے تقسیم کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اس تشریح پر سب متفق ہو گئے۔

اس سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ مفتوحہ زمینیں شخصی ملکیت میں نہیں دی جاسکتیں اور یہاں سرمایہ داری ذبح ہوتی ہے۔ یہاں ہندوستان میں برطانوی حکومت کا سارا دارومدار زمینداروں کے سر پر ہے، جس دن زمینداروں کی زمینیں چھین لی جائیں گی، اس روز یہ گورنمنٹ کھوکھلی ہو جائے گی، اس روز اسے ہندوستان (برصغیر) کی رعایا کے لیے وہ سب کچھ کرنا پڑے گا، جو وہ یورپ میں کر رہی ہے۔''

حرفِ اوّل

از ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

قرآن حکیم جس ہمہ گیر انقلاب کو پیدا کرنا چاہتا ہے اس کے لیے اس نے حزب و تنظیم کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ تاریخ انسانی اس قرآنی حقیقت کو ثابت کرتی آرہی ہے کہ انقلابات عالم کے پیچھے ایک منظّم حزب و جماعت کا اساسی اور بنیادی کردار اور اقدام ادا ہوتا ہے۔ قرآنی انقلاب کی جماعت اعلیٰ مقاصد کی خاطر رجعت پسند طاقتوں سے محاذ آرائی کو ایک ناگزیر ضرورت کے طور پر قبول کرتی ہے۔ چنانچہ معروضی حالات کے تحت وہ دفاعی حکمتِ عملی اور پیش قدمی کی پالیسی دونوں میں سے جس کو چاہے اختیار کرتی ہے۔

برعظیم ہند میں انگریزی استعمار کے دور میں بعض مسلم زعماء نے اس خیال کو عام کرنے کی کوشش کی کہ اسلام میں محض دفاعی جنگ کی اجازت دی گئی ہے۔ یہ سوچ ذہنی مرعوبیت اور فکری پراگندی کا مظہر ہے۔ قرآن حکیم اور اسوہ حسنہ دونوں اس کی تردید کرتے ہیں۔ چنانچہ زیرِ نظر سورت الحشر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی اقدامی جنگ (غزوہ بنی نضیر 4ھ) ہی کا ذکر ہے اور یہ قرآن حکیم کے انقلابی ہونے کی ایک واضح اور بین مثال ہے۔

(کتابچہ کی صورت میں طبع اول کا ابتدائیہ)

سورت الحشر (59)

تمہید سورت

سورت کا موضوع

سورۃ المجادلہ میں حزب اللہ کی جس تشکیل کا ذکر آیا ہے وہ منافقین کی سازشوں کی روک تھام کے لیے ہے۔ اب اس کے ساتھ حربی قوت کا نظام بھی ملا دیجئے تو یہی حزب اللہ سیاسی سازشوں کا مقابلہ کرنے کے ساتھ ہی حربی حریفوں کا مقابلہ بھی کرے گا۔ سورۃ الحشر میں حزب اللہ کی اس جدید توسیع کا ذکر ہے۔

حزب کا سیاسی ارتقاء

جب ایک حزب ایک خاص نظریئے پر قائم ہو جاتا ہے' وہ اندرونی مزاحمتوں کو بھی دور کرتا ہے اور بیرونی حملوں کو برداشت کر کے ان کا مقابلہ بھی کرسکتا ہے۔ اس قسم کے حزب کے مرتب ہوتے ہی اس کا اپنے مخالف نظریات کے احزاب کے ساتھ اعلان جنگ ہو جاتا ہے۔ وہ دنیا میں صرف اپنی ہستی اور اپنے ساتھیوں کی ہستی برداشت کرتا ہے۔ مثلاً جو حزب اس حزب کی قیادت کو تسلیم کر لے اسے تو وہ اپنے ساتھ رکھ سکتا ہے' مگر کسی خود مختار مخالف حزب کی ہستی کو برداشت نہیں کرسکتا۔ اس لیے مخالف احزاب کی مخالفت کرنا اس کا فرض ہو جاتا ہے۔ ان مخالف احزاب کے خلاف اعلان جنگ کرنا اس کی طبعی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ لڑائی کا موقعہ ملے یا نہ ملے۔ سیاسی احزاب کے ارتقاء کا یہ فلسفہ ہے۔

حزب اللہ کی تاسیس مکہ معظّمہ میں

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا حزب مکہ معظّمہ میں پیدا ہوا' وہاں وہ بالکل ابتدائی حالت میں تھا۔ چند آدمیوں سے زیادہ اس کے ماننے والے نہ تھے۔ بایں ہمہ ایک دنیا ان کے نام سے کانپ رہی تھی۔ چنانچہ اس حزب کو فنا کرنا ہر شخص اپنا فرض سمجھتا تھا۔ اس لیے

کہ وہ حضرت ابراہیم کی متابعت میں حنیفی دین کو قائم کرنے کا دعویٰ کرتا تھا اور کسی مخالف قوت کو نہیں مانتا تھا۔ خواہ وہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ تھی۔ یہ حزب مکہ معظّمہ میں رہتے ہوئے اپنا نظام مکمل کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے فی الحال طرح دیتا جاتا تھا۔ جس نے مخالفت کی یا ضد' اس سے ہٹ گئے۔ یہ ان کی سیاسی پالیسی تھی۔ اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ ان کے نزدیک لڑنا جائز نہ تھا۔ بارہا ایسے مواقع آئے کہ لوگوں نے خواہش کی کہ لڑنے کی اجازت مل جائے۔ مگر قرآن نے اس وقت یہی حکم دیا کہ ''**کفوا ایدیکم**'' (اپنے ہاتھ روک کر رکھو)۔ اس سے بھی واضح سند یہ ہے کہ سورۃ کافرون مکی سورت ہے۔ اور وہ تمام دنیا کے مخالفین کے لیے الٹی میٹم ہے کہ تم سے صلح کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ جو لوگ ''دین کے اندر سیاست کیسے ترقی کرتی ہے'' کا سیاسی اصول پر مطالعہ نہیں کرتے' بلکہ سب چیزوں کو اخلاقی نقطہ نگاہ سے حل کرنا چاہتے ہیں' وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور قرآن حکیم کی تعلیم کو منظّم طور پر کبھی بھی سمجھا نہیں سکتے۔

حزب اللہ مدینہ منورہ میں

حزب اللہ' جس کی بنیاد مکہ معظّمہ میں رکھی گئی تھی' اب اپنا مرکز بدل کر مدینہ منورہ میں جمع ہوتا ہے۔ وہ یہاں نسبتاً آزاد ہے۔ یہاں کمزور طاقتوں نے حزب اللہ کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ سورۃ مجادلہ میں اس طرف توجہ دلائی گئی کہ ان مخالفین کو حقیر نہ سمجھو۔ اگر ان کا سدباب نہ کیا گیا تو یہ اس نئی سوسائٹی کو کھا جائیں گے۔ اس پر مسلمان سنبھلے اور منافقین ڈر گئے۔

منافقین سے مقابلہ

منافقین جس طاقت کے بل بوتے پر باتیں بناتے تھے، وہ یہود کی طاقت تھی، جن کے قریے (آبادیاں) پاس ہی تھے۔ ادھر حجاز کی تمام سرمایہ داری یہود کے قبضے میں تھی۔ اور جاہلیت میں قریش بھی تاجر ہونے کی حیثیت میں سرمایہ داری سے کسی قدر انس پیدا کر چکے تھے۔ اس لیے یہود اور قریش ہم پیشگی کی وجہ سے آپس میں ملتے رہتے تھے۔ اب ان لوگوں نے ادھر تو مدینہ میں مسلمانوں کے گھروں میں فساد ڈلوانے کے لیے خفیہ سازشیں شروع کر دیں اور ادھر کسریٰ و قیصر تک اپنے پیغام پہنچانے شروع کر دیئے۔ اب اس

سیاسی پارٹی کا جو اپنے آپ کو آزاد سمجھتی ہو' ایسی حالت میں صبر سے بیٹھے رہنا جائز نہ تھا۔ اگر مخالفین حملہ نہیں کرتے تو یہ سیاسی حزب حملہ کرے گا۔ یہ ہے وہ حملہ جسے اول الحشر (2:59) کہا گیا (غزوہ بنی نضیر 4 ھ کا واقعہ ہے)۔جس کی تفصیل ''اصح السیر'' میں کچھ اس طرح بیان کی گئی ہے۔

غزوہ بنی النضیر

یہ غزوہ 4 ھ میں غزوہ احد اور بیر معونہ کے بعد ہوا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھوں بنی کلاب کے دو اشخاص کا قتل ہوگیا۔ یہ قبیلہ چونکہ بنی نضیر کا حلیف تھا (بنونضیر یہود کے تین قبائل میں سے ایک تھا)' اس لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کی دیت (خون بہا کی رقم) سے متعلق گفتگو کرنے بنونضیر کے پاس تشریف لے گئے۔ آپؐ کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق اور حضرت علی مرتضیٰ سمیت کئی صحابہ رضوان اللہ علیہم بھی تھے۔ وہ لوگ بظاہر بڑی خوش اخلاقی سے پیش آئے اور آپؐ کو ایک دیوار کے پاس بٹھا دیا۔ بعدازیں یہ سازش تیار کی کہ دیوار کے اوپر سے ایک بڑا پتھر آپؐ پر گرا کر آپؐ کو قتل کر دیا جائے۔ اس منصوبہ کی بذریعہ وحی اطلاع ملتے ہی آپؐ وہاں سے فوراً خاموشی سے چلے آئے۔ آپ کے جانے کی اطلاع پا کر صحابہ کرامؓ بھی چلے آئے' آپؐ نے ان کو بنی نضیر کے منصوبہ سے آگاہ کیا۔

اس واقعہ کے بعد آپ نے بنونضیر کو دس دن کے اندر مضافات مدینہ خالی کرنے کا حکم دے دیا اور یہ بھی واضح کر دیا کہ اس مدت کے بعد تم میں سے جو شخص علاقہ میں پایا جائے گا وہ قتل کر دیا جائے گا۔ یہ لوگ جانے پر آمادہ تھے' لیکن حزب منافقین کے سربراہ عبداللہ بن اُبَیّ نے یقین دہانی کرائی کہ اس کی جماعت کے دو ہزار ارکان امداد کے لیے تیار ہیں۔ حتیٰ کہ قلعہ بند ہونے کی صورت میں قلعہ کے اندر ایک ساتھ مرنے پر بھی کمربستہ ہیں۔ اس کے علاوہ بنو قریظہ کا گروپ اور بنو غطفان کا گروہ بھی اس مشکل گھڑی میں تمہارا ساتھ دیں گے۔ لہٰذا نبوی حکم کو ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس پر بنونضیر نے مضافات مدنیہ چھوڑنے سے انکار کر دیا۔

اس ہٹ دھرمی کے جواب میں آپؐ نے حملہ کی تیاری کا حکم دیا۔ مدینہ میں

حضرت عبداللہ بن ام المکتوم رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فوج کا علَم دیا۔ چنانچہ بنونضیر کا محاصرہ کرلیا گیا اور منافقین' بنوقریظہ اور بنوغطفان میں سے کسی نے بنونضیر کا ساتھ نہ دیا۔ بالآخر بنونضیر نے اپنے مکانات اور قلعہ چھوڑ کر باہر جانے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی کہ آلات حرب کے سوا اونٹ پر جس قدر اسباب لادا جا سکے اس کو معہ اہل وعیال لے کر علاقہ خالی کر دیں۔ چنانچہ یہ لوگ خیبر منتقل ہوگئے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول منقول ہے کہ سورہ حشر' سورۃ بنی النضیر ہے۔

غزوہ بنونضیر پہلا اقدامی حملہ

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں یہ پہلا اقدامی حملہ تھا۔ اس سے پہلے جتنی جنگیں تھیں وہ سب مدافعانہ تھیں۔ بعض لوگوں نے صرف ان مدافعانہ جنگوں سے قاعدہ بنا لیا کہ حزب اللہ کا کام صرف مدافعانہ جنگ کرنا ہے۔ یہ لوگ ان اقدامی جنگوں کو بھی دیکھیں جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خلفاءؓ نے کیں (غزوہ بنی نضیر اس قسم کی اقدامی جنگوں کی پہلی مثال ہے)۔

کیا اسلامی جنگ مدافعانہ ہے؟

مسلمانوں میں قدیم سے ایسی جماعتیں چلی آتی ہیں جو اسلام کا نام تو لیتی ہیں مگر اس کی سیاست نہیں سمجھتیں۔ ایسی جماعتوں کے لوگ اسلام کی تعلیم کو فقط اخلاقیات میں منحصر کر دیتے ہیں۔ اور سیاسی تقدم کو ایسی شرطوں کے ساتھ مشروط کر دیتے ہیں جن کا تحقق (عمل میں آنا) ناممکن ہے۔ اس طرح وہ قوم کو مار دیتے ہیں۔ اس قسم کی جماعتیں جہاں کہیں بھی مسلمانوں میں پیدا ہوئیں' انہوں نے فائدے کی بہ نسبت نقصان زیادہ پہنچایا۔

ہند میں انگریزی غلبے کے بعد مسلمانوں میں دوتحریکیں چلائی گئیں:

(1) بعض نے قرآنی حکمت نہ سمجھتے ہوئے اس خیال کی تائید کی کہ اسلام کی جنگیں ہمیشہ مدافعانہ رہی ہیں۔ ان کا فیصلہ یہ ہے کہ اسلام نے کبھی حملہ نہیں کیا بلکہ ہمیشہ مدافعت ہی کی ہے۔ اس پر بہت کچھ لکھا گیا۔

(2) دوسری تحریک وہ ہے جو شاہ ولی اللہ دھلویؒ کی تعلیمات کی برکت سے اسلام کے

انقلابی نظریے کو تسلیم کرتی ہے، چنانچہ قرآن حکیم کی آیت **ھوالذی ارسل رسوله بالھدی ودین الحق لیظھره علی الدین کله ولو کره المشرکون** سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن حکیم بین الاقوامی انقلاب کا پروگرام پیش کرتا ہے۔ چنانچہ ایک جماعت کی صورت میں انقلابی ذہنیت والے استاد ہر طبقے میں موجود رہے۔ مثلاً حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا شیخ الہند مولانا محمود حسن۔ قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا انقلابی تخیل ان میں پایا گیا۔

اسلام اور جنگ

الغرض انقلابی جماعت دیکھے گی کہ وہ مخالفوں کا مقابلہ کرسکتی ہے، تو وہ اقدامی حملہ کرنے میں تاخیر نہیں کرے گی۔ ہم اس مسئلے کو یوں حل کرتے ہیں کہ حملہ کرنے میں پیش قدمی کرنا یا مدافعت پر اکتفا کرنا۔ یہ دوسرے درجے کی چیز ہے اور اس کا فیصلہ کرنا قائد لشکر کا کام ہے، یہ اصولی بحث نہیں ہے۔ کمانڈر اپنی فوج کی حالت کے مطابق مدافعت ہی کو کافی سمجھے گا۔ تو فقط مدافعت ہی کرے گا۔ اور اگر حملہ کرنا ضروری خیال کرے گا، تو حملہ کرنے میں پیش قدمی کرے گا۔ اس کو اصول بنا کر قرآن حکیم میں لانا غلطی ہے۔

دنیا میں مذہبی پروگرام دو طریقوں پر چل رہے ہیں:

(1) بعض مذاہب وہ ہیں جو لڑنا اور حملہ کرنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں سمجھتے، جیسے بدھ دھرم والے جو اصولاً اہنسا (عدم تشدد) کے قائل ہیں اور جنگ کو کسی شکل میں بھی جائز نہیں سمجھتے۔

(2) دوسرے وہ مذاہب ہیں جن کے نزدیک حسب ضرورت لڑنا جائز ہے۔

پس اصولی بات یہ ہے کہ کسی مذہب کے نزدیک جنگ جائز ہے یا نہیں، اس معیار کے مطابق قرآن حکیم جنگ کو بالکل جائز رکھتا ہے۔ ہم اسے بدھوں کی طرح جنگ کا مخالف قرار نہیں دیتے۔ قرآن حکیم ایک عظیم الشان بین الاقوامی انقلاب کا زبردست حامی ہے۔ قرآن ان انقلابیوں کو راہنمائی دیتا ہے، جو مناسب موقع پر اپنے انقلاب کی کامیابی کے لیے لڑنا جائز سمجھتے ہیں۔

سورۃ الحشر (مدنیہ، نمبر 59)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱﴾ هُوَ الَّذِيْٓ
اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا
ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ
مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ
بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۲﴾ وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ
اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاۗءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ﴿۳﴾
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاۗقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ
الْعِقَابِ ﴿۴﴾ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَاۗىِٕمَةً عَلٰٓي اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ
اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۵﴾ وَمَآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلٰي رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ
عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ
عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۶﴾ مَآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلٰي رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ
وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ
دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَاۗءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ
فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۷﴾ لِلْفُقَرَاۗءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ
اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا
وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۸﴾ ۚ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ
وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ
حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۭ وَمَنْ
يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۹﴾ ۚ وَالَّذِيْنَ جَاۗءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ
يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ
قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰﴾ ع

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ
الْكِتٰبِ لَىِٕنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ
قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝١١ لَىِٕنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ
مَعَهُمْ ۚ وَلَىِٕنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَىِٕنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا
يُنْصَرُوْنَ ۝١٢ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا
يَفْقَهُوْنَ ۝١٣ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ
بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ؕ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا
يَعْقِلُوْنَ ۝١٤ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝١٥ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ
بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١٦ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ
خَالِدَيْنِ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝١٧ ع

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝١٨ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ
اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝١٩ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ
الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآىِٕزُوْنَ ۝٢٠ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا
مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ
يَتَفَكَّرُوْنَ ۝٢١ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ
الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝٢٢ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ
الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝٢٣ هُوَ اللّٰهُ
الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٢٤ ع

تفسیر سورۃ الحشر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آیت نمبر 1 : سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۱﴾

ترجمہ: ''جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔''

سورۃ المجادلہ کے ساتھ ربط

سورۃ المجادلہ میں مسلمانوں کو حزب اللہ کی تنظیم جدید کی جو دعوت دی گئی تھی اور جس کی توسیع کی طرف اس سورۃ (الحشر نمبر 58) میں ان کی توجہ دلائی گئی ہے' وہ اس لیے نہیں ہے کہ اللہ اس کا محتاج ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ زمین اور آسمان کا نظام اس بات پر گواہ ہے کہ اللہ اپنے کام پورے غلبے اور حکمت کے ساتھ چلا رہا ہے۔ مگر وہ مسلمانوں کو حزب اللہ کی توسیع کے ذریعے سے غلبہ (عزت) دینا چاہتا ہے۔ اس لیے وہ یہ حکیمانہ تعلیم انہیں دے رہا ہے۔

آیت نمبر2: ہُوَ الَّذِیۡۤ اَخۡرَجَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ مِنۡ دِیَارِہِمۡ لِاَوَّلِ الۡحَشۡرِ ؕؔ مَا ظَنَنۡتُمۡ اَنۡ یَّخۡرُجُوۡا وَ ظَنُّوۡۤا اَنَّہُمۡ مَّانِعَتُہُمۡ حُصُوۡنُہُمۡ مِّنَ اللّٰہِ فَاَتٰىہُمُ اللّٰہُ مِنۡ حَیۡثُ لَمۡ یَحۡتَسِبُوۡا ٭ وَ قَذَفَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ الرُّعۡبَ یُخۡرِبُوۡنَ بُیُوۡتَہُمۡ بِاَیۡدِیۡہِمۡ وَ اَیۡدِی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ٭ فَاعۡتَبِرُوۡا یٰۤاُولِی الۡاَبۡصَارِ ﴿۲﴾

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے ان کو' جو اہل کتاب میں سے منکر ہیں' لشکر کے پہلے ہی اجتماع پر ان کے گھروں سے نکال دیا۔ تم خیال نہیں کرتے تھے کہ وہ نکلیں گے۔

اور وہ خیال رکھتے تھے کہ ان کے قلعے ان کو اللہ سے بچا لیں گے۔ پھر اللہ نے ان کو آن لیا' جہاں سے انہیں خیال نہ تھا۔ اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ اپنے گھر اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں اجاڑنے لگے۔ اے آنکھوں والو! اس سے عبرت حاصل کرو۔''

یہود کی شکست اور اپنے ہاتھوں تخریب

خدا کا عزیز اور حکیم ہونا یوں ظاہر ہوتا ہے کہ حزب اللہ کے قیام کے بعد پہلے ہی اجتماعِ عسکری اور اقدامی حملے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ کے فضل سے یہود کو اپنے گھروں سے نکل جانا پڑا۔ مسلمان یہ خیال کرتے تھے کہ یہودی نکلیں گے نہیں۔ اور خود یہودی بھی اپنے قلعہ نما مکانوں میں اپنے آپ کو محفوظ اور مستحکم سمجھتے تھے۔ مگر اللہ نے مسلمانوں کی دھاک ان کے دلوں میں بٹھا دی اور یہود نے خود ہی اپنے مکانوں کو گرانا شروع کر دیا۔ اور اس تخریب (Scorched Earth Policy) میں وہ حکمت الٰہی کام کرتی تھی جو مسلمانوں کو عزت اور یہودیوں کو ذلت دینا چاہتی تھی۔ مسلمانوں نے بھی ان یہودیوں کو برباد کیا اور ان کے قلعوں کو توڑنے پھوڑنے میں کمی نہ کی۔

مسلمانوں کے لیے عبرت

فَاعۡتَبِرُوۡا یٰۤاُولِی الۡاَبۡصَارِ

ترجمہ: ''اے آنکھوں والو! اس سے عبرت حاصل کرو۔''

یعنی مسلمانوں میں ایسی (یہودیوں کی طرح کی) جماعت کبھی پیدا نہ ہونے دی جائے۔ اس لیے کہ یہودی تورات پر ایمان رکھتے تھے اور مسلمان قرآن حکیم پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور قرآن حکیم اور تورات حقیقت میں ایک ہی چیز ہے۔ جب تورات کے ماننے والوں نے اپنے آپ کو تورات سے بعید کرلیا تو ان کا یہ حال ہوا کہ وہ اپنے ہاتھوں اپنے گھر بار برباد کرنے پر مجبور ہوگئے۔ مسلمانوں کو اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ وہ دنیا میں انقلابی کی حیثیت سے پیش ہوئے ہیں اور خدا نے انہیں کامیاب ہونے کا موقعہ دیا ہے۔ اگر وہ اس انقلاب سے پیچھے ہٹیں گے تو دوسری قومیں ان سے ضرور انتقام لیں گی۔ پس ایسی حالت کبھی پیدا ہی نہ

ہونے دی جائے۔

یہود کی جلاوطنی

آیت نمبر3: وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝

ترجمہ: ”اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ نے ان پر جلاوطن ہونا لکھ دیا تھا تو وہ ان کو دنیا میں عذاب دیتا اور آخرت میں ان کے لیے آگ کا عذاب ہے۔“

تورات میں یہود کو بتایا گیا تھا کہ اگر تم نے تورات کے احکام کی خلاف ورزی پر ضد کی تو تم سے حکومت چھین لی جائے گی۔ اور پھر یا تو تم جلاوطن کر دیئے جاؤ گے یا قتل کر دیئے جاؤ گے۔ اور ان دونوں باتوں میں سے ایک کا متحقق ہونا (عمل میں آنا) ضروری ہے۔

بنی نضیر کو تورات کی دو سزاؤں میں سے ہلکی سزا دی گئی۔ پس اب آیت کا ترجمہ یوں ہوگا کہ ”اگر اللہ نے انہیں جلاوطن کرنا نہ لکھ دیا ہوتا۔“

اکثر تفاسیر پڑھنے والے لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ حکم جلاوطنی خاص طور پر ان یہودیوں کے لیے تھا۔ مگر ہم یوں سمجھتے ہیں کہ تورات میں دو سزاؤں میں سے ایک کا ملنا متحقق (ثابت) ہے یعنی جلاوطنی یا قتل۔ اس لیے آیت کا ترجمہ یوں کریں گے کہ ”اگر ان یہود کو تورات کی خلاف ورزی کی پاداش میں سزا دینے میں جلاوطنی داخل نہ ہوتی تو قتل کر دیئے جاتے۔ مگر چونکہ قتل کی متبادل سزا جلاوطنی بھی تھی، اس لیے ان کو جلاوطنی ہی کی سزا دی گئی جو دونوں میں سے نرم سزا تھی۔“ مسلمانوں کی حالت کے اس وقت یہی مناسب سزا تھی جو وہ دے سکتے تھے۔

دنیاوی عذاب

اگر یہود اپنے شقاق (اختلاف) کے بعد مدینے میں رہتے تو ضرور قتل کر دیئے جاتے لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا اب مسلمانوں کے تمکن کے بعد ان کا مدینے میں رہنا دشوار تھا۔ انقلاب کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہ مخالف فکر کو برداشت نہیں کرتا۔ (حدیث میں جو آیا ہے) اَخرجوا الیھود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب (جزیرہ عرب سے یہود و نصاریٰ کو نکال دو) اس سے مراد حجاز میں ”علی سبیل الوجوب“ (واجب کے

درجہ میں) ہے اور باقی عرب میں سداً لذریعه (راستہ روکنے کے لیے) ہے۔

جلاوطنی کیوں؟

آیت نمبر4: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۴

ترجمہ: ''یہ اس لیے کہ وہ اللہ اوراس کے رسول کے مخالف ہوئے اور جوکوئی اللہ کا مخالف ہوا تو اللہ کا عذاب سخت ہے۔''

ان کو یہ سزا اس لیے دی گئی کہ انہوں نے نہ صرف حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی جو رسول اللہ تھے مخالفت کی بلکہ تورات کے احکام کی خلاف ورزی بھی کی۔ جولوگ خدا کے احکام کی نافرمانی کریں ان کو خدا تعالیٰ سخت سزا دیا کرتا ہے۔

میدانِ جنگ کا ہر فیصلہ صحیح

آیت نمبر5: مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۵

ترجمہ: ''جوکھجور کا درخت تم نے کاٹ ڈالا یا اپنی جڑ پر کھڑا رہنے دیا تو وہ اللہ کے حکم سے ہے اوراس لیے کہ وہ نافرمانوں کو رسوا کرے۔''

مسلمانوں نے یہودیوں کے بعض درخت کاٹ ڈالے اور بعض یونہی چھوڑ دیئے۔ اس کے بعد لوگوں میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ کہ کاٹنا ضروری تھا یا چھوڑنا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کیا۔ کہ دونوں ہی درست ہیں۔ پس میدانِ جنگ میں کام کرنے والے لوگ جو فیصلہ بھی کریں صحیح مانا جاتا ہے' اس پر تنقید کرنے کا حق کسی کو حاصل نہیں ہے۔ فوج کی ایک کمپنی ایک طرف سے حملہ کرتی ہے اور دوسری' دوسری طرف سے' ان کے کمانڈر اپنی اپنی کمپنیوں کو جوحکم دیتے ہیں' وہ صحیح ہیں۔ ان پر یہ بحث کرنا کہ فلاں نے درست حکم دیا اور فلاں نے غلط' یہ اصول جنگ کے خلاف ہے۔ یہ ترجمہ ہے ''فباذن اللّٰہ'' کا۔ یعنی جنگ کا جو قانون اللہ تعالیٰ نے عقلمندوں کو دیا ہے' یہ اس کے اندر ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ کسی کو اللہ نے کاٹنے کا حکم دیا اور کسی کو نہ کاٹنے کا۔ اللہ حزب اللہ کے کام کو اپنی طرف

منسوب کرتا ہے۔ اس کی مثال ویسی ہی ہے جیسے رسول اللہ ﷺ کے کام کو اللہ اپنی طرف منسوب فرماتا ہے۔

الحشر کا اصل موضوع

آیت نمبر 6: وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

ترجمہ: ''اور جو مال اللہ نے اپنے رسول پر ان (کفار) سے لوٹا دیا' تو تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ۔ ولیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے غلبہ دیتا ہے اور اللہ سب کچھ کرسکتا ہے۔''

یہ آیات نمبر 6 تا 10 اس سورۃ (الحشر) کا مبحث اصلی ہیں۔ سورۃ مجادلہ میں صحیح اصول عقلی اور اخلاق فاضلہ کی بنا پر حزب اللہ کے قیام کی توضیح کی گئی تھی۔ مگر ایسی جماعت اموال و اقتصادیات کے اشتراک کے بغیر قائم نہیں ہوسکتی۔ اس سورت میں حزب اللہ کے فنڈ (FAND) کی تشریح کی گئی ہے۔

یہود جب خارج البلد ہوئے تو وہ تمام اٹھانے کے قابل چیزیں لے گئے اور اراضی اور چاھات (کنویں) باقی رہ گئے۔ یہ چونکہ لڑائی کے بغیر ہاتھ آئے تھے' اس لیے ان کو فَئے کا مال قرار دیا گیا۔ ان آیات (نمبر 6 تا 10) میں مال فَئے کی تقسیم کے اصول بیان کیئے گئے ہیں۔

مال غنیمت کی تقسیم سورۃ انفال میں کی گئی ہے اور مال فَئے کی تقسیم اس سورت (الحشر) میں کی گئی ہے۔

فَئے کی تعریف

(الف) فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ

(تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ چونکہ تم نے گھوڑے اور اونٹ دوڑا کر یہ مال حاصل نہیں کیا'

بلکہ اللہ تعالیٰ نے مخالفین کے دلوں میں رعب ڈال دیا (اس رعب میں ان مسلمانوں کا بھی کچھ اثر ہے جو اس وقت جنگ میں شریک نہیں ہیں)' اس لیے اس طرح حاصل شدہ مال میں فقط سپاہیوں کا حق نہیں ہوگا بلکہ سب مسلمانوں کا حق ہوگا۔

فئے کی اراضی کس کی ہیں

(ب) وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ

(لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے غلبہ دیتا ہے)

اپنے رسولوں کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ ہی غالب کرتا ہے۔ وہ اس فتح کا معاوضہ اپنی ذات کے لیے نہیں چاہتے کہ اب یہ زمین ہماری ملکیت ہوگئی' بلکہ اب وہ اس حزب اللہ کی ملکیت بن جاتی ہے۔ اس حزب اللہ نے اپنے تھوڑے تھوڑے صدقات سے مالی اساس قائم کی تھا (المجادلہ 12)۔ اب خدا نے اپنے فضل سے زمین دے دی۔ یہ زمین اس حزب کے ہاتھ میں رہے گی اور وہ اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ یہ حزب اللہ کی ترقی کی رفتار ہے۔ یعنی پہلے حملہ کرنا جائز ہوگیا۔ اور نیز فتوحات میں سے اجتماعی فائدہ پہنچا۔ پہلی فتوحات میں جو مال غنیمت حاصل ہوتا تھا وہ سب سپاہیوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اب وہ اجتماعی حق بن گیا۔

انقلاب کی حقیقت

یہ ہے انقلابی قوت' اس کا نام لڑائی نہیں ہے' اس کا نام انقلاب ہے۔ لڑائی تو لڑائی کے اصولوں پر لڑی جائے گی اور سپاہیوں کو مال غنیمت دیا جائے گا یا تنخواہ دی جائے گی۔ مگر انقلاب میں فقط میدان جنگ میں لڑنے والا حصہ کام نہیں کرتا۔ بلکہ نہ لڑنے والا حصہ بھی کام کرتا ہے۔ مثلاً وہ پروپیگنڈہ کر کے فوجوں کی مدد کرتا ہے۔ یہ جو مخالفین کے دلوں میں رعب پڑا' یہ پروپیگنڈہ کرنے والے حصے کی برکت سمجھنی چاہیے۔ اسی کی طرف آیت نمبر5 میں اشارہ ہے کہ کاٹنا اور نہ کاٹنا دونوں جائز ہیں۔ کیونکہ لڑنے والا حصہ فوجی ضرورت کے پیش نظر درختوں کو کاٹتا ہے۔ اور نہ لڑنے والا حصہ مستقبل کے استفادے کے پیش نظر نہیں کاٹتا۔

آیت نمبر7: مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

ترجمہ: ''جو مال اللہ نے اپنے رسول پر بستیوں والوں سے لوٹایا' تو وہ اللہ کے لیے' رسول کے لیے' قرابت والوں کے لیے' یتیموں کی لیے' محتاجوں کے لیے' اور مسافر کے لیے ہے' تاکہ وہ تم میں سے دولت مندوں کے درمیان گردش میں نہ رہے۔ اور جو تم کو رسول دے تو لے لو اور جس سے منع کرے تو چھوڑ دو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے۔''

مال فئے کے پانچ حصے

مال فئے کے مندرجہ ذیل پانچ حصے ہوں گے:

لِلّٰه : تبرّکاً

(1) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک زندہ رہیں۔

(2) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذوی القربٰی بحثییت رسالت۔

(الف)(1) للفقراء المجهرين الذين اخرجوا من ديار هم واموالهم

(ان فقراء مہاجرین کے لیے جنہیں ان کے گھروں اور مالوں سے نکالا گیا)

(2) والذين تبوء والدارا والايمان من قبلهم يحبون من هاجر اليهم

(وہ انصار جنہوں نے مہاجرین کو ٹھکانا دیا)

(ب) والذين جاء و ا من بعدهم

(وہ لوگ جو مہاجرین اور انصار کے بعد آئے)

(3) واليتمى (یتیم)

(4) والمساكين (مسکین)

(5) وابن السبیل (مسافر)

اللہ کا حصہ تبرکاً ہے

اللہ کا یہ حصہ تبرکاً ہے۔ گویا مال فئے کسی کا ذاتی اور شخصی حق نہیں ہے بلکہ حقیقت میں اللہ ہی کا سب کچھ ہے کیونکہ بادشاہی اللہ کی ہے۔ زمین اللہ کی ہے' اس لیے ملکیت بھی اللہ کی ہے۔ پس اللہ کے بندوں کو تغلب دکھانے کا کون سا موقع ہے!

اس کے بعد مال فئے کے عملی طور پر پانچ حصے کیے گئے۔

رسول اللہ کا حصہ: آپؐ کے بعد کس کا؟

(1) ایک حصہ رسول اللہ ﷺ کا۔ خاندان نبوی اور جو ذوالقربیٰ ہوئے وہ اس حصہ میں سے حصہ پائیں گے۔ سوال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ان کا جانشین ان کے حصے کا حقدار ہے یا نہیں؟ سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ نے اپنے آپ کو اس حصے کا حقدار مقرر نہیں کیا۔ مگر سیدنا حضرت عثمانؓ نے حصے کا مالک قرار دیا۔

ذوی القربیٰ

(2) ذوی القربیٰ یعنی وہ لوگ جو امور رسالت میں شریک کار ہیں اور وہ حضور ﷺ کی پارٹی کے لوگ ہیں۔ یہ آپؐ کے شخصی رشتہ دار نہیں ہیں۔ شخصی رشتہ داروں کو رسول اللہ ﷺ کے حصے میں سے ملے گا۔ پس ذوی القربیٰ سے مراد پیغمبر ﷺ کا سٹاف ہے۔

اصل میں رسول اللہ ﷺ کا رشتہ دار وہ ہے جو آپؐ کے ساتھ اس سے بھی زیادہ پیار کرتا ہے جتنا وہ اپنے ماں باپ سے کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

لایوء من احد کم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین (الحدیث)

ترجمہ: (تم میں سے کوئی آدمی کامل مومن نہیں بن سکتا جب تک وہ مجھ سے اپنے والد، اپنی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبت رکھے)

پس رسول ﷺ بھی ان کے ساتھ اپنوں کا سا معاملہ کریں گے۔

سلمان مِنّا اھلِ البیت (الحدیث) (حضرت سلمان فارسیؓ ہمارے اہلِ بیت میں سے ہیں)

اور ان کی حاجات کی کفالت ذوی القربی کی طرح کریں گے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت فاطمتہ الزہرا نے خادم طلب کیا تو فرمایا کہ انصار کے یتیموں کو تم سے زیادہ ضرورت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پارٹی کی ضرورت

اگر کتاب الہٰی کی اشاعت کو پارٹی پروگرام میں منضبط کر لیا جائے۔ جیسے ہم سورہ مجادلہ میں حزب اللہ کی تاسیس سے استنباط کر چکے ہیں۔ اور انسانی عقلمند جماعتوں کا فیصلہ بھی ہمیں معلوم ہے کہ کوئی انقلاب پارٹی کی آمریت (ڈکٹیٹرشپ) کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتا ' تو انبیاء کرام کی تعلیمات کی کامیابی کو ان کی پارٹیوں کی ڈکٹیٹرشپ کی کامیابی تسلیم کرنا پڑے گا۔ انبیاء کرام اپنی پارٹیوں کے لیڈر ہوتے ہیں۔ اس لیے دنیا غلطی سے انہی کو ڈکٹیٹر سمجھ لیتی ہے۔ حقیقت میں کوئی نبی اپنے انقلابی رفقا کی کامیابی کے بغیر کامیاب نہیں ہوا۔ بڑے بڑے اولوالعزم نبی اپنے رفقاء کی کمزوری کے سبب اپنی تعلیمات کے نتائج نہ دیکھ سکے' جیسے موسیٰ علیہ السلام کی تاریخ سے ثابت ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ بذات خود بڑے اولوالعزم نبی تھے اور ان کی نظیر تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔ مگر ان کے رفقاء کی کمزوری سے انہیں بے حد تکالیف پیش آئیں اور منزل مقصود پر پہنچنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ چنانچہ سورۃ المائدہ آیت نمبر 26 ملاحظہ ہو۔

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا تحقیق وہ زمین ان پر چالیس برس حرام کی گئی ہے۔ وہ اس ملک میں سرگرداں پھریں گے۔ سو تو نافرمان قوم پر افسوس نہ کر۔''(1)

(1) شیخ التفسیر استاذی المکرّم حضرت مولانا احمد علی رحمتہ اللہ علیہ نے اس آیت پر ربط آیات میں تحریر فرمایا کہ ''اگر یہ (بنی اسرائیل) ایسے ہی ڈرپوک اور بے حس ہوگئے ہیں تو ان کو ارض مقدس کی بادشاہی دینے سے کیا نفع ہوگا؟ لہٰذا سزا کے طور پر یہ چالیس سال یہاں جنگل میں پھریں تاکہ بے غیرت اور بے حس بڈھے مرجائیں اور ایک نئی نسل غیور اور حریت پسند پیدا ہو۔ وہ جا کر اپنے آبائی ملک پر قبضہ جما لے۔'' (از خدا بخش)

ادھر قرآن حکیم رسول اللہ ﷺ کی کامیابی کو **الذین معه** کی کامیابی پر منحصر کرتا ہے۔ چنانچہ درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

(الف) لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٨٨﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٨٩﴾ (سورۃ التوبہ 89,88)

ترجمہ: ''لیکن رسول اور جو لوگ اس کے ساتھ ایمان والے ہیں وہ اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں اور انہی لوگوں کے لیے بھلائیاں ہیں اور وہی نجات پانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے باغ تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔''

(ب) مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۾ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٢٩﴾ (سورۃ الفتح: 29)

ترجمہ: ''محمدؐ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں کفار پر سخت ہیں' آپس میں رحم دل ہیں۔ تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع و سجود کر رہے ہیں۔ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں۔ ان کی شناخت ان کے چہروں میں سجدے کا نشان ہے۔ یہی وصف ان کا تورات میں ہے اور انجیل میں ان کا وصف ہے مثل اس کھیتی کے جس نے اپنی سوئی نکالی' پھر اسے قوی کر دیا' پھر موٹی ہوگئی' پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی' کسانوں کو خوش کرنے لگی تاکہ اللہ ان کی وجہ سے کفار کو غصہ دلائے۔ اللہ نے ان میں سے ایمانداروں اور نیک کام کرنے والوں کے لیے بخشش اور اجرِ عظیم کا وعدہ کیا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کے ذوی القربیٰ کون ہیں؟

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاءؑ کی کامیابی ان کے حزب کی کامیابی ہی ہوتی ہے۔ اس کے بعد اگر یہ پوچھا جائے کہ رسولؐ کے ذوی القربیٰ کون ہیں؟ تو بلا تامل یہی جواب دیا جائے گا کہ ''اسؐ کی پارٹی کے ممبر''۔ مگر ایک ایسا آدمی جس نے انبیاءؑ کی کامیابی کا اس نقطۂ نگاہ سے مطالعہ نہیں کیا' کہے گا ''رسول اللہؐ کے شخصی رشتہ دار''۔

رسول اللہ ﷺ کے نسبی قربیٰ

نبی اکرم ﷺ کے نسبی رشتہ دار' اولاد بنی ہاشم ہیں اور پھر اولاد علیؓ اور اولاد عباسؓ۔ ان کی سیاست کا مخصوص انداز یہی تھا کہ وہ بنی اسرائیل کے طریق پر خلافت قائم کر کے آپ اس کے مرکز میں آنا چاہتے تھے۔ مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے استحقاق کی ہرگز کوئی صراحت نہیں فرمائی۔ بنی امیہ کی خلافت کے زمانے میں بنی ہاشم حزب مخالف (Opposition Party) کی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔ اب انہوں نے خفیہ جماعت کے ذریعے سے کوشش کی اور کامیاب ہوئے۔ کامیابی کے بعد دو حصے ہو گئے:

(1) بنی عباس

(2) علویین

نسبی قربیٰ کسی ترجیحی حق کے مستحق نہیں

بنی عباس نے مرکزی خلافت پر قبضہ کر لیا اور علویوں نے اطراف مملکت پر۔ علویین آیت قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (سورہ الشوری آیت 23) (کہہ دو میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا بجز رشتہ داری کی محبت کے----) میں ذوی القربی سے اپنی ذات مراد لیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اجر یہ ہونا چاہیے کہ رسول ﷺ کے خاندان کی حکومت قیامت تک تمام مسلمانوں کے گلے میں پڑی رہے' خواہ وہ حکومت کیسی ہی کیوں نہ ہو۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی محنت کا اجر یہ ہے کہ لوگ اپنے اپنے اقرباء سے' محبت سے پیش آنے لگیں۔

چنانچہ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا

(اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے واسطہ سے آپس میں سوال کرتے ہو اور قرابت والوں کے بارے میں خبردار رہو بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے)۔(سورۃ النساء آیت نمبر 1)

شریعت اسلامیہ کی بنیاد اس پر ہے کہ یہ دعوۃ الی اللہ ہے‘ اللہ کے احکام کا اتباع ہے اور ان کا انصاف کے ساتھ قیام ہے۔ شریعت الٰہیہ کا دوسرا جزو اعظم جو اس سے متفرع (ثابت) ہوتا ہے‘ صلہ رحمی ہے یعنی اہل حق کے حقوق بے کم و کاست ادا کئے جائیں۔ انسانی فطرت اسی پر مجبول (بنائی گئی) ہے اور قرآن حکیم اس فطرت انسانی ہی کے تقاضے پورا کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اگر یہ فطرت خراب ہو جائے تو انسانیت خراب ہو جاتی ہے۔ پس نبی اکرم ﷺ لوگوں سے فرماتے ہیں کہ میری رسالت کا اجر اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ تم آپس میں صلہ رحمی کرو اور اس باب میں گمراہی میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ اس آیت میں اس امر کی طرف کوئی اشارہ موجود نہیں ہے کہ مودۃ فی القربیٰ سے مراد رسول اللہ ﷺ کے نسبی قرابت داروں کے ساتھ مودۃ ہے۔

مودۃ فی القربیٰ کا اصل مفہوم

اس دعوت میں‘ کہ لوگ اپنے اپنے اقرباء کے حقوق ادا کریں‘ یہ حکمت تھی کہ لوگ اس پر مطمئن تھے کہ نبی اکرم ﷺ ہمیں صرف اس چیز کی طرف بلاتے ہیں جس میں ہمارا ہی نفع ہے۔ پس سب اہل بیت اور سب مائیں اس دعوت کو سنتی تھیں کیونکہ قطع رحم سے سب سے زیادہ نقصان امہات ہی کو پہنچ سکتا ہے۔ جب انہوں نے سنا کہ نبی اکرم ﷺ اپنی تبلیغ وسعیِ اصلاح کا اس کے سوا اور کوئی اجر طلب نہیں کرتے کہ ہماری اولاد ہماری خدمت کرے تو وہ اسلام کی طرف زیادہ مائل ہو جاتی تھیں۔ جو شخص مکہ معظّمہ میں اسلام کے پھیلنے کی رفتار کا مطالعہ کرے وہ اس چیز کو نہایت بیّن پائے گا۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ

(کہہ دیجئے میں نے تم سے جو کچھ معاوضہ مانگا ہو‘ تو وہ تم ہی رکھو۔) (السبا 47:34)

پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی دوسرے انبیاء کی طرح امت سے کوئی مادی یا

غیر مادی اجر طلب نہیں کرتے۔ وہ تو ساری عمر یہی فرماتے جاتے ہیں کہ

اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ (میرا اجر تو اللہ کے پاس ہے۔)(سورہ السبا نمبر 47)

مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ یَّتَّخِذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیْلًا (الفرقان نمبر 57)

مِنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۴﴾ (یوسف نمبر 104)

(یونس نمبر 72 قول نوح علیہ السلام)

(ھود نمبر 51 قول ھود علیہ السلام) یہی سنت انبیاء ہے۔

البتہ یہ صحیح ہے کہ متقدم فی الاسلام (اسلام میں پہلے) ہونے کی وجہ سے بنو ہاشم عجمیوں سے افضل و اولیٰ ہیں' بشرطیکہ ان میں شرائط خلافت پائی جائیں۔

رسول اللہ ﷺ کے تین قسم کے ذوی القربی

الغرض قرآن حکیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبی رشتہ داروں کا اس آیت میں کوئی ذکر نہیں کرتا۔ اس لیے ان سے مراد وہ رشتہ دار ہیں جو حضورؐ کی تحریک میں جان و مال لٹا کر شریک ہوئے ہیں۔ وہ حزب اللہ کے مندرجہ ذیل تین اجزاء ہیں:

1- مہاجرین۔ (آیت نمبر 8)
2- انصار۔ (آیت نمبر 9)
3- تابعین باحسان۔ (آیت نمبر 10)

رسول اللہ ﷺ کی صحیح پوزیشن

یہ تینوں قسم کے لوگ ذوی القربیٰ کی تفسیر ہیں۔ فئے میں سے جو حصہ 1/5 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے وہ کافی بڑی مقدار ہے۔ یہ اس لیے دیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی یعنی نسبی رشتہ دار بہت سے ہیں جن کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طبعی حقوق ہیں۔ ان کے مصارف اس حصے میں سے نکلیں گے۔ ذوی القربیٰ کا جو 1/5 حصہ ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی اور نسبی رشتہ داروں کے لیے نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا اسوہ حسنہ تو یہ ہے کہ وہ اپنا ذاتی پانچواں حصہ بھی کبھی پورا وصول نہیں کرتے' بلکہ ازواج مطہرات اور قریبی رشتہ داروں کے

واجبی حقوق ادا کرنے کے بعد باقی ماندہ رقم پھر یتامیٰ اور مساکین کے حصے میں لوٹا دیتے ہیں۔ اس کے بعد یہ خیال بنانا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم 1/5 حصہ اپنے ذاتی نام سے اور 1/5 حصہ اپنے ذوی القربی کے نام سے لیتے ہیں' یہ اس پرانی سرمایہ دارانہ ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے شہنشاہیت پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ بنی ہاشم میں چند آدمی اس خیال کے ضرور پیدا ہوگئے تھے' مگر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے ان کو کامیاب ہونے نہیں دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسلی حق جس کے بعض بنی ہاشم مدعی تھے' قائم نہ ہو سکا۔ یہ اسلامی تعلیم اور رسول اللہ ﷺ بہت بڑا شرف ہے۔ اس لیے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بہت بڑی عزت کے مستحق ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا بلکہ بعض بنی ہاشم کی پالیسی چل جاتی تو ساری دنیا یہی کہتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رسالت کا دعویٰ کر کے اپنے خاندان کے لیے چند روزہ شہنشاہی پیدا کرلی۔

حضرت ابوبکرؓ کا دانشمندانہ فیصلہ

بعض بنی ہاشم نے بہت عقل مندی سے اپنی اس رائے کی رہنمائی کے لیے حضرت فاطمہ الزہراؓ کو انتخاب کیا اور انہیں میراث کا مدعی بنا کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس بھیجا حضرت ابوبکرؓ نے نہایت سختی سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل بیت کو نفقہ (خرچہ) دیتے تھے میں بھی دیتا ہوں گا' اس سے زیادہ تمہارا کوئی حق قائم نہیں ہوتا۔ حضرت ابوبکرؓ کی عقلمندی اور استقامت نے مسلمانوں کو ایک بہت بڑی مصیبت سے بچا لیا۔ بعض بنو ہاشم کے اتباع اب تک اسے اچھا نہیں سمجھتے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ وہ روپیہ کیوں نہیں کماتے؟

یتامیٰ کے لیے روپے کی ضرورت

☆(3) یتامی۔ جو لوگ جہاد میں شریک ہو کر شہید ہوں' ان کے بچوں کی کفالت اور تربیت کے لیے علیحدہ محکمہ قائم کرنا ضروری ہے۔

☆ مالِ فئے کے پانچ حصے کے تحت

مساکین کے لیے روپے کی ضرورت

☆(4) مساکین۔ اسباب وموانع کی وجہ سے جو لوگ کامیاب نہ ہوسکیں' ان کو اتنی مدد دی جائے کہ وہ اپنے پیشے اور کام کے آلات فراہم کر کے اپنا کام جاری کرسکیں۔ ایک کاریگر کے پاس اپنے کام کرنے کے اوزار نہ ہوں تو وہ ضائع ہو جائے گا۔ اسے اس فنڈ سے روپیہ دینا جائز ہے۔ اس کے بعد وہ قوم کا ایک مفید فرد بن جائے گا۔

ابن السبیل سے کیا مراد ہے؟

☆(5) ابن السبیل۔ پروپیگنڈہ جس قدر ضروری ہے اس کے بیان کی حاجت نہیں۔ پروپیگنڈہ کرنے کے بے شمار طریقے ہیں۔ ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ لوگ اپنی خوشی سے ملنے آئیں اور سب چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ ان کا خرچ اس فنڈ سے ادا کیا جاسکتا ہے۔ ایسے ہی سیاحت مسلمانوں کا عمومی فرض ہے۔ **سیروافی الارض** (زمین میں سیر کرو) کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔ جو شخص یہ فرض ادا کرنا چاہتا ہے اس کا نفقہ (خرچہ) مسلمانوں کے ذمے ہے۔ اس فرض کفایہ کے ادا کرنے سے امم اسلامیہ میں باہم اتصال ہوتا ہے اور اجتماعات عالیہ منظّم ہوتے ہیں جو قرآنی حکیم کا اصلی مقصد ہے، اسی لیے قرآن حکیم نے سیاحت کا فرض مسلمان مردوں اور عورتوں دونوں کے ذمے ڈالا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں **السائحون** (سورہ توبہ) کے علاوہ **سائحات** (سورہ تحریم) کا بھی ذکر ہے۔ کیونکہ تنظیم ملت محض مردوں ہی سے نہیں ہوتی بلکہ مردوں اور عورتوں دونوں سے ہوتی ہے۔ سیاحت سے غیر مسلم اقوام کے مکائد (مکر وفریب) کا بھی علم حاصل ہوتا ہے۔ یہ اطلاعات مسلمانوں کے لیے نہایت ضروری ہیں۔ بعض اوقات ممالک غیر سے علم حاصل کرنے کی ضرورت ہوگی تا کہ ملت اسلامیہ میں اسے شائع کیا جائے۔ حج کی تشریع اس غرض کو بہت حد تک پورا کرتی ہے۔

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ

[تا کہ وہ (دولت) تمہارے اغنیا ہی میں دست بدست منتقل نہ ہوتی رہے۔]

☆ مالِ فئے کے پانچ حصے کے تحت

اسلام اور سرمایہ داری

پارٹی کا جو مرکزی خزانہ جمع ہو رہا ہے اگر اس میں یتیم، مسکین اور ابن السبیل کو بھی وہی حق دے دیا جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلقین و متوسلین کو دیا جاتا ہے تو سرمایہ داری کی ظاہری صورت بھی ختم ہو جائے گی۔

سرمایہ دار لوگ اپنا تفوق جتانے کے لیے اپنی سوسائٹی علیحدہ کر لیتے ہیں۔ یہ طریق بتدریج سرمایہ داری کے تغلب کا ذریعہ بنتا ہے۔ جب روپیہ ان کے ہاتھوں میں علیحدہ نہیں آتا، بلکہ یتیم اور مسکین کو بھی اس میں برابر کا شریک بنا دیا گیا ہے تو سرمایہ داری بنیادی طور پر اسلام میں نہیں آئے گی۔

عادلانہ تقسیم

اس تقسیم سے فَئے کی دولت غربا اور مساکین میں بٹ جائے گی۔ جو غنائم قتال کے بعد حاصل ہوں ان کا 4/5 حصہ مجاہدین میں تقسیم ہوگا۔ لیکن فَئے کا کل مال فقراء میں تقسیم ہوگا۔ اس طرح فقراء اور اغنیاء دونوں کے لیے آمدنی کے مستقل ابواب معین ہوں گے اور یوں حزب اللہ کا قیام تقویٰ پر رہا۔ یعنی منصفانہ تقسیم پر (المجادلہ 9)۔

اراضی فَئے اور حقوق کاشتکاری

فَئے میں جو اراضی مسلمانوں کے قبضے میں آئیں گی، ان میں زمین پر کاشتکاروں کے حقوق مسلّم رہیں گے۔ اس کی ضرورت یوں خیال کی جاتی ہے کہ ملک میں ایک حکومت متغلب تھی۔ اسے اس پارٹی نے شکست دے کر زمین کی حکومت کا چارج لے لیا۔ یہ اراضی ان کاشتکاروں کے قبضے میں سے نہیں نکالی جائے گی۔ کیونکہ وہ اس اسلامی انقلابی پارٹی سے براہ راست نہیں لڑے۔ وہ ایک متغلب حکومت کے ماتحت تھے۔ اس کے دباؤ سے جنگ میں شامل ہوئے تھے۔ جب اس حکومت کو شکست ہوگئی تو انہوں نے مسلِم حکومت کو اپنے اوپر اس طرح تسلیم کرلیا جس طرح پہلی متغلب حکومت کو مانتے تھے۔ ان لوگوں کو جو زراعت پیشہ ہیں، زراعتی حقوق سے محروم کرنا خطرناک غلطی ہوگی۔ پس یہ زمین اپنے کاشت کاروں سمیت اس نئی حکومت کے قبضے میں آئے

گی۔ یہ گورنمنٹ کاشتکاروں سے جو حق وصول کرے گی وہ اس پارٹی کے ارکان میں تقسیم ہوگا۔ زمین تقسیم نہیں کی جائے گی۔ اگر یہ کاشتکار نااہل ثابت ہوئے تو دوسرے کاشتکاران کی جگہ لگا دیئے جائیں گے۔ مگر وہ ہوں گے اسی ملک کے لوگوں میں سے۔ اس طرح اسلامی انقلاب نے اپنے ماتحت ہوم رولر (Home ruler) جماعتیں پیدا کرلیں۔ اسلامی حکومت اصل میں وحدانی حکومت (Unitary government) نہیں جیسے ایک قوم کی ہوتی ہے' بلکہ وہ ایک انٹرنیشنل حکومت ہے۔

زمین پر اہل ملک کا حق تسلیم

ہر ایک ملک کی زمین سے سب سے پہلے اہل ملک فائدہ اٹھائیں گے۔ یہ حق ملکیوں کے لیے مسلّم رکھا گیا ہے۔ مگر وہ کاشتکاری کر کے ہی فائدہ اٹھائیں گے۔ حکومت اس پارٹی کی ہوگی جو ملک کو فتح کرے گی۔ ملکیوں میں سے جو لوگ اس پارٹی میں شامل ہوتے جائیں گے وہ حکومت میں حصہ لے سکیں گے۔ اس طرح ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ وہ کاشتکار اسلام قبول کر کے اپنے ملک کے پورے مالک بن جائیں گے۔

اسلام کو ان لوگوں کی اصلاح پیش نظر ہے' ان کی اراضی پر قبضہ کر کے کسی دوسرے ملک کے لوگوں کو فائدہ پہنچانا مقصود نہیں ہے۔ ان کے ملک میں ایک غلط نظام، حکومت کرتا تھا' اسے توڑ کر صحیح نظام پر چلنے کی آسانیاں بہم پہنچا دیں۔

اراضی کی کاشت سے دو حصے حاصل ہوں گے۔

(1) ایک حصہ' پیداوار کاشتکاروں کے قبضے میں جائے گا اس سے حکومت کو کوئی تعلق نہیں ہوگا اور کاشتکاروں سے زمین چھین کر دوسرے ملک کے کاشتکاروں کو نہیں دی جائے گی۔ جب تک وہ حکومت کا حق ادا کرتے رہیں ان کی اراضی ان کے قبضے میں رہیں گی۔ خود اس ملک کے دوسرے کاشتکاروں کو بھی ان کی اراضی چھین کر نہیں دی جائے گی۔

(2) پیداوار کا دوسرا بڑا حصہ حکومت کے خزانے میں جائے گا۔ ہماری فقہی اصطلاح

میں اس کا نام ''خراج'' ہے۔ اس کی کوئی مقدار معین نہیں کی گئی۔ یہ کاشت کار اور حکومت کے درمیان مصالحت سے طے ہوسکتی ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

(1) جنس میں ادا کرنا۔ اسے ''مقاسمہ'' کہتے ہیں۔

(2) نقدی کی صورت میں ادا کرنا' اسے ''خراج مؤظف'' کہتے ہیں۔

خراج کا مصرف

خراج سے جو آمدنی سرکاری خزانے کو ہوگی وہ عام مسلمانوں کے فوائد میں استعمال کی جائے گی جن کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ کسی خاص شخص کا کوئی حق نہیں مانا جائے گا۔ یہ فقہ حنفی کے عام مسائل ہیں جو ممالک اسلامیہ میں معمول بہٖ ہیں۔ جس پارٹی نے اپنا خون دے کر انقلاب برپا کیا ہے' اسے زندہ رکھنے کے لیے اسے روٹی دینا ضروری ہے۔ اس لیے یہ اس کا حصہ ہوگا۔

حضرت عمرؓ کا دانشمندانہ فیصلہ

جب عراق کی اراضی فتح ہوئیں تو وہاں کسریٰ کی حکومت متغلب تھی اور ملکی کاشتکار ہی اراضی کی مالک تھے۔ مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کے زمانے میں یہ سوال اٹھایا کہ یہ زمینیں ہمیں تقسیم کر دی جائیں۔ سیدنا عمرؓ نے نہایت دور اندیشی سے کام لے کر مجاہدین کا یہ مطالبہ منظور کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کی رائے تھی کہ ان زمینوں کی آمدنی مسلمانوں کی فوجی قوت اور سلطنت کا نظام قائم رکھنے والی طاقت کے لیے وقف کر دی جائے' تاکہ انقلاب کو اور آگے بڑھا سکیں۔ مگر جن لوگوں کا مطالبہ تھا' وہ راضی نہ ہوتے تھے۔ اس پر بارہ ماہ برابر جھگڑا ہوتا رہا۔ آخر حضرت عمرؓ کو یہ آیت (الحشر 7) یاد آئی۔ سیدنا عمرؓ نے اس سے یہ استدلال کیا کہ یہ چیز تو سارے مسلمانوں کی ہے' فقط مجاہدین کی نہیں ہے۔ اس لیے تقسیم کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اس تشریح پر سب متفق ہوگئے۔(1)

(1) تفصیل کے لیے دیکھئے ''ازالۃ الخفاء مقصد دوم، رسالہ فقۂ عمر، جلد سوم، ص 476 تا 483، طبع قدیمی، کراچی (آزاد)

درس و اعتبار

اس سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ مفتوحہ زمینیں شخصی ملکیت میں نہیں دی جاسکتیں اور یہاں سرمایہ داری ذبح ہوتی ہے۔ یہاں ہندوستان میں برطانوی حکومت کا سارا دارومدار زمینداروں کے سر پر ہے، جس دن زمینداروں کی زمینیں چھین لی جائیں گی، اس روز یہ گورنمنٹ کھوکھلی ہو جائے گی، اس روز اسے ہندوستان (برصغیر) کی رعایا کے لیے وہ سب کچھ کرنا پڑے گا، جو وہ یورپ میں کر رہی ہے۔ اور ہندوستانی رعایا پر روپیہ صرف ہونا شروع ہوا تو یورپ کو ایک کوڑی بھی نہ جائے گی، اور جب ہندوستانیوں کو قومی حیثیت میں اس پیمانے پر کھانا، کپڑا دیا جانے لگا، جس پیمانے پر یورپین لوگوں کو مل رہا ہے تو اس ملک پر کسی بیرونی طاقت کا غلبہ نہیں رہ سکے گا، اس حالت میں جس طاقت سے وہ صلح کریں گے، وہی انسان دوست ہو جائے گی، اور جس سے وہ دشمنی کریں گے، اس سے لڑیں گے۔

حضرت امام شافعیؒ کی رائے

یہ مسئلہ شاہ ولی اللہؒ کے فلسفے کی اساس ہے۔ انہوں نے ''ازالۃ الخفاء'' (کے مقصد دوم رسالہ فقۂ عمر) میں اس مسئلے پر مفصل بحث کی ہے۔ شاہ صاحبؒ نے اس رسالے میں حضرت عمر بنؓ الخطاب کا جو مذہب لکھا ہے اس میں حضرت امام شافعی کی یہ رائے بتائی ہے کہ یہ زمین قابل تقسیم ماننی چاہیے۔ یہ عربی نیشنلزم ہے۔ وہ عرب نیشن ہی کو ساری دنیا پر غالب بنانا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ تمام ممالک پر عربوں کا مستقل قبضہ ہو اور وہی ساری دنیا کے جاگیرداری کے اصول پر مالک مان لیے جائیں۔ اس لیے کہ انہوں نے ملک فتح کیا ہے۔ کیا یہ وہی شہنشاہی نہ ہوگی جو قیصر و کسریٰ کی تھی اور جسے برباد کرنے کے لیے قرآن آیا؟ مگر شاہ صاحب حضرت امام شافعی کے اس فکر کا نہایت عقلمندی مگر نہایت شدت سے رد کرتے ہیں اور یہاں سے ان کی قوت اجتہاد کا اندازہ ہوتا ہے۔

ائمہ احناف ؒ کی رائے اور امام شاہ ولی اللہؒ

اتفاق کی بات ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ ،امام شافعیؒ کے موافق نہیں ہیں۔شاہ صاحب ان کی طرف داری کرتے ہیں۔ ہندوستان کی ساری اسلامی سلطنت کی بنیاد اسی اصول پر رکھی گئی تھی۔ ہندوستان کی تمام زمینیں خراجی ہیں۔(1) اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی تقسیم شخصی نہیں ہوسکتی۔مگر پچھلے بادشاہوں نے اپنی کمزوری کے سبب سے اس اصول کو توڑ دیا' اس لیے ان کی سلطنتیں برباد ہوگئیں۔

کیا اکراہ فی الدین جائز نہیں؟

اسلام ایک انقلاب لاتا ہے۔اس کی انقلابی پارٹی اپنی ڈکٹیٹرشپ (حاکمیت) پیدا کرنے کے لیےلڑتی ہے۔ ہم اسے اعلانیہ قبول کرتے ہیں۔اگر ہم اپنے قانون کی اتنی بھی عزت نہیں کر سکتے کہ اس کے جبری غلبے کے حامی ہوں تو پھر ہمارے انقلاب کی کامیابی معلوم! قرآنی قانون کے ماتحت جو غلبہ حاصل ہوگا قرآن اسے جبر قرار نہیں دیتا۔ وہ کہتا ہے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرہ 256)۔ اس آیت کا ترجمہ شاہ ولی اللہ نے یہ کیا ہے کہ:

''نیست جبر کردن برائے دین ، ہر آئینہ ظاہر شدہ است راہ یابی از گمراہی''
(دین کے لیے جبر کرنا نہیں ہے اس لیے کہ رُشد و ہدایت گمراہی کے مقابلہ پر ظاہر ہو چکی ہے۔

قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ کو لَآ اِكْرَاهَ کی علت بنایا ہے۔یعنی چونکہ قرآنی ہدایت اس کی مخالف قوتوں کی گمراہی سے نمایاں ہو چکی ہے۔اس لیے تھوڑے سے جبر کو جبر نہیں کہنا چاہیے۔

(1) حضرت شاہ عبدالعزیز دھلوی ''فتاویٰ عزیزی'' میں لکھتے ہیں : شیخ جلال الدین تھانسیریؒ نے ایک رسالہ ہندوستان کی زمینوں کے احکام پر لکھا ہے ، جس میں انہوں نے تحقیق فرمائی ہے کہ ہندوستان کی زمینیں عراق کی زمینوں کی طرح عام مسلمانوں کے لیے وقف ہیں اور بیت المال کی ملکیت ہیں ، کسی شخص اور فرد کی ملکیت نہیں ہیں ، اور قاضی محمد اعلیٰ تھانوی (المتوفی 1191ھ) نے بھی ایک رسالہ لکھا ہے ، جس میں انہوں نے اسی کی تائید فرمائی ہے۔فتاویٰ عزیزی جلد دوم ، ص 27 ، (راقم نے ان دونوں رسالوں پر تحقیقی کام کیا ہے۔آزاد)

کیا انسانوں کو تباہی کے منہ میں دے دیا جائے' اس لیے کہ لوگ کہیں گے کہ یہ جبر کر رہے ہیں؟ جب غلامی طبعیتوں میں راسخ ہو جائے تو آزادی ان کو جبراً ہی دینی پڑتی ہے۔ اس کے ساتھ اگر رباء (سود) کو جبراً بند کرنے کا حکم بھی ملا دیا جائے تو یہ دو حکم سرمایہ داری کو ختم کرنے کے لیے کافی ہوں گے۔

فلسفہ ولی اللّٰھی اور انقلاب

اسلام کا یہ وہ انقلاب ہے جسے حضرت شاہ صاحبؒ کا فلسفہ اپنا اساس قرار دیتا ہے۔ اس کے ساتھ وہ انسان کی تمام ضرورتیں تسلیم کرتا ہے۔ مثلاً خدا شناسی اور رشتہ داروں کے حقوق کو انسانی فطرت کے مطابق تسلیم کرتا ہے۔ مگر اموال میں یہ انقلاب تمام دنیا میں عدل کو جاری کرنا چاہتا ہے۔ ہم اس فلسفے کو اساس بنا کر تمام دنیا کو مسلمان بنا سکتے ہیں۔ ایک حصہ تو اس تحریک کو ظاہراً اور باطناً قبول کرے گا۔ اور باقی ہمارا دوست ہو جائے گا۔ اور پھر وہی مسلم اور ذمی کی تقسیم ہو کر اسلام آج کے زمانے میں بھی غالب آ سکتا ہے (وما ذلک علی اللہ بعزیز)۔

آیت نمبر8: لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ

ترجمہ: ''(یہ مال) ان وطن چھوڑنے والے ضرورت مندوں کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکالے ہوئے آئے ہیں' اللہ کا فضل اور رضامندی ڈھونڈھتے آئے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں' وہی لوگ سچے ہیں۔''

آیت نمبر9: وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

ترجمہ: ''اور (مال فیئ) ان لوگوں کے لیے ہے' جو ان سے پہلے اس گھر (مدینہ) اور

ایمان کو ٹھکانہ بنا چکے' محبت کرتے ہیں۔ ان سے جو ان کے پاس ہجرت کر آئے اور اس سے اپنے دل میں تنگی نہیں پاتے' جو مہاجرین کو دیدی جائے' اور ان کو اپنی جانوں پر مقدم رکھتے ہیں اور اگرچہ ان پر اضافہ ہو اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچا لیے گئے تو وہی مراد پانے والے ہیں۔''

آیت نمبر10: وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿10﴾

ترجمہ: ''اور (مال ِ فے) ان لوگوں کے لیے جو ان کے بعد آئے کہتے ہیں اے رب بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ایمان میں ہم سے پہلے داخل ہوئے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لیے بیر نہ رکھ' اے رب تو ہی نرمی والا مہربان ہے۔''

ذوی القربیٰ کی صحیح تفسیر

یہ تینوں:

(الف) لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ (فقرا مہاجرین)

(ب) وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ (انصار)

(ج) وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ (بعد میں آنے والے مسلمان)

ذوی القربیٰ کی صحیح تفسیر ہیں۔ یعنی رسالت کے قریبی رشتہ دار یہ لوگ ہیں۔ تیسری شق وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ میں قیامت تک آنے والے مسلمان شامل ہیں۔ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ اور وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ یہ انقلاب کی مرکزی طاقت ہے۔ انہیں سورۃ التوبہ میں السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ (التوبہ 100) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور تیسری شق کے لوگوں کو الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ (التوبہ:100) کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔

انقلاب اور اسلام کا لُزوم

اگر ہماری یہ سمجھ صحیح ہے کہ قرآن حکیم ایک انقلابی پروگرام دیتا ہے' تو پھر اس نتیجے پر پہنچنا مشکل نہیں ہے کہ مسلمان کسی زمانے میں بھی انقلاب سے غافل نہیں ہو سکتے اور قرآن کے انقلابی نظریات کو چھوڑنے والے مسلمان قرآن حکیم کے حامل نہیں کہلا سکتے۔ بلکہ وہ یہود و نصاریٰ کی طرح مسلمانوں کے پس افتادہ حصے ہی بن سکتے ہیں۔ مگر قرآن حکیم کی تحریک کو آگے چلانے والے لوگوں میں ان لوگوں کا ہرگز شمار نہیں ہو سکتا' جبکہ وہ قرآن کے انقلاب کو نہ سمجھ سکتے ہیں اور نہ اسے چلانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

مجددین اور انقلاب

جو لوگ ہر صدی میں نیا انقلابی نظام چلائیں گے وہ اسلامی زبان میں مجددین کہلاتے ہیں۔ الف ثانی کی تجدید ہندوستان میں حضرت شیخ احمد سرہندیؒ سے شروع ہوئی اور امام ولی اللہؒ دھلوی نے اسے مکمل کیا۔ ہند (و پاکستان) کے لیے یہی ایک نظام ہے جس میں وہ اسلام قائم رکھ سکتا ہے اور جس پر چل کر وہ اپنی حکومت پیدا کر سکتا ہے۔ مگر سیاسی فکر کی کمزوری کی وجہ سے لوگوں نے امام الہند ولی اللہؒ دہلوی کی حکمت کا صحیح اندازہ نہیں لگایا۔ اگرچہ یہ لوگ شاہ صاحبؒ کی علمی تحقیقات کو اول درجے پر مانتے رہے مگر وہ شاہ صاحب کے انقلابی کارناموں پر متنبّہ نہیں ہوئے۔ اب اگر ان کو نئے سرے سے تنبّہ پیدا کر دیا جائے تو یقین ہے کہ وہ فائدہ حاصل کرنے میں کوتاہ نہیں رہیں گے۔

مہاجرین کا حصہ فئے میں

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ ۔ یہ ذوی القربیٰ کا پہلا حصہ ہیں۔ یہ قریش کے محتاج لوگ ہیں۔ جنہوں نے تحریک اسلام کی خاطر گھر بار چھوڑا اور عسرت و فقیری قبول کی۔ جو لوگ مکہ معظّمہ چھوڑ کر آنا چاہتے تھے اہل مکہ ان کو روپیہ پیسہ ساتھ لے جانے نہیں دیتے تھے۔ مہاجرین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے خالی ہاتھ جانا منظور کیا۔ اس سے وہ محتاج ہو گئے۔ اسلامی انقلاب کی یہ سب سے پہلی مرکزی طاقت ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے بحیثیت رسالت ذوی القربیٰ ہیں۔ یہاں ان کی دو صفتیں بیان کی گئی ہیں۔

(الف) فضل اور رضوان

(1) يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (وہ اللہ کا فضل چاہتے ہیں)۔

وہ معمولی ضرورتوں پر اکتفاء کرنے پر صبر نہیں کرتے؟ وہ دنیا میں (اور اس کے نتیجے کے طور پر آخرت میں بھی) بلند مرتبے پر بیٹھنا چاہتے ہیں۔ وہ اللہ کی رضا چاہتے ہیں یعنی اللہ کا قانون دنیا میں نافذ کرنے پر مسرور ہیں۔ اگر وہ اپنے وطن میں اس قانون کو حاکم نہیں بنا سکتے تو ایسی جگہ چلے جاتے ہیں جہاں بیٹھ کر وہ یہ کام کر سکتے ہیں' مگر رضا ان کی اس میں ہے کہ قانون الٰہی دنیا میں سربلند ہو۔

(ب) نصرت

(2) وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (وہ اللہ اور رسول کے دیئے ہوئے قانون کی نصرت کو اپنا مقصد حیات بناتے ہیں)۔

أُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (یہ سچے لوگ ہیں)۔

یہ اپنے ایمان کے مطابق کام کر کے دکھاتے ہیں' اس لیے سچے ہیں۔ ایمان کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اسے عمل میں لا کر دکھایا جائے۔ یہ لوگ ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کے واسطے نمونہ ہیں۔

دارالاسلام مدینہ منورہ

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ ۔الایہ۔(وہ لوگ جنہوں نے گھر بنا لیا دارالاسلام میں اور گھر بنا لیا ایمان میں)۔

تَبَوَّؤُ الدَّارَ ۔ اللہ کے ہاں مدینہ دارلاسلام تھا۔ اس میں یہ صلاحیت تھی کہ مسلمانوں کا مرکز بن کر کام کرے۔ وہ اس زمین پر گھر بنا کر بیٹھ گئے اور پھر انہوں نے دوسرے لوگوں (مہاجرین) کو دعوت دی کہ آ جاؤ۔ ان کی خصوصیات یہ ہیں:

(الف) محبتِ مہاجرین کا نتیجہ

يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ ۔ جو لوگ اسلامی مرکز کے لیے ان کے ہاں آتے ہیں وہ ان سے محبت کرتے ہیں‘ ان کو اپنے اموال و املاک میں شریک بناتے ہیں۔

(ب) سرمایہ پرستی سے نفرت

وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا ۔ (ان لوگوں کو جو کچھ دیا گیا ہے اس کی طرف اپنے دل میں کوئی حاجت نہیں پاتے)۔ یعنی روپے پیسے کو اپنی حاجت کے لیے خزانہ بنا کر نہیں رکھتے۔ یہ ہے اصل میں سرمایہ پرستی کی پوری ضد۔

(ج) دوسروں کو اپنے پر ترجیح

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

اگرچہ خود بھوک میں مبتلا ہوں مگر پھر بھی وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

(اور جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچے، وہی لوگ کامیاب ہیں)

اور کلیہ قاعدہ ہے کہ جو لوگ مال و دولت کے طمع سے اپنے نفسوں کو پاک کرلیں وہ اپنی علمی و ایمانی تحریکوں کو کامیاب بنا لیتے ہیں۔ بعض اوقات ایک صحیح تحریک محض اس لیے ناکام ہو جاتی ہے کہ اس کے کارکن مال و دولت کو اس تحریک سے زیادہ محبوب سمجھنے لگتے ہیں۔

یہ مرکزی کمیٹی کا دوسرا حصہ تھا۔ قریش کے سوا جتنی قومیں اسلام کی خدمت میں پہلے دن (ابتدائی دور میں) شریک ہوئیں وہ سب انصار میں شامل ہیں اور مدنیہ طیبہ کے لوگ ان کا مرکز ہیں۔

انصار اور مہاجرین کا درجہ

تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ ۔ قرآن اور سنت کا علم جب مخاصمات و مقاتلات سے

مجرد کر کے دیکھا جائے ایمان کہلاتا ہے۔لیکن اس میں مخاصمات اور مقاتلات کی نفی مقصود نہیں ہے' بلکہ اس علم کا استقرار وتمکن مقصود اصلی ہے، چاہے اس کے لیے مقاتلہ کرنا پڑے یا مقاتلے کا انتظار کرنا پڑے۔ اس میں راز یہ ہے کہ جو شخص قتل کرنا چاہتا ہے مصلحت وقتی کے لحاظ سے اگر چند دن ترک قتال پر صبر نہیں کرسکتا، وہ لزوم قتال کے وقت صبر کے ساتھ لڑ بھی نہ سکے گا۔اصل میں مسلمان کے اندر یقتلون (دشمن کو قتل کرنے) اور یُقتلون (خود اپنی جان دینے) دونوں کا عزم بالجزم ہونا ضروری ہے۔اس کے تمام اعمال اسی عزم بالجزم کے اندر ہوں۔ انصار کا وطن قبل ہجرت ہی علم القرآن کا مرکز بن چکا تھا اور حضرت محمد ﷺ ایک شخص (معصبؓ بن عمیر) کو وہاں تعلیم اسلام کے لیے بھیج چکے تھے۔ ان لوگوں نے حفاظت رسول ﷺ پر بیعت کی تو اس کے عوض فقط یہ طلب کیا کہ رسول اللہ ﷺ انہیں چھوڑیں گے نہیں۔ گویا انصار نے مہاجرین کو اول درجے پر اور اپنے آپ کو دوم درجے پر رکھا۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ان کا شہر مہاجرین کی مدد ہی سے مرکز اسلام بن سکتا ہے۔ مدینہ منورہ پہلے فقط علمی مرکز تھا۔ جب مہاجرین آگئے تو وہ سیاسی اور دینی دونوں قسم کا مرکز بن گیا۔ انصار نے مہاجرین کو اپنے اوپر مقدم مانا اور جو لوگ بعد میں آئے انہوں نے مہاجرین اور انصار کے مجموعے کو اپنے پر مقدم کیا۔

اب تیسری جماعت آتی ہے جو ہمیشہ ہمیشہ پیدا ہوتی رہے گی۔

انصار ومہاجرین کے لیے استغفار کا مطلب

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ :

جولوگ ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں کہ یا اللہ ہمیں اور پہلے بھائیوں کو جنہوں نے ایمان لانے میں ہم پر سبقت کی، بخش دے۔یعنی ہم سے اور ان سے جو غلطیاں ہوئیں وہ معاف فرما دے۔ الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ یہی مہاجرین اور انصار ہیں۔ بعد میں آنے والے لوگ سابقین کی غلطیوں پر تنقید کرنا اپنا فرض قرار نہیں دیتے بلکہ اپنا فرض یہ قرار دیتے ہیں کہ ان کی خوبیوں میں شریک ہوں۔

جو شخص ان لوگوں کو اپنا مقتدا بنائے جو نبی نہ ہوں، اور وہ شخص خود بھی صاحب رائے اور صاحب فکر ہو، اسے ان مقتداؤں کے بعض اعمال و افعال میں گنجائش مقال

مل سکتی ہے۔ اس صورت میں وہ ان کے اقتداء کو تسلیم کرتا ہے مگر ساتھ ہی ان کے لیے ان غلطیوں کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہے۔ اگر وہ ان غلطیوں سے چشم پوشی نہ کرے تو پھر ان کا اقتداء نہیں کرسکتا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ ان غلطیوں کو غلطیاں سمجھتا ہے اور ان کا ان غلطیوں میں اقتداء نہیں کرنا چاہتا۔ اور نہ ان کی غلطیوں کی وجہ سے وہ ان مقتداؤں کو چھوڑ سکتا ہے۔ کیونکہ وہ (ان غلطیوں کو چھوڑ کر) اور بہت سی باتوں میں قابل اقتداء ہیں۔ اس لیے وہ ان کے لیے بھی اور اپنے لیے اللہ سے بخشش طلب کرتا ہے۔

انقلاب کے اجزاء ثلاثہ

انقلاب کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں۔

(1) نصب العین (2) پروگرام (3) مرکزی کمیٹی

(1) اسلام کا نصب العین تو یہ ہے۔ هُوَ الَّذِىٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (الفتح۔ 28)

(اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر اس لیے بھیجا کہ وہ اسے تمام دینوں (نظاموں) پر غالب کرے۔)

(2) اسلام کا پروگرام مکمل قرآن حکیم ہے۔

(3) اس کی مرکزی کمیٹی وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ (التوبہ 100) کی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشیر اور معتمدین تھے۔ ان کے بعد ان کی جگہ جو کمیٹی کام کرے گی الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ (التوبہ: 100) اس کے لیے انہی کا طرز عمل انقلاب میں قابل اقتداء ہوگا۔

انقلاب میں دھوکا

وَلَا تَجْعَلْ فِىْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔

(ایمان والوں کے لیے ہمارے دلوں میں کوئی کھوٹ پیدا نہ ہونے لگے)۔

ہم ان کو دھوکا نہ دیں کہ نام تو لیں قرآنی انقلاب کا اور جمع کرنے لگیں سرمایہ۔ اور قوموں پر حاصل کریں تغلب، جو ان سابقین بالا یمان نے نہیں کیا۔ سرمایہ پرستی اور

ملوکیت کی شکل پیدا کرنے کے سامان اسلام کے نام سے جمع کرنا کھوٹ اور دھوکا (غل) ہے۔ لوگ ہم پر اعتماد تو اس لیے کرتے ہیں کہ ہم اسلام کو اصلی شکل میں قائم کر کے دکھائیں گے اور ہم ان کو دھوکا دے کر اپنی شہنشاہیت قائم کرلیں؟ خدا کرے ایسا نہ ہو!!

مال فَئے کی تقسیم کا سبب

ان کو یہ روپیہ کیوں دیا گیا؟ یعنی ساری قوم یا ساری پارٹی میں یہ روپیہ کیوں تقسیم کیا گیا ہے؟ اس کی غرض یہ ہے کہ اس پارٹی کو فکرِ معاش سے بے فکر کرنا مقصود ہے۔ تا کہ وہ اپنے مخالفوں کے مقابلے کے لیے مضبوطی کے ساتھ تیار ہو جائے۔ اس کے مخالفین 'اسلام' کے خلاف جو بین الاقوامی پروگرام بناتے ہیں' پارٹی ان سب کا مطالعہ کرتی رہے اور اپنے لیے اور اپنے پروگرام کے تحفظ کے لیے ذرائع اور اسباب فراہم کرتی رہے۔ اور دشمنوں کے مقابلے میں بین الاقوامی نظام پیدا کرے۔ اب یہ پارٹی دوسری قوموں کو اپنا ہم خیال بنا کر انصار کی جماعت میں شامل کرے گی اور اس سرمایہ کی مدد سے اپنا کام مستقل طور پر جاری رکھے گی۔

قرآن کے خلاف بین الاقوامی محاذ

آیت نمبر 11: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ⑪

ترجمہ: ''کیا آپ نے نہیں دیکھا ان منافقوں کو جو اپنے بھائی' اہل کتاب کے کافروں (یعنی یہودیوں) سے کہتے ہیں کہ اگر تم کو نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے۔ اور تمہارے بارے میں کسی کا حکم نہیں مانیں گے۔ اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم تمہیں مدد دیں گے (اس طرح یہ مسلمانوں کے خلاف ایک بین الاقوامی محاذ پیدا کر رہے ہیں) مگر اللہ اس بات کو صاف طور پر کہہ دینا چاہتا ہے کہ یہ لوگ (منافقین) جھوٹ بولتے ہیں۔

منافق کون ہے؟

حزب اللہ کی تنظیم ہو جانے کے بعد وہ لوگ جو اس کے نظریات کے موافق نہیں ہیں،(مگر بظاہر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں) وہ منافق ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ قرآن حکیم کو سیاسی قوت حاصل نہ ہو۔

دو پیش گوئیاں

آیت نمبر 12 : لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِن قُوتِلُوا لَا يَنصُرُونَهُمْ ۚ وَلَئِن نَّصَرُوهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنصَرُونَ ﴿١٢﴾

ترجمہ : ''اگر اہل کتاب نکالے گئے تو یہ (منافقین) ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے۔ اگر اہل کتاب کے ساتھ جنگ ہوئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے۔ اور اگر مدد میں آ بھی کھڑے ہوں گے۔ تو وقت پر پیٹھ دکھائیں گے پھر ان (منافقین) پر جو تکلیفیں آئیں گی ان پر ان (منافقین) کو کوئی مدد نہ دے گا۔''

مضبوط مسلح جماعت کی ضرورت

آیت نمبر 13 : لَأَنتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِم مِّنَ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ

ترجمہ : ''تم ان کے سینوں پر خدا سے بھی زیادہ رعب ڈال سکتے ہو، یہ قوم بات کو سمجھتی نہیں۔''

یہ لوگ قانون کی اس وقت تک عزت نہیں کرتے جب تک ان کو کوئی دھمکانے والا نظر نہ آئے۔ یہ لوگ قرآن حکیم کی حکومت کا انتظار کرنے کی بجائے یہودیوں سے اتصال کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اگر تمہارے خلاف خدا کا حکم بھی آیا تو ہم اسے بھی قبول نہ کریں گے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوسکتی ہے کہ ان کے دلوں میں خدا کے قانون کی کتنی وقعت ہے۔ اس لیے مسلمانوں کی ایک بہت مضبوط جماعت قرآن حکیم کی حمایت کے لیے ہر وقت تیار رہنی چاہیے جو ان لوگوں کو اس قرآنی قانون کے احترام پر مجبور کر سکے۔

انقلاب اور جمود کا فرق

آیت نمبر 14: لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ۭ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ۭ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ

ترجمہ: ''وہ سب مل کر قلعہ نما بستیوں یا دیواروں کی آڑ کے بغیر تم سے نہیں لڑسکیں گے۔ ان کی آپس میں لڑائی سخت ہے۔ تو انہیں اکٹھا سمجھتا ہے اور ان کے دل جدا جدا ہیں۔ یہ اس لیے کہ وہ عقل نہیں رکھتے۔''

ان کی بے سمجھی کی یہ دلیل کافی ہے کہ آپس میں بھی متفق نہیں ہوسکتے۔ اس لیے وہ ایک انقلابی سوسائٹی کے قانون کا اصلی طاقت میں اندازہ ہی نہیں لگا سکتے۔ انقلابی سوسائٹی کا قانون اس کے ہر ایک فرد کو ہر وقت حرکت دے سکتا ہے۔ اور ان لوگوں کی یہ حالت ہے کہ قلعہ دار گاؤں یا دیوار کی آڑ کے سوا تم سے کہیں اکٹھے ہوکر لڑ بھی نہیں سکتے۔ ان میں آپس میں سخت دشمنی ہے۔

(ہماری طبیعت کی بھی کبھی یہی حالت تھی۔ ہم بھی اپنے فرقے کے سوا مسلمانوں کے کسی فرقے سے محبت نہیں رکھتے تھے۔ جب سے ہمیں انقلاب کی حقیقت سمجھ میں آئی ہے' اس روز سے ہم اپنے قلب میں یہ وسعت پاتے ہیں کہ اگر کسی دوسرے فرقے والے ہمارے ساتھ انقلاب میں شریک ہوجائیں تو ہم ان پر پورا اعتماد کرسکتے ہیں۔ ہم یہود کی اس حالت کا حل یوں کرتے ہیں کہ وہ تورات کی انقلابی روح کو بھول چکے تھے۔ اب ہم مسلمانوں میں بھی بے تکلف دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے جس حصے نے انقلاب بھلا دیا ہے اس کی حالت بھی اچھی نہیں رہی)۔

یہود کا ایک عیب

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۔ انہوں نے عقلی مسائل میں آزادی سے غور کرنا چھوڑ دیا۔ وہ جذبات اور اغراض کو سامنے رکھ کر عقلی قانون گھڑتے ہیں۔ وہ حقیقت میں عقلی قانون نہیں ہوتے، وہ فرضیات ہیں۔ عقلی قانون وہ ہیں جو تمام انسانی نوع کے لیے

یکساں کام دیں۔

یہود کے متعلق ایک پیشین گوئی

آیت نمبر 15 : كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

ترجمہ: ''یہ لوگ (یہودی) اس طرح شکست کھائیں گے جیسے ان سے پہلے (منکرین) عنقریب شکست کھا چکے ہیں (یعنی قریش) اوران کو دردناک عذاب ملے گا''۔

یہ بہت تکلیفیں اٹھائیں گے۔ یہ جلاوطن کر دیئے جائیں گے۔ ان کو مذہبی زندگی کے بغیر سکون نصیب نہ ہوگا۔ مگر کہیں (بغیر کسی تعاون کے) اپنے مذہبی نام سے گھر نہ بنا سکیں گے۔ اس طرح دوگونہ عذاب میں مبتلا ہوں گے----

منافقین کی تمثیل

آیت نمبر 16 : كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦﴾

ترجمہ: ''یہ منافق جو یہودیوں کولڑنے پر اکسا رہے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے شیطان کسی سے کہے ''کفر کر'' اور جب وہ کفر کر گزرے تو اس سے کہے ''بھائی میں تو تیرا ساتھ نہیں دے سکتا میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں''

آیت نمبر 17 : فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۗ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ

ترجمہ: '' ان دونوں کی سزا یہ ہے کہ دونوں آتش جہنم میں جائیں گے' اس میں ہمیشہ رہیں گے' ظالموں کی سزا یہی ہے''

ظلم کرنے والا اور ظلم میں مدد کرنے والا دونوں ایک ہی درجے کے مجرم مانے جاتے ہیں۔

حزب اللہ کی زندگی کی دوسری منزل

یہودیوں اور منافقوں کی طرف سے مخالفت و مخاصمت مشکلات کا پہلا مرحلہ تھا۔

دوسرا مرحلہ جو کل کو پیش آنے والا ہے وہ اس سے بھی زیادہ سخت ہے' وہ کسریٰ و قیصر کا مقابلہ ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو محض انقلابی کام کے لیے وقف ہو جانا چاہیے۔ یہ آمدنی جس کی تقسیم اوپر (آیت نمبر 7) بیان کی جاچکی ہے اس تیاری میں بہت مدد دے گی۔

اب دوسرے حصے پر بحث ہوتی ہے:

بین الاقوامی سرداری

آیت نمبر 18 : يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨﴾

ترجمہ: ''مسلمانو! اللہ سے ڈرو (یعنی اس کے نام سے انصاف کا قانون دنیا میں جاری کرو)۔ ہر ایک انسان اس امر پر غور کرتا رہے کہ اس نے کل کے لیے آج کیا چیز تیار کرنی ہے۔ اور اللہ سے ڈرو۔ یعنی اس کے نام پر انصاف جاری کرنے کا کام زیادہ زور سے کرو۔ اللہ تمہارے کاموں کو خوب اچھی طرح جانتا ہے۔''

یعنی جس قدر زور دار کام ہونا چاہیے وہ زور ابھی پیدا نہیں ہوا۔ تم انصاف کو نہایت مضبوط بنیادوں پر قائم کرو ورنہ اقوام کی سرداری تمہیں نہیں مل سکے گی۔ تمہیں اپنی قوم کی سرداری کے لیے جتنا انصاف پسند ہونا چاہیے، اقوام کی سرداری کے لیے اس سے کہیں زیادہ انصاف پسندی کو ترقی دینا ضروری ہے۔

اللہ کو بھولنے کا نتیجہ

آیت نمبر 19 : وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ

ترجمہ: ''تم ان لوگوں کی مثل نہ بن جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا۔ یہی لوگ نافرمان ہیں۔''

یعنی اللہ کے جس قانون کو مانتے تھے اس کے احترام پر اپنی جان و مال قربان

کرنے سے جی چرانے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے ان کے اپنے نفس بھلا دیئے (یعنی اللہ نے ان کو اپنے ذاتی کمالات سے اندھا کر دیا)۔ ان کے اندر جو طاقت تھی وہ معطل ہوگئی۔ وہ احساس کمتری (Inferiority Complex) میں اس قدر مبتلا ہو گئے کہ وہ سمجھنے لگے کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے، حالانکہ ان کے مخالف ان سے زیادہ قوت نہیں رکھتے۔ وہ کر سکتے ہیں تو یہ کیوں نہیں کر سکتے' مگر خدا نے ان کے پہلے جرم کی سزا میں ان سے اعتماد علی النفس (خود اعتمادی کا ہونا) چھین لیا۔

اللہ کی یاد کا فائدہ

نسوا اللّٰہ۔ کتاب اللہ کے موافق عمل کرنا بھول گئے۔

قانون شکنی کرتے کرتے قانون الٰہی کو بھلا ہی بیٹھے اور اپنی خواہشوں کے پیچھے لگ گئے۔ اللہ کی کتاب کی ادنیٰ برکت یہ ہے کہ وہ ایسے افکار سکھاتی ہے جن پر انسانیت مجتمع ہوسکتی ہے۔ انسان اگر کتاب اللہ کو یاد رکھے اور اس کے موافق عمل کرتا رہے تو وہ اجتماعی بن جاتا ہے۔ لیکن جب اسے بھلا دے تو وہ اپنی اجتماعیت بھی بھول جاتا ہے اور انفرادیت پسند (Individualist) بن کر رہ جاتا ہے' ایسی حالت میں اس کی زندگی کا معیار کذب و خیانت بن جاتے ہیں۔

بزدلی کس طرح پیدا ہوتی ہے؟

فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ (وہ اپنے کمالات کو بھول گئے)

خدا ان کو ان کی اپنی ذاتی قوتوں سے غافل کر دیتا ہے۔ وہ اجتماعی قوت سے کام کر سکتے ہیں لیکن اس کے متعلق خیال کرنے لگ جاتے ہیں کہ ہم نہیں کر سکتے، کیونکہ اب وہ انفرادی الخیال (Individual Minded) بن چکے ہیں۔ اجتماعیت کا خیال ان کے دلوں سے نکل چکا ہے۔ اس لیے وہ کسی اجتماعی کام کے کرنے کا اپنے اندر یقین ہی نہیں پاتے۔

انہوں نے اجتماعیت کو چھوڑا تو انفرادی الخیال ہو گئے۔اس کے بعد رفتہ رفتہ ان میں احساس کمتری (Inferiority Complex) پیدا ہوگیا جو انفرادیت پسندی (Individualism) کا لازمی نتیجہ ہے۔اب ان کو اس کا وہم و گمان بھی نہیں گزرتا کہ ہم بھی کوئی کام اجتماعی قوت سے کر سکتے ہیں۔

فاسق اور کافر میں فرق

أُولَٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (یہ لوگ بدمعاش ہیں)۔

جو لوگ قانون کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیں وہ تو کافر ہیں اور جو قانون کو تسلیم کر کے اسے نہ چلائیں بلکہ قانون شکنی کی عادت بنا لیں وہ فاسق ہیں، بدمعاش ہیں۔ کبھی کبھار غلطی سے قانون کی خلاف ورزی کرنے سے انسان فاسق نہیں بن جاتا۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ یعنی ان کی طرح نہ ہو بلکہ تمہیں اپنے قرآن کی حکومت قیصر وکسریٰ کے مما لک پر جاری کرنے کے لیے ہر وقت تیار ہونا چاہیے۔

مسلسل کام کرنے والے اصحابِ جنت ہیں

آیت نمبر 20 : لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ

ترجمہ: ''دوزخ والے اور بہشت والے برابر نہیں، بہشت والے ہی کامیاب ہیں۔''

اصحاب الجنہ وہ لوگ ہیں جو صحیح قانون کو صحیح طور پر اور مسلسل طور پر جاری کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں۔ مسلسل کوشش جاری رکھنے کے بعد حق پرست جماعت کے لیے ناکامی کا تصور ہی باطل ہو جاتا ہے۔ عارضی شکستیں، جن کا دفاع ہوسکتا ہے، پیش آ سکتی ہیں۔مگر یہ جماعت دوسرا پہلو بدل کر ان کا بدلہ لے سکتی ہے۔ اس لیے ان کو شکست نہیں مانا جاتا اور نہ اس قسم کی عارضی شکستوں (Reverses) سے دل ٹوٹنا چاہیے۔ ایسے لوگ ہی جنت کے حقدار ہوتے ہیں۔ یہ فوز و کامرانی جماعت کے بغیر حاصل ہی نہیں ہوسکتی۔

قرآنی انقلاب کی راہ میں دو پہاڑ

آیت نمبر 21 : لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ

ترجمہ: ''اگر ہم یہ قرآن ایک پہاڑ پر اتارتے تو تو دیکھ لیتا کہ وہ اللہ کے ڈر سے دب جاتا، پھٹ جاتا۔ اور یہ مثالیں ہم لوگوں کو سناتے ہیں تا کہ وہ غور کریں۔''

فوز (کامیابی) حاصل کرنے کے لیے یقین محکم اور عمل پیہم کی ضرورت ہے۔ قرآن حکیم وہ عظیم الشان انقلابی قوت ہے کہ اس کے آگے موانع کے پہاڑ بھی نہیں ٹھہر سکتے۔ یہ موانع دو قسم کے ہیں:

1- کسریٰ کی شہنشاہی صدیوں سے قائم ہے اور ایک پہاڑ کی مانند کھڑی ہے۔ ادھر انقلابی جماعت بالکل بے سروسامان ہے۔

2- القدس میں بنی اسرائیل کا دینی نظام صدیوں سے قائم ہے جس کی پشت پناہی قیصر کی شہنشاہیت کر رہی ہے۔

قرآن کی نئی دینی تحریک اس ساز وسامان سے عاری ہے:

سرمایہ پرستی اور برہمنیت کا خاتمہ

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ قرآن حکیم کا نظام سرمایہ پرستی اور برہمنیت دونوں پر غالب آئے گا۔ اور یہ دونوں پہاڑ پاش پاش ہو جائیں گے۔ یعنی نہ سرمایہ پرستی (Capitalsim) رہے گی' نہ دینی سرمایہ داری (Brahmanism) جو یہودیوں نے پیدا کر رکھی ہے۔ یہ دونوں تحریکیں انسانیت کے لیے سخت مضر ثابت ہو چکی ہیں۔ ان کا برباد ہو جانا لازم ہے۔ اہل فکر اس پر غور کریں۔

کامیابی کا مالک صرف اللہ ہے

آیت نمبر 22 : هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿٢٢﴾

ترجمہ: ''وہ اللہ ہے جس کے علاوہ کسی کی بندگی نہیں۔ پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا ہے۔ وہ بڑا مہربان رحم والا ہے۔''

اس تمام کامیابی کا سہرا کس کے سر باندھا جائے؟ اس کا Credit کسی خاص انسان کو نہیں دنیا چاہیے' اس کا مستحق وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور اس قانون انسانیت کا واضع ہے' اس لیے اپنی رحمت سے ان کامیابیوں کا سلسلہ قائم کر دیا ہے۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ! وہ مسلمانوں کی موجودہ حالت اور ان کا مستقبل اور قیصر و کسریٰ کی موجودہ حالت اور ان کا مستقبل خوب جانتا ہے۔ ان دونوں میں سے جو طاقت مفید ہوگی اسے وہ باقی رکھے گا اور دوسری کو اس مفید طاقت کے ہاتھوں پاش پاش کر دے گا۔

قرآنی انقلاب کائنات کے لیے رحمت ہے

هُوَ الرَّحْمٰنُ : اس کی رحمت تمام کائنات پر چھائی ہوئی ہے۔

الرَّحِيْمُ : نوع انسان پر بھی اس کی رحمت چھائی ہوئی ہے۔

یہ انقلاب تمام کائنات کے لیے بھی مفید ہے اور تمام انسانیت کے لیے بھی۔ اگر قرآنی انقلاب دنیا میں جائے گیر ہو جائے تو یہ انسانیت کے لیے باعث صد ہزار رحمت ہوگا۔ اگر انسانیت ٹھیک راستہ اختیار کر لے تو اس کے ماتحت حیوانات و نباتات بھی زیادہ آرم سے رہ سکتے ہیں۔

حاکمیت اعلیٰ صرف اللہ کی ہے

آیت نمبر 23 : هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

ترجمہ: ''وہ اللہ ہے جس کے سوا کسی کی بندگی نہیں: بادشاہ' پاک ذات' سب عیب

سے سالم، امان دینے والا، پناہ میں لینے والا، زبردست دباؤ والا، صاحب عظمت ان کے شریک قرار دینے سے اللہ پاک ہے۔''

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔ معبود صرف اللہ ہی ہے۔ قانون اسی کا چلتا ہے۔ پس اس کے سوا کوئی بھی اس نظام میں اپنی حاکمیت اعلیٰ (Sovereignty) قائم کرنے کا حقدار نہیں ہے۔ تمام قانون چلانے والے اللہ کے نائب ہو کر کام کر سکتے ہیں۔

اَلْمَلِكُ ۔ مُلک اسی کا، مِلک اسی کی ہے، اس لیے وہی مَلِک ہوسکتا ہے۔

برھمنیت کا خاتمہ کس طرح ہوا؟

اَلْقُدُّوْسُ ۔ کسی شخص کو اس نئے نظام میں مقدس مان کر اسے خدا کا قائم مقام نہیں مانا جاسکتا، ورنہ وہی برہمنیت (Brahmanism) اور پاپائیت (Papacy) پیدا ہو جائیں گے جن کے استیصال کے لیے یہ نظام قائم کیا جا رہا ہے۔ قدوس فقط ایک ہی خدا ہے۔

قرآنی تحریک ہمیشہ کامیاب رہے گی

اَلسَّلٰمُ ۔ چیزوں کو سلامتی کے ساتھ ترقی کی انتہا تک پہنچانا، ثمرات پیدا کرنا، تحریکوں کو کامیاب بنانا، اللہ کا کام ہے، جو السلام ہے۔

انقلاب کے تمام نتائج پہلے ہی دن نہیں نکل آتے بلکہ بتدریج نکلتے ہیں۔ بعض نتائج سو سال کے بعد نکلتے ہیں اور بعض اس سے بھی بعد نکلیں گے۔ یہ پروگرام قیام انسانیت کے خاتمے تک اپنے نتائج پیدا کرتا رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ جو سلام ہے اسے ہمیشہ سالم رکھنا چاہتا ہے۔

تمام ادیان شروع شروع میں اچھی حالت ہی میں تھے مگر قوموں کے تداول (دخل اندازی) سے مضر بن گئے۔ مگر اسلامی تحریک کا مرکز ایسا محفوظ کر دیا گیا ہے کہ اس میں کوئی دوسری چیز مخلوط ہی نہیں ہوسکتی۔ یہ خداوند تعالیٰ کے اسم ''السلام'' کا اثر

ہے۔ اس لیے یہ تحریک ہمیشہ کامیاب رہے گی۔

قرآنی انقلاب کے نتائج

(1) امن ہو جائے گا۔ (المومن)۔

اس تحریک کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ملک میں امن پیدا ہو۔

(2) تحفظ نتائج۔ (المھیمن)۔

حصہ داروں کے حصے محفوظ رہیں گے۔ ان کی کوششیں رائیگاں نہ جائیں گی اور وہ اپنی مساعی کے نتائج سے اس دنیا میں یا آخرت میں ضرور بہرہ اندوز ہوں گے۔

(3) عزت۔ (العزیز)۔

اس تحریک میں کام کرنے والے عزت مند رہیں گے ان کو عزت دی جائے گی۔

(4) غلبہ۔ (الجبار)۔

اس تحریک میں کام کرنے والوں کو غلبہ دیا جائے گا اور وہ زبردست بنا دیئے جائیں گے۔

(5) بڑائی۔ (المتکبر)۔

اس تحریک میں کام کرنے والے بڑے بنا دیئے جائیں گے۔

ان کا منبع صرف خدا ہے

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ

یہ تمام خوبیاں جو اس تحریک میں کام کرنے والوں میں پیدا ہوں گی اور تمام فوائد جو انہیں حاصل ہوں گے ان کا منبع و مصدر ذات الٰہی ہی کو سمجھنا چاہیے۔ یہ صفات اسی کا پرتو ہیں اور یہ انعامات اس کی طرف سے ہیں۔ ان کے عطا کرنے میں کسی انسان یا فرشتے کو شریک نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ واقع کے خلاف ہے۔

قانون دینے میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا انسانیت کے لیے خطرناک ہے۔ اور اس کے اخلاق کو تباہ کر دینے والا فکر ہے۔ خدا کو مالک الملک مان لینے کے

بعد پھر کسی اور کو اس کا شریک نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ اسے کسی شریک کی ضرورت نہیں ہے۔

(سبحن اللّٰہ) ملت حنیفہ کا تلبیہ یہ ہے۔

لبیک اللھم لبیک لبیک! لاشریک لک لبیک! ان الحمد و النعمة لک و الملک لاشریک لک گویا **الحمد، النعمة** اور **الملک** صرف خدا کے۔ ان میں اور کوئی اس کا شریک وسہیم نہیں ہے۔

آیت نمبر 24 : هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾

ترجمہ : ''وہی اللہ ہے پیدا کرنے والا' ٹھیک ٹھیک بنانے والا' صورت دینے والا' اسی کے اچھے اچھے نام ہیں۔ سب چیزیں اس کی تسبیح کرتی ہیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔''

کیا کوئی نیا نبی آئے گا؟

اس تحریک کی کامیابی کے بعد آگے کیا دورشروع ہوگا؟ کیا کوئی نیا نبی آئے گا جس کا انتظار کرنا چاہیے؟ کیا وہ عالمگیر انقلاب کے کوئی نئے اصول لے کر آئے گا؟ ہماری سمجھ یہ ہے کہ یہ تحریک کسی نئے نبی کا انتظار نہیں سکھاتی اور نبی اکرم ﷺ کو خاتم النبیین قرار دیتی ہے۔ تو کیا دنیا اب ایک ہی ڈھنگ پر چلتی رہے گی؟

اگر دنیا میں تبدیلیاں آئیں گی تو ان کے مطابق نئے نظام بھی آنے چاہئیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن حکیم جو نظام لے کر آیا ہے۔ وہ تمام اقوام کے لیے قیامت تک کے لیے کافی ہے۔

الخالق : چونکہ اللہ خالق ہے اس لیے نئی نئی چیزیں پیدا ہوتی رہیں گی۔

(**یخلق مالا تعلمون** (النحل :8) ان سے بڑے بڑے کام جن کو پہلی قومیں

نہیں کرسکیں آسان ہو جائیں گے۔خلق کے معنی ہیں ایک چیز سے دوسری چیز بنانا۔ یہ نظام کائنات اس طرح چل رہا ہے کہ ایک نظام اپنے مابعد نظام کے لیے انڈے کا کام دیتا ہے۔

المصور: اللہ تعالیٰ اس مادے کو نئی نئی صورتیں دیتا رہے گا۔

الباریٔ: اوران میں نئی نئی استعدادیں پیدا کرتا رہے گا۔

لہ الا سماء الحسنی: وہ اپنی صفات حسنہ سے ہر وقت کام لیتا رہے گا۔اس نظام میں کسی نئے اضافے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو نظام آپﷺ کا ہے یہ کافی ہے۔اب انسانیت بہ اعتبار آلات ترقی کرے گی۔ اصول انسانیت قرآن حکیم میں منضبط ہو چکے ہیں۔انسانیت ہمیشہ ان کی مدد سے اپنے اندر انقلابات پیدا کرتی رہے گی۔اس لیے کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں ہے۔اس طرح اس انقلاب کو قیامت تک کامیاب بنایا جاتا رہے گا۔

نئے نظام کی خوبیاں

يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾

آسمان و زمین کی تمام چیزیں اپنی ساخت میں بالکل بے عیب ہیں اورقواعد مسلمہ کے اندر کام کر رہی ہیں۔ پس وہ خدا جس نے یہ نیا نظام دنیا کو دیا ہے' اس نئے نظام کو بے عیب طور پر انسانیت کو دے رہا ہے اب اسی کے ذریعے سے انسانیت کو عزت حاصل ہوگی۔ کیونکہ یہ نظام حکمت پر مبنی ہے اور انسانیت کوحکمت سکھا تا ہے۔ یہ عزت و حکمت اللہ کی طرف سے آتی ہے۔

تمت سورۃ الحشر (59)
بشیر احمد مورخہ 1943-04-23
دن گیارہ بج کر پندرہ منٹ پر

الحمداللہ کہ سورۃ الحشر کی تفسیر ختم ہوئی۔ جن اہل علم حضرات نے اس شرح کا مطالعہ بنظر غائر کیا ہے۔ ان سے مخفی نہیں ہے کہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے عجیب عجیب نکات بیان کئے ہیں۔ اللہ رب العزت نے انہیں قرآن دانی کا جو ملکہ عطا کیا ہوا تھا وہ خاص الخاص تھا۔ ایسی ہستیاں دنیا میں بار بار پیدا نہیں ہوا کرتیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی خدمت قرآن کے صلہ میں اس صدقہ جاریہ کو ہمیشہ ہمیشہ قائم و دائم رکھے۔ آمین (خدا بخش)



تجدیدی اور انقلابی جدوجہد کا جامع تذکرہ

برصغیر میں تجدیدِ دین کی تاریخ

[التّمهيد لتعريف أئمّة التّجديد]



تصنیف

امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ

اردو ترجمہ

مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

برصغیر میں تجدیدِ دین کی تاریخ

تصنیف

امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ

اردو ترجمہ

مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری



امام عبید اللہ سندھیؒ کا اُسلوبِ تفسیر

قرآنی معارف ومطالب میں مجھے شاہ ولی اللہؒ (دہلوی) صاحب کے علاوہ کسی اَور حکیم کے افکار سے مدد لینے کی ضرورت نہیں پڑی۔ میں نے قرآن سے جو کچھ اَخذ کیا ہے اور جو بھی معانی مضامینِ قرآن سے استنباط کیے ہیں، مجھے ان کے تعیّن اور تائید کے لیے شاہ صاحبؒ کی حکمت سے باہر جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

قرآن مجید کی کسی آیت کی تفسیر میں جہاں کہیں میں نے مفسرین سے اختلاف کیا ہے، وہاں میں نے شاہ ولی اللہ (دہلویؒ) صاحب کے اُصول کو اپنے لیے سند مانا ہے۔ بعض ایسے مواقع بھی ہیں کہ میں نے شاہ عبدالعزیز (دہلویؒ)، شاہ رفیع الدین (دہلویؒ)، مولانا اسماعیل شہیدؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے اقوال کو حجت بنایا ہے۔ اور شاذ و نادر ہی ایسا ہوا ہے کہ میں نے محض اپنے فکر ورائے کی بنا پر دوسرے مفسرین سے اختلاف کیا ہو۔ جہاں کہیں اس طرح کی کوئی بات ہے، میں ایسے موقع پر صراحتاً بتا دیا کرتا ہوں کہ یہ میری سوچی ہوئی بات ہے۔ سننے والوں کو اختیار ہے کہ وہ اسے قبول کریں یا رَدّ کر دیں۔ مگر جن چیزوں میں ائمہ اور اساتذہ کی سند موجود ہو اور ان کی تشریح اور تفسیر کے مطابق آیات میں تناسب اور ربط پیدا ہو سکے تو میرا جی چاہتا ہے کہ اہلِ علم اس کے قبول کرنے میں اِباء (انکار) نہ کریں۔



رحیمیہ مطبوعات

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
00-92-42-36307714, 36369089 www.rahimia.org
info@rahimia.org /rahimiainstitute